احسان یا در اسلام کے باطنی اور رُوحانی پہلو پر
مؤلف کے قلم سے عصرِ حاضر کا شاہکار

آثار الاحسان

فی سیر
السلوک والعرفان

جلد اوّل

تالیف
جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

شائع کردہ:
محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور
جامعہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور

احسان اور اسلام کے باطنی اور رُوحانی پہلو پہ
مُؤلّف کے قلم سے عصرِ حاضر کا شاہکار

آثارُ الاحسان

فی سیرِ

السُّلوک و العِرفان

جلد اوّل

تالیف

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

شائع کردہ: محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور
جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ، لاہور

نام کتاب	......	آثار الاحسان (جلد اوّل)
مصنف	......	ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم
کتابت	......	طاہر علی، کریم پارک، لاہور
ناشر	......	محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور
صفحات	......	۵۲۰
تعداد	......	ایک ہزار
قیمت	......	

ملنے کے پتے

دفتر دار المعارف 1/3 دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور

جامعہ طیبہ اسلامیہ محمود کالونی نزد توحید پارک شاہدرہ لاہور 0300/0336-6332387

جیلانی اکیڈیمی جہانزیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور 0300-4840053

محمود پبلی کیشنز LG10 ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور 042-37321526

سٹی جامع مسجد سٹاک پورٹ روڈ مانچسٹر پوسٹ کوڈ ایم ۱۲

Jamia Islamia Manchester M12 4DT

00447877151083 - 00447815108503

فہرست مضامین

مقدمہ

حقیقت احسان وسلوک

از شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں احسان کی بہت تعریف کی ہے۔

انّ رحمۃ اللّٰہ قریب من المحسنین، ان الذین آمنوا وعملوا الصٰلحات اولٰئک الذین نتقبل عنھم احسن ما عملوا ونتجاوز عن سیاٰتھم، للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ، ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون.

اور بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے احسان اور محسنین کی تعریف فرمائی ہے جس سے احسان کا مقصود ومطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے اسلام ایمان اور احسان کا سوال کیا ہے، حضور ﷺ نے احسان کی تعریف فرمائی ہے ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ احسان یہ ہے کہ عبادت کی حالت میں خیال ایسا ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ غلام جب اپنے آقا کو دیکھ کر کام کرتا ہے تو خشوع وخضوع کی کوئی حالت نہیں چھوڑتا جس کو اپنے اندر پیدا نہ کرلیتا ہو، یہی حالت اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہونی چاہئے، اسی کا نام احسان ہے، اسی احسان کو حاصل کرنے کے لیے تصوف کے تمام کام کئے جاتے ہیں۔ ہم عبادت کرتے ہیں تو زبان پر فاتحہ شریف اور کلام اللہ ہوتا ہے اور دل تجارت اہل وعیال اور دنیاوی ضرورتوں میں لگا رہتا ہے، یہ تو احسان نہ ہوا یہ تو غفلت ہوئی احسان تو اس طرح ہونا چاہئے جس طرح مالک کے روبرو غلام رہتا ہے، یہ احسان حاصل کرنے سے ہوتا ہے اسے حاصل کرنے کے لیے جو کام کئے جاتے ہیں اسے

سلوک کہتے ہیں۔ حضرات صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں دو چیزیں مقصود ہوتی تھیں ایک حضور مع اللہ، اسی کو احسان کہتے ہیں، دوسری شکل وصورت اخلاق وعادات جناب رسول اللہ ﷺ کی سی ہونی چاہیے۔ متقدمین اخلاق و عادات کے درست کرنے کو مقدم رکھتے تھے جس سے انسان کے دل سے ریاء، سمعہ، کبر و بغض وغیرہ کو دور کیا کرتے تھے۔ اس میں سالہا سال لگ جاتے تھے اس کے بعد حضور مع اللہ کی تعلیم دیا کرتے تھے، اس میں عمریں لگ جاتی تھیں اور بسا اوقات حضور حاصل ہونے سے پہلے سالک کی زندگی ختم ہو جاتی تھی۔ متاخرین نے احسان یعنی حضور کو مقدم رکھا اسی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جس کے ساتھ ساتھ اخلاق کی درستگی کی بھی کوشش ہوتی رہتی ہے اور خود حضور کی کیفیت سے آہستہ آہستہ اخلاق کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی، انہی کوششوں کا نام اب سلوک وتصوف پڑ گیا ہے۔ دور صحابہ میں احسان کی کیفیت جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صرف صحبت کی برکت سے حاصل ہوتی تھی، آپ کے انوار سے دل کی گندگی دور ہو جاتی تھی اور حضور حاصل ہو جاتا تھا لیکن زمانہ جیسے جیسے گزرتا گیا محنت اور ریاضت کی ضرورت بڑھتی گئی غیر اللہ کا تعلق اور دنیا کی محبت کی وجہ سے جو میل کچیل دل میں بڑھ گیا اسے دور کرنا پڑا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:۔

ہر چیز کے صاف کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے جس سے اس کی گندگی اور زنگ کو دور کیا جاتا ہے اور دلوں کی صفائی کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس ذکر سے دل کی صفائی کا جو کام کیا جاتا ہے اس سے حضور حاصل ہو جاتا ہے اور اسی کا نام سلوک ہے اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ نقشبندیہ کے یہاں ذکر آہستہ آہستہ ہے، قادریہ اور چشتیہ کے یہاں ذکر بالجہر ہے۔ سہروردیہ کے یہاں وظائف و نوافل بہت ہیں، شاذلیہ درود شریف کی بہت کثرت پر زور دیتے ہیں، مگر آخر میں سب ایک جگہ آ کر جمع ہو جاتے ہیں اور وہ ہے مراقبہ ذات باری کا یعنی حضور واحسان حاصل ہو جائے ان تعبداللہ کانک تراہ بہر حال دل کی صفائی کے جو طریقے ہیں وہ ہی سلوک ہیں۔

سلوک وتصوف کوئی نئی چیز نہیں بلکہ احسان کا نام ہے۔ مشائخ کے نزدیک احسان کم از کم ملکہ یادداشت ہے یعنی دل میں اتنی قوت اور اتنا رسوخ پیدا ہو جائے کہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو سکے۔ اس کے مراتب ہیں بعض اس درجہ ترقی کر جاتے ہیں کہ کسی وقت اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، سوتے، جاگتے، چلتے، پھرتے ہر حال میں یاد رکھتے ہیں۔

یہ چیز جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے ایسی حاصل ہو جاتی تھی کہ کہیں رہیں، دنیا کے کسی کاروبار میں مشغول ہوں اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ یاد دو طرح کی ہوتی ہے ایک لفظ اللہ اللہ یعنی اسم ذات کی یاد، لفظ الرحمٰن وغیرہ اسم صفت ہے یہ کم مرتبہ کا ذکر ہے۔ دوسرا ذکر مسمی کا ذکر ہے، مسمی ذات مقدسہ ہے جو رزاق ہے، جس نے آسمان و زمین پیدا کیا ہے، ذات اور مسمی کا ذکر اصلی اور اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے جو بہت محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب قلب میں اس کا رسوخ پیدا ہو جاتا ہے تو اسے ملکہ یادداشت کہتے ہیں۔ اس کے بعد ذکر سے غفلت نہیں ہوتی جب یہ ملکہ یادداشت کسی اللہ کے بندے میں پیدا ہو جاتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے۔ اس سے آدمی میں گھمنڈ اور کبر نہیں پیدا ہونا چاہئے عبادت میں ہمیشہ کوشش کرتے رہنا چاہئے جتنا بھی آگے بڑھے اتنا ہی ڈر اور ضروری ہوگا، کسی وقت مطمئن نہ ہونا چاہئے، ہر وقت ڈرنا چاہئے جب تک ایمان پر خاتمہ نہ ہو جائے کسی کو حقارت سے نہ دیکھے۔

رائے گرامی

مجاہد ملت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ

الحمد للہ و سلام علیٰ سید الرسل و خاتم الانبیاء اما بعد:

نماز روزے کا نام تصوف نہیں، جذبہ تصوف زندگی میں کوئی خاص راہ عمل متعین نہیں کرتا بلکہ راہ عمل پر ہمت اور استقامت سے چلانے والا جذبہ ہے۔ حقیقت میں تصوف دلوں کو دین کی روح سے آشنا کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسی کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ احسان کی یہ کیفیت کتابوں سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ یہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کی توجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ ہماری ایک تو خوش بختی یہ تھی کہ خدا نے ہمیں اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور دوسرا کرم اس نے یہ کیا کہ مرشد اور استاد ایسے عطا فرمائے جن کے فیض صحبت سے ہم اپنی دلی مراد کو پہنچ گئے۔ الغرض ہمارے دل میں اسلام تصوف کے ذریعے رچا اور ان بزرگوں اور مرشدوں کے فیض صحبت سے ہمیں ایسی طمانیت نصیب ہوئی کہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی ہمارا دل کبھی ہراساں نہیں ہوتا۔

ہماری زندگی ایک بے معنی کھیل نہیں بلکہ ہم ایک مقصد لے کر دنیا میں آئے ہیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے جو ہم جدوجہد کرتے ہیں وہ ہمیں بعد میں ایک اور اعلیٰ اور برتر زندگی کا حقدار بنا دیتی ہے۔ یعنی زندگی کی ان تمام قدروں پر ایمان ہے جسے ہم آسان لفظوں میں خدا کا حکم کہہ دیتے ہیں یہی ایمان وعقیدہ ہے جو ہماری زندگی کا سب سے بڑا محرک رہا ہے، اس ایمان وعقیدہ میں اس قدر پختگی اور استقامت ہے کہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن اس میں تزلزل نہ آئے۔ یہ سب تصوف کی دین ہے۔۔۔۔ ہم وطن سے نکلے اور افغانستان پہنچے وہاں ہمیں نئے نئے حالات سے سابقہ پڑا، روس گئے تو بالکل اور دنیا نظر آئی جن مزعومات میں ہماری ساری زندگی گزری تھی روس میں ان کو ایک ایک کر کے ٹوٹتے اور مٹتے دیکھا اور نئے اصولوں پر زیادہ جاندار نظام بننے کا مشاہدہ کیا پھر ترکی میں بھی کم وبیش یہی کچھ ہمارے سامنے ہوا۔ اس تمام زمانے میں ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی اپنے مذہب کے اساسی عقیدہ پر شک وشبہ نہیں ہوا اور ہمارا دینی فکر روسی انقلابیوں کے لادینی فکر سے بلند تر رہا اور ان کی تمام تر مادیت کو ہمارے الٰہی فکر نے اپنے اندر ضم کر لیا۔ یہ سب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی تعلیمات کا فیض تھا کہ انقلاب کے ان طوفانوں کے مقابلہ میں ہم محض تصوف کی برکت سے اسلام پر ثابت قدم رہے۔ شاہ صاحبؒ کے تصوف میں باطنی شعور کو سنوارنے اور ابھارنے کا ایک ایسا نظام ملتا ہے جو خالص اسلامی ہے اور انسانیت عامہ سے ہم آہنگ ہے۔ نیز شاہ صاحب کا یہ تصوف موجودہ لادینی فکر کا صحیح مصلح ہے اور مسلمان اس کی وجہ سے یورپین ازم (یورپی ترقیات) اختیار کرنے کے بعد بھی اپنے مذہب سے وابستہ رہ سکتے ہیں۔

یہ ہے تصوف...... تصوف کا لفظ سن کر عام طور پر قدامت پسندی اور جعت پسندی کا خیال آتا ہے اور تصوف کو عموماً عمل اور اقدام کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ لیکن تصوف نہایت اندیشہ وکمال جنون کا مجموعہ ہے اور ہمارے عمل کے سوتے اسی سے پھوٹتے ہیں، اس تصوف ہی نے ہمیں ہر خطرے اور ہر مصیبت میں خدا کے دامن سے وابستہ رکھا اور اسی کا احسان ہے کہ ہمارا خدا پر عقیدہ اس قدر وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ اس میں ساری قومیں سما گئیں، سارے ادیان آگئے، کُل کی کُل انسانیت اس کے اندر جذب ہوگئی اور ساری کائنات کا اس نے احاطہ کر لیا اور یہ عقیدہ ان تمام حدود وقیود سے پھر بھی بلند وبرتر رہا۔ تصوف نے ایک طرف ہمارے ذہن وفکر میں اس قدر وسعت وہمہ گیری پیدا کی اور دوسری طرف ہمیں اتنا یقین اور

ستقامت بخشی کہ ہم اس باطنی شعور کو خارج میں لانے کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہے اور
ا سازگار حالات اور مادی مشکلات کی کبھی پرواہ نہ کی۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا عہد
قبال تھا اور ان کے قویٰ میں جان تھی تو ان کا تصوف کا جذبہ تمام تر عمل پر مرکوز رہا۔ بعد میں
جب قوم کے قویٰ مضمحل ہو گئے تو جمہور کا تصوف محض اندھا دھند عقیدت بن کر رہ گیا لیکن اس
سے یہ سمجھنا کہ تصوف نہ تھا تو مسلمان برسر عروج تھے تصوف کا دور دورہ ہوا تو ان کا زوال
شروع ہو گیا، تصوف کی اصل حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ارباب تصوف کی بے عملی کا
باعث تصوف نہ تھا بلکہ اس زمانے کے حالات نے ان میں جمود اور بے عملی پیدا کر دی تھی۔

جہاں تک برصغیر کا تعلق ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس تصوف
کے ارتقاء کی آخری کڑی ہیں انہوں نے اس تصوف کی جو تعبیر فرمائی ہے وہ صحیح معنوں میں
ہماری ذہنی زندگی کی اساس بن سکتی ہے۔

تصوف کا علمی تعارف

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

اسلامی علوم کے بہت سے دائرے ہیں، (۱) کچھ علوم ہیں جو قرآن کے گرد گھومتے ہیں، (۲) کچھ وہ علوم ہیں جو حدیث کے گرد گھومتے ہیں، یہ اس علم میں پتہ چلتا ہے کہ حدیث کب سنت کے Status (مقام) پر آتی ہے، (۳) پھر کچھ وہ علوم ہیں جو عمل صحابہؓ اور فقہ سے چلے ہیں، اس سے اسلامی قانون Law ایک کامل ضابطہ حیات کی شکل اختیار کرتا ہے۔
اسلام میں اگر فقہ کی راہ نہ کھلتی تو سینکڑوں حوادث پیش آمدہ میں اسلام کی رہنمائی نہ چل سکتی۔
قرآن وحدیث اور فقہ یہ شریعت کا ظاہر ہے اس کے اسرار کاملین امت اور علماء محققین پر کھلتے ہیں، ان میں مجددین بھی آتے ہیں اور متکلمین بھی، بشرطیکہ وہ اپنی عقل سلیم کی محنت شریعت کی تابعداری میں لگادیں اور اسے اسلام کی نقل صحیح کے خادم کے طور پر استعمال کریں جس طرح کہ اس امت میں حجۃ الاسلام امام غزالی، امام فخر الدین رازی، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اپنے اپنے پیرایہ میں عقل کو نقل کا خادم سمجھ کر استعمال کرتے رہے۔

ایک دائرہ جس کا محل دل ہے

ان تین دائروں کے بعد چوتھا دائرہ اس علم کا ہے جس کا محور دل ہے، یہ علم دل کے گرد گھومتا ہے حسن نیت، الٰہیت، عبدیت اور ریاضت اس کے آثار ہیں۔ ان بنیادوں پر تصوف کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور اس امت میں باعمل مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ اس علم کو لے کر چلا۔ صحابہ زہد وتقویٰ اور علم وفتویٰ کے کناروں میں دامن سنبھالے اس علم کو لے کر آگے

بڑھے اور وہ دولت جو عہد رسالت میں ایک نظر رسالت سے انہیں مل جاتی تھی اب وہ اس کے لیے ریاضت کی منزلوں میں اترے اور اوراد وظائف میں گھر کر اسے اللہ کے حضور طلب کرتے رہے۔ گو وہ ان کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکے لیکن تزکیہ کی دولت انہیں بے شک مل گئی۔

علماء کی نشر دین کی مساعی

علماء کی مساعی نشر علم، منبر ومحراب کی رونقیں، ان کی تبلیغی سرگرمیاں، مناظرانہ معرکے اور تدوین علم کی کاوشیں یہ سب اپنی جگہ لائق تحسین ہیں لیکن برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی عام اشاعت جس طرح صوفیہ کرام کے ہاتھوں عمل میں آئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ صوفیہ کرام نے شریعت کے ڈھانچوں میں روحانیت کے چمکتے چراغ جلائے اور شریعت و طریقت کے مابین اس کامیابی کے ساتھ تیرے کہ ان کے چاروں سلسلے ایک ہزار سال سے آپس میں کبھی کسی تنازعہ کے بغیر اب تک متحد اور متقارب چلے آرہے ہیں۔

کالجوں کے طلبہ اور مدارس عربیہ کے فضلاء کے لیے صوفیہ کرام کی خدمات اسلام اور ان کی اعمال باطن کی مہمات کا سمجھنا اس وقت تک بہت مشکل ہے جب تک وہ علم تصوف کے آثار خود کتاب وسنت کی گہرائیوں میں نہ دیکھ لیں اور تاریخ میں صوفیہ کرام کی اشاعت اسلام کی حیرت انگیز کاروائیوں پر ایک نظر نہ کرلیں۔

سو طلبہ کے لیے جس طرح قرآن کریم حدیث نبوی اور فقہ اسلامی کے دوائر علم میں گھومنا ضروری ہے اسی طرح ان کا تصوف کے دائرہ میں آنا اور ان راہوں کا مطالعہ کرنا جن راہوں سے یہ اہل طریقت ہمارے اس دور تک پہنچے ہیں، ازبس ضروری ہے۔ یہاں ہم صرف چار بزرگوں سے تصوف یا بالفاظ دیگر راہ طریقت کا تعارف کراتے ہیں اس مختصر تحریر میں بس اسی کی گنجائش ہے۔

(۱) خواجہ خواجگان حضرت مولانا معین الدین اجمیری قدس سرہ (۶۲۷ھ)
(۲) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ (۱۰۳۴ھ)
(۳) مجدد ماۂ سیزدہم حضرت سید احمد شہید دہلوی قدس سرہ (۱۲۴۶)
(۴) مجدد ماۂ چہاردہم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ (۱۳۶۲ھ)

ا۔ جب بندہ سراپا تقوی اور سراسر شریعت کا پابند ہو جاتا ہے تب مقام

طریقت پر آتا ہے۔
(ماخوذ از دلیل العارفین تالیف خواجہ قطب الدین بختیار کاکی)

۲۔ سیر و سلوک سے مقصود نفس امارہ کا تزکیہ اور اسے پاک کرنا ہے تا جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو انسانی خواہشات کے وجود سے پیدا ہوتی ہیں نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں خدائے واحد برحق کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۳۰)

۳۔ نفس کو اخلاق رذیلہ اور صفات کمینہ سے خالی اور پاک کرنا، اوصاف جمیلہ اور فضائل حمیدہ سے محلی اور مزین کرنا اور عبادات شرعیہ کا اس طریق پر ادا کرنا جس طرح شارع کا مقصود ہے، راہ نبوت کی بنیاد اور راہ ولایت کی رونق و بہار ہے (صراط مستقیم اردو ص ۲۰ طبع کراچی)

۴۔ شریعت کا وہ جزء جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف و سلوک اور وہ چیز جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور پر چلنا ہے گویا تصوف دین کی روح معنی یا کیف و کمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو رذائل اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنا اور فضائل اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرنا ہے تا کہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے جو مقصود حیات ہے اس لئے تصوف و طریقت دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا (ماخوذ از شریعت و تصوف ص ۱۶)

تصوف کے اصول صحیحہ قرآن و حدیث میں سب موجود ہیں اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن و حدیث میں بالکل نہیں ہے بالکل غلط ہے۔
(وعظ طریق القلندر ص)

یہ آخری نمبر پر ہم نے اس مجدد سے تصوف و سلوک کی وضاحت نقل کی ہے جس نے چودھویں صدی میں مصنوعی صوفیوں کے فریب کا پردہ چاک کر کے اس فن کی از سرنو

تدوین کی، اس نے قرآن پاک سے دلائل سلوک استنباط کر کے انہیں تفسیر کے حاشیہ پر جگہ دی، تصوف سے متعلقہ احادیث کو التکشف میں جمع کیا اور ان سے دلائل سلوک استنباط کئے۔ وہ مفسر بھی تھا اور محدث بھی، وہ فقیہ بھی تھا اور صوفی بھی اور وہ فن جو جعلی پیروں اور بدعتی علماء کی وجہ سے اپنا حقیقی جوہر کھو چکا تھا پھر سے شبلی وجنید، بایزید وجیلانی، سہروردی وسرہندی رحمہم اللہ اجمعین جیسے بزرگوں کے خزانوں سے روحانی معمور ہوگیا۔ یہ شخصیت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی ہے جس نے تصوف کو اس دور میں اتنا نکھارا کہ یہ علوم اسلامی میں فن تفسیر فن شرح حدیث اور فن فقہ کی طرح ایک مستقل فن بن گیا۔ ہم نے ضروری سمجھا کہ طلبہ علوم اسلامی کے مطالعہ اسلامیات کو مکمل کرنے کے لیے اس موضوع کی اہمیت حضرت تھانوی کے اپنے الفاظ میں پیش کریں۔ آپ حقیقت الطریقہ کے شروع میں لکھتے ہیں:۔

> ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقائد و اصلاح ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے۔ قرآن مجید میں بے شمار آیات اور احادیث میں بے شمار روایات اس کی فرضیت پر صراحۃً دال ہیں۔ اکثر اہل ظاہر سبب پابندی ہوا وہوس اس دلالت سے غافل ہیں ۔۔۔۔ اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمال باطنی کے اور یہی مقصود اصلی ہے طریقت میں جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے۔

ایک اہم سوال

سوال: یہ صحیح ہے کہ اسلام میں بحر شریعت کے ساتھ بحر طریقت بھی شروع سے بہتا چلا آرہا ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس دور میں تصوف زیادہ تر ایک پیشے کی صورت اختیار کر گیا ہے، باپ کے بعد بیٹا جانشین ہوتا ہے اور معتقدین ولی بن ولی کے عنوان سے ایک نیا ولی مارکیٹ میں لے آتے ہیں، تاہم اس راہ کی طلب اب بھی کروڑوں دلوں میں پائی جاتی ہے مگر افسوس کہ آج کل وہ شیخ کامل نظر نہیں آتا جسے مل کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت شیخ احمد سرہندی، حضرت سید احمد شہید، حضرت گنگوہی یا حضرت تھانوی وغیرہم کی یاد تازہ ہو۔ پیشہ ور پیروں کی آئے دن کی وحشت انگیز خبروں نے ہمارے سنجیدہ حلقوں

کو پیروں کے نام اور کام سے متنفر کر رکھا ہے اور لوگ اس طور کے فقر کو خود دین کے خلاف ایک سازش سمجھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسا بزرگ نہ ملے جس میں اسے ان بزرگوں کی کچھ جھلک نظر آئے جن کے نام ہم نے لئے ہیں تو وہ اس دوران اپنی اصلاح کے لیے کیا کرے؟

الجواب وھو الملھم للصواب

یہ صحیح ہے کہ ان دنوں اس منڈی میں کھوٹے سکے زیادہ آنکلے ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کھوٹے سکے وہیں بنتے ہیں جہاں کھرے سکے موجود ہوتے ہیں اور دھوکہ بازوں کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ جھوٹے سکے کھرے سکوں کی جگہ استعمال ہوسکیں۔ اگر کھرے سکے سرے سے ناپید ہوں تو کوئی بیوقوف جھوٹے سکوں کا کاروبار نہ کرے گا۔

یہ کہنا آسان ہے کہ ان دنوں پیر کامل نہیں ملتا لیکن یہ کہنا بھی مشکل نہیں کہ ان دنوں مرید صادق بھی آسانی سے نہیں ملتا۔ مریدین بے شک بہت ہیں مگر وہ اپنے پیروں کے پاس زیادہ تر دعاؤں اور تعویزوں کے لیے جاتے ہیں، یہ طرز عمل درست نہیں..... دعاؤں اور تعویزوں کے لیے آپ کسی بھی بزرگ کے پاس جاسکتے ہیں، ان دنیوی کاموں کے لیے کسی باخدا کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا جاتا پیر کامل کی ضرورت اپنی باطنی اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔ شیخ طریقت مرید صادق کو منزل بہ منزل سلوک واحسان کی سیر کراتا ہے اور اس دنیا کو دیکھ کر واقعی اس مرید کی دنیا بدل جاتی ہے، مگر افسوس کہ اب یہ حالات نہیں رہے، یہ لائن واقعتاً ایک پیشہ بن چکی ہے اور یہ راہ اللہ تک پہنچانے والی راہ نہیں رہی۔

مسلمانوں میں سیاسی خلافت اولاد میں چلنے لگی تو سیاست ہاتھ سے گئی اور روحانی جانشین اولاد سے ہونے لگے تو لوگ مقام ولایت کو کھو گئے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دین کا محافظ ہے اور دین کی یہ حفاظت بدوں اس کے نہیں ہوسکتی کہ یہاں دین کی صحیح راہ جاننے والے بھی قیامت تک موجود رہیں اور راہ طریقت کے شناور بھی تا آخر موجود پائے جائیں گو وہ تعداد میں کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: العلماء ورثة الانبياء اس میں یہ پیش گوئی لپٹی ہوئی ہے کہ صحیح علم رکھنے والے علماء قیامت تک رہیں گے جو جامع شریعت وطریقت ہوں۔ علماء حقیقت میں وہی ہیں اور ان کا قیامت تک موجود رہنا واقعی موعود ہے۔

قرآن کریم میں علماء سے مراد کون ہیں؟

قرآن کریم میں صرف ان لوگوں کو عالم نہیں کہا گیا جو علوم رسمیہ آلیہ کو جاننے والے اور تفسیر و حدیث کی نقل اور ان کے مطالب و مفاہیم کو پہنچانے والے ہوں بلکہ علم کی نسبت ان لوگوں کی طرف کی گئی ہے جن کے دل اللہ کے خوف سے معمور ہوں اور ان کے دلوں کا زنگ اتر چکا ہو۔ قرآن کریم میں ہے:۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور

(پ۲۲، الفاطر ۲۸)

(ترجمہ) اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ زبردست ہے بخشنے والا ہے۔

وارث وہی ہوتا ہے جو مورث کے سب طرح کے اموال میں شریک ہو، اسے شریعت اور طریقت کہیے یا اسے اسلام و احسان کا نام دیجئے یہ انبیاء کی میراث ہے، سو جو علماء ان دونوں میں طالب اور عامل ہوں وہی اس لائق ہیں کہ انہیں ورثۃ الانبیاء کہا جائے۔ جو طریقت میں نہیں وہ اس مذکور حدیث کا مصداق کیسے بن سکتا ہے۔ مجدد وقت حکیم الامت حضرت تھانوی تو یہاں تک فرما گئے ہیں کہ:

ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں (ماخوذ از شریعت و تصوف ص ۱۷)

احباب طریقت کے نام ایک مرشد عالم کا اصلاحی خط

مشائخ طریقت کس طرح اس راہ کے مسافروں کی تربیت کرتے ہیں ہم اس کا ایک نمونہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ایک مکتوب گرامی سے پیش کرتے ہیں جو آپ نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری کے نام لکھا۔ ہم اسے بلا تشریح نقل کرتے ہیں تا کہ طالبین اس اسلوب تربیت کو پہچانیں جس کے لیے سالکین اس وادی سلوک میں اترتے ہیں۔ ان کی یہ بیعت صرف دعا کرانے یا تعویذ لینے کے لیے نہیں ہوتی اپنے باطن کی اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب دارالعلوم دیوبند میں کچھ شورش تھی اور حاجی عابد حسین صاحب کا دور اہتمام

تھا۔ ممبران مدرسہ کی آڑ میں کچھ ایسا فتنہ برپا ہوا جس نے اہل مدرسہ کو پریشان کردیا اور کچھ اہل شہر بھی اس شورش میں شریک ہوگئے۔ ان دنوں یہ دونوں حضرات دیوبند کے مدرس اول اور مدرس دوم تھے۔ حضرت گنگوہی نے ان حضرات کو لکھا:۔

از بندہ رشید عفی عنہ۔ برادران مکرمان بندہ مولوی محمود حسن صاحب و مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہما! بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ آپ دونوں کے چند خطوط پہونچے جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا۔ آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدرسین کی دریافت ہوئی۔ لہٰذا یہ تحریر ضروری ہوئی۔

میرے پیارے دوستو! تم کو کیوں اضطراب و پریشانی ہے تم تو ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ پر قانع رہو اور مدرسہ سے آپ کو فقط اتنا تعلق ہے کہ درس دیئے جاؤ، اگر مدرسہ بند حق تعالیٰ کرادے گا تو تم اپنے گھر بیٹھ رہنا اگر مفتوح (کھلا ہوا) رہا درس میں مشغول رہنا۔ جو تم سے درس کرانا اہل شہر کو منظور نہ ہوگا تو دوسرا باب مفتوح ہوجائے گا۔ تم کس واسطے پریشان ہوتے ہو۔ خبر بھی مت رکھو کہ کیا ہورہا ہے اپنا کام کئے جاؤ تمہارے برابر تو کسی کے دست و پا نہیں چلتے تم کیوں بے دست و پا اپنے آپ کو لکھتے ہو، جس کام کے تم ہو اس میں تکرار نہیں اب فقط نزاع یہی ہے کہ اہل شوریٰ کی زیادت ہو تمہارا کیا حرج ہے تم اپنا کام کرو۔ حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں، وہ اپنی تدبیر میں رہیں خواہ کچھ ہو ہماری تمہاری مرضی کے موافق یا مخالف۔ اور اہل شوریٰ خود سب اختیار حاجی صاحب کو دے کر مطمئن ہوگئے تو تم پر کیا بار ہے۔ پس تم جیسے لوگوں سے تردد کا ہونا بے موقع ہے تم کسی امر میں لب کشا مت ہو۔ کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے بارے میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے۔ انتظام وغیرہ کو نہ جانیں نہ ہم دخل دیں۔ اور اندیشہ بدمعاشیاں بھی کیوں کرو۔ اس شعر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ کو مدنظر رکھو:.

قصد ظالم بسوئے کشتن ما　　　دل مظلوم ما بسوئے خدا

ترجمہ: ظالم کا ارادہ تو ہمارے مارڈالنے کی طرف ہے اور ہمارا مظلوم دل خدا کی طرف رجوع کئے ہوئے ہے۔

او دریں فکر تا بماچہ کند　　　مادریں فکر تاخدا چہ کند

ترجمہ: وہ تو اس فکر میں ہے کہ آخر ہمارے ساتھ کیا کرے اور ہم اس

فکر میں ہیں کہ آخر خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

اے عزیزاں، روز اول مقدر ہو چکا ہے۔ ذرہ ذرہ جو واقع مدرسہ کے امور میں ہے۔ وہ بھی بس وہ ہی ہوگا اور ہو کر رہے گا، خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے، پھر تم کیوں سرگشتہ ہوتے ہو۔ ہر چہ از محبوب رسد شیریں بود۔ (محبوب کی طرف سے جو کچھ بھی پہونچے وہ مٹھاس ہی ہے) ہم کون ہیں؟ بے اختیار محض ہیں۔ اگر چہ بظاہر مختار ہیں ہم پر جو گذرے گا وہ عین لطف ہوگا اور جو عالم میں صادر ہوگا وہ عین مصلحت ہوگا۔ خواہ خرابی مدرسہ ہو یا بقا۔ خواہ عزت ونصب ہمارا تمہارا ہو خواہ ذلت وعزل، تم یہ سب وقائع بازیگر کے سانگ سمجھ کر اپنے درس کے شغل میں بسر کرو۔ ایں وآں کو زید وعمر پر چھوڑ دو۔ ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔ (ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق بھٹکتا رہتا ہے) نہ کوئی مفسد کچھ کر سکے نہ کوئی مصلح کر سکتا ہے۔ سب فاعل ومختار کرتا ہے۔ وما تشاء ون الا ان یشاء اللّٰہ (اور تم تو کچھ چاہ بھی نہیں سکتے بغیر اس کے خود اللہ تعالیٰ ہی چاہیں)۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

ترجمہ: میں غیروں کی وجہ سے گریہ و زاری نہیں کرتا ہوں کیوں کہ میرے ساتھ تو جو کچھ کیا ہے اپنوں ہی نے کیا ہے۔

وھو ارحم الراحمین۔ بس تمام ہوا قصہ۔

وہاں کی خبر کا مشتاق ہوں، بشر ہوں اپنے دوستوں کا دعا گو خیر طلب ہوں۔ تم کو کوئی گزند نہیں، مطمئن رہو نہ مدرسہ کہیں جاوے، ہر شخص کو اپنے اپنے خیال پر نازاں جان کر کالائے بدبریش خود کرو اور دم بخود ہو کر می نوش ومی نیوش وچیزے مخروش (پی لو اور سن لو اور بالکل نہ بولو)، فقط۔ سب عزیزوں کو سلام مسنون یہ ہی مضمون جان بخش بعد سلام مسنون فرمادیویں، جو دوستان اہل تدبیر ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بعد سلام مسنون مضمون شکر ورضا ان سے کہہ دیویں اور جس کو چاہو سلام کہہ دینا یہ وقت اور یہ خروش اہل فساد عین مصلحت ہے۔ اس کا جس قدر غلغلہ ہوگا، اسی قدر مفید ہوگا۔ انجام خیر ہی خیر واصب ودائم رہے گا۔ رشید احمد

(تذکرۃ الخلیل ص ۱۸۷)

ممکن ہے کچھ لوگ باطنی بیماریوں کے وجود سے انکار کریں، ان کا یہ انکار خود ایک

بیماری ہے اور اس کا منشاء جہل کے سوا کچھ نہیں۔ والناس اعداء بما جھلوا۔ہم یہاں ان کی ایک اصولی فہرست پیش کئے دیتے ہیں۔

باطنی بیماریوں کی ایک اصولی فہرست

یہ وہ روح کی بیماریاں ہیں جو انسان کو سعادت اخروی سے روکتی ہیں، انسان انہیں اندر ہی اندر محسوس کرتا ہے مگر ان پر قابو نہیں پاسکتا، انہیں فقط ارادے سے دور نہیں کیا جاسکتا ان کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی ایسے آدمی کی طرف رجوع کیا جائے جو اس راہ سے واقف ہو اور اسے ان بیماریوں کا علاج معلوم ہو۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ دین کی راہ میں یہ دس گھاٹیاں ہیں جو انہیں طے کرلے وہ ان اخلاقی بیماریوں سے نجات پا گیا۔ وہ باطنی بیماریاں کیا ہیں، انہیں آپ نے مہلکات (ہلاک کرنے والی عادتیں) کا نام دیا ہے اور انہیں دس اصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی اصل اپنے آپ کو مشقت کا عادی کرنا اور اپنے کو ریاضت نفس پر لانا ہے جب اس نے نفس کے گھوڑے کو اس قدر لگام دے دی تو اگلی نو اصلوں پر بھی اسے قابو مل جائے گا۔ کیمیائے سعادت کا یہ رکن سوم ہے۔ یہ رکن دس اصلوں پر منقسم ہے۔

(۱) ریاضت نفس خوئے کے علاج اور خوئے نیک کی تدبیر
(۲) شہوت فرج و شکم اور ان دو کے شر سے بچنے کی تدبیر
(۳) مفاسد سخن کے علاج میں اور زبان کی آفتوں کے ذکر میں
(۴) غصہ اور حسد کے علاج میں اور اس کی آفتوں کے ذکر میں
(۵) دنیا کی دوستی کے علاج میں کہ یہ تمام گناہوں کی اصل ہے
(۶) مال کی دوستی کے علاج میں اور بخل کی آفتوں کے بیان میں
(۷) جاہ و حشمت کی طلب اور اس کی آفات کے بیان میں
(۸) ریاء و نفاق کے علاج اور اپنے کو پارسا ظاہر کرنے کے بیان میں
(۹) کبر کے بیان میں یہ اپنے کو بڑا سمجھنے اور اس کے علاج کے بارے میں ہے
(۱۰) غرور (اپنے بارہ میں دھوکہ کا شکار رہنا) اور غفلت کے بیان میں

حضرت الامام فرماتے ہیں کہ:۔

یہ تمام باتیں صفات مذمومہ کی جڑیں ہیں اور برائی کی تمام شاخیں ان

ہی دس اصلوں سے نکلتی ہیں۔ جس شخص نے ان دس گھاٹیوں کو طے
کرلیا اس کو برے اخلاق سے نجات حاصل ہوگئی اور اس کا باطن اطہر و
مطہر ہوگیا اور اس کا دل اس قابل ہوگیا کہ وہ حقائق ایمان سے اسے
آراستہ و پیراستہ کرے جیسے معرفت، محبت، توحید اور توکل وغیرہ۔

(کیمیائے سعادت ص ۴۴۳)

اب آپ ہی غور کریں کہ یہ روحانی بیماریاں اور باطنی امراض صرف وعظوں اور تقریروں سے دور ہوسکتے ہیں یا یہ کہ انسان صرف ان پر قوت و ارادہ سے قابو پاسکتا ہے؟ نہیں! اس امر مہم کو سر کرنے کے لیے حاذق معالج کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک مستقل فن وجود میں آیا ہوا ہے جس میں اس راہ کے سالکین اپنے حالات، اپنے تجربات، مجاہدات اور مشاہدات سے گزرے ہیں، جن جن راہوں سے انہوں نے کامیابی پائی انہیں منضبط کرلیا گیا اور اسی نے آگے جاکر علم تصوف کا نام پایا۔

مذکورہ فہرست میں جن روحانی بیماریوں کا ذکر ہوا ہے ان سب کا مورد دل ہے جب وہ فاسد ہوگیا تو سمجھ لیجئے کہ سارا بدن فاسد اور مریض ٹھہرا اور اگر اس کی اصلاح ہوگئی تو سمجھئے کہ سارا بدن صحیح ہوگیا اب یہ دل اس قابل ہوگیا کہ اس پر صفات الٰہیہ کی جھلک اتر سکے اور اسے ملاء اعلیٰ میں روح القدس سے اتصال نصیب ہو۔ قرآن کریم نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی۔

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون

(پ ۳۰، المطففین: ۱۴)

ترجمہ: بلکہ ان کے دلوں پر ان کی بدعملیوں کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ زنگ وہ اپنی پیدائش میں ساتھ لے کر نہ آئے تھے بلکہ ان کے ارادی اور اختیاری اعمال نے ہی ان کے دلوں کو تاریک کردیا ہے۔ قرآن کریم میں دلوں کے زنگ آلود ہونے کا یہ صریح ذکر ہے، صوفیہ کرام کے ہاں ظلمت قلب کی اصلاح یہیں سے ماخوذ ہے۔

یہ دل کی بیماریوں کا قرآن و حدیث میں صراحت سے تذکرہ ہے اب ظاہر ہے کہ جو انکا علاج ہوگا وہ بھی دین ہی ہوگا۔ دین کے اسی شعبہ کا نام تصوف، اصلاح قلب، تزکیہ

قلب، احسان ہے۔ اسی کو تصفیہ باطن بھی کہتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ ان باطنی بیماریوں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

تصوف دین کی روح، معنی یا کیف اور کمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو رذائل، اخلاق ذمیمہ، شہرت، آفات لسانی، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، حب جاہ، بخل، حرص، ریا، عجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاق حمیدہ: توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید، توکل، محبت، شوق، اخلاق، صدق، مراقبہ، محاسبہ اور تفکر سے آراستہ کرنا ہے تا کہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے جو مقصود حیات ہے۔ (ماخوذ از شریعت و تصوف ص ۱۶)

رذائل سے نکلنا ہر کسی کے بس میں نہیں

ہر شخص اپنے علم و فہم کی روشنی میں ان خطرات سے قابو پانے کی استعداد نہیں رکھتا، اپنا تزکیہ قلب کسی کے اپنے اختیار میں نہیں، اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام حضور ﷺ سے قرآن کریم سن کر اور آپ کی پاکیزہ سنتیں معلوم کر کے اپنا تزکیہ کر لیتے، ایسا نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے یہ کام حضور ﷺ کے ذمہ لگایا کہ آپ اُنہیں اپنی صحبت میں رکھ کر اُن کے دلوں کا تزکیہ کریں۔ پھر صحابہ کرام آگے اپنے متوسلین کا تزکیہ قلب کرتے رہے حالانکہ کتاب وسنت کے علماء انکے سامنے موجود تھے۔

دوسروں کی اصلاح کیلئے خود صالح ہونا کافی نہیں ہوتا مصلح ہونا درکار ہے۔ دوسروں کی اصلاح کے لیے ایک خاص ملکہ چاہئے اس کے لیے خاصا تجربہ مطلوب ہے اور اپنے مربی و مرشد سے اس کی تصدیق لازم ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتی کہ بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اُٹھائے گا تو بھی قاعدہ سے نہ اُٹھایا جا سکے گا، بلا درزی کے پاس بیٹھنے کے سوئی کو پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا، بلا خوش نویس کے پاس بیٹھنے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوش نویس نہیں بن سکتا۔ غرض بدوں کسی کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا۔

صحبت صالح ترا صالح کند   صحبت طالح ترا طالح کند

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا

گو نشیند در حضور اولیاء

مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی جو شخص خدا تعالیٰ کی ہم نشینی کا طالب ہو تو اُسے اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔(شریعت وتصوف ص۴۲)

مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

عادت اللہ یوں ہی جاری ہوئی ہے کہ کوئی کمال بدوں استاد کے حاصل نہیں ہوتا، تو جب اس راہ طریقت میں آنے کی توفیق ہو تو استاد طریق کو ضرور تلاش کرے جس کے فیض تعلیم اور برکت صحبت سے مقصود حقیقی تک پہنچے (ایضاً)

راہروانِ طریقت اجازت یافتہ شیوخ کے سوا کسی کی بیعت نہیں کرتے

جس طرح شریعت کی کوئی خود ساختہ راہِ عمل نہیں بلکہ یہ ایک عمل منقول ہے جو اوپر سے چلا آ رہا ہے، طریقت بھی کوئی خود ساختہ قلبی عمل نہیں اس کی بھی ایک مضبوط سند ہے جو صحابہ تک پہنچتی ہے۔ راہروانِ طریقت جس طرح شریعت اساتذہ سے لیتے ہیں طریقت بھی انہیں اہلِ سلسلہ سے مسلسل ملتی ہے۔ شیوخ جب مریدوں کو مجاہدات سے گزار لیتے ہیں اور انکی ثابت قدمی اور اللہ سے پیار اُنہیں دکھائی دینے لگتا ہے تو وہ اُنہیں آگے اللہ کا نام سکھلانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ مریدان با صفا اس کے باوجود اپنے شیوخ کے ہاں حاضری دیتے رہتے ہیں۔ سو جو شخص اپنے شیخ سے براہِ راست اجازت لئے بغیر لوگوں کو اس کے نام سے بیعت کرتا ہے وہ طریقت کی راہ میں ایک بدعت کا مرتکب ہے۔ حدیث پاک من احدث فی امرنا ھذا میں امر دینی کا لفظ شریعت اور طریقت دونوں کو شامل ہے۔

جب تک شیخ کامل نہ ملے وہ کاملین کی کتابوں میں اپنے کو مشغول رکھے

جب تک کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر ہاتھ نہ دے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے قلب کی اصلاح کا کوئی طریقہ اختیار نہ کرے، شیخ کامل جب تک نہ ملے اس وقت تک اپنے آپ کو

ان کتابوں میں مشغول رکھنا چاہئے جن میں کسی شیخ کامل کے افاضات اور ارشادات اور قلبی حالات پر ان کے تجویز کردہ معالجات ہوں۔ یہ کتابیں ایک طرح سے روحانی تعلیم کا کام دیتی ہیں تاہم اصلاح قلب اور اس کا طریقہ شیخ کامل سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ہم ذیل میں چند کتابوں کے نام لکھتے ہیں جن کے مطالعہ سے اس راہ کا سالک بہت کچھ پاتا ہے۔

(۱) کشف المحجوب ... حضرت شیخ علی ہجویریؒ، (۲) کیمیائے سعادت... از امام غزالیؒ، (۳) الفتح الربانی... مجالس حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، (۴) بنیان المشید... افاضات عارف باللہ شیخ سید احمد رفاعیؒ، (۵) عوارف المعارف... شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، (۶) نفحات الانس... شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ، (۷) مکتوبات شریف... حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ (۸) صراط مستقیم... از سید احمد شہیدؒ، (۹) مواعظ و ملفوظات... حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ان کتابوں کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکتوبات اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے خطبات کا مسلسل مطالعہ جاری رکھا جائے تو مومن واقعۃً اس فن میں ایک بڑی مناسبت حاصل کر لیتا ہے اور اسکی یہ محنت اس کو مرد کامل کی رہنمائی میں پہنچنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

آثار الاحسان کی تالیف کی غرض

یہ کوئی تصوف کی کتاب نہیں نہ اس میں مسائل تصوف کا بیان ہے، گو ضمناً کہیں کچھ مسائل آ گئے ہیں، یہ کتاب اسلامیات کے طلبہ کے لیے اس فن کے تعارف کی ایک کتاب ہے۔ اس وقت جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاں اسلامیات کا تعارف قرآن و حدیث سے آگے نہیں بڑھتا۔ کئی نادان یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ ہمارے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں ہمیں کسی تیسری چیز کی ضرورت نہیں، ایسے لوگ اسلامیات میں سنت کو اس کا صحیح مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ان حالات میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کو اسلامیات کی اصل بنیاد سمجھتے ہوئے اس کے طلبہ کو اس پر آئے پہلوؤں سے بھی روشناس کر دیں تا کہ پتہ چلے کہ فقہ اور تصوف کے بغیر شریعت کے تقاضے پورے نہیں ہو پاتے۔

قرآن کریم مسلمانوں کو سبیل المومنین اور صراط مستقیم پر چلانا چاہتا ہے اور یہ راہ اس

امت کے کاملین کے ساتھ عقیدت رکھے بغیر کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔

مسلسل دین پر چلنا ہی سبیل المومنین ہے

قرآن پاک نے تصدیق رسالت پر تو زور دیا ہے لیکن اتباع میں رسولؐ کی تخصیص نہیں کی۔ اس پورے معاشرے کو واجب الاتباع ٹھہرایا ہے جو حضورؐ نے قائم کر رکھا تھا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولٰی ونصله جهنم وسائت مصیرا

(پ:۵، النساء: ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو رسولؐ کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ ہدایت اس پر کھل چکی اور چل پڑا سبیل المومنین کے خلاف، ہم اسے کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

آنحضرتؐ کی تعلیم آپ کی زندگی میں ہی صحابہؓ کے عملوں میں آ چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہی حضرات کے عمل کا نام سبیل المومنین رکھا ہے اور مسلمانوں کو اس کا پابند ٹھہرایا ہے۔ سو مسلمان اب پابند ہیں کہ جب دین کی راہ پر چلیں تو وہ سبیل المومنین پر چلیں، خدا سے راہِ مستقیم مانگیں اور ان تمام لوگوں کی راہ پر چلنا مانگیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور ظاہر ہے کہ وہ صرف انبیاء نہ تھے صدیقین بھی تھے، شہداء بھی تھے اور صالحین بھی تھے۔ جو بھی اللہ کی طرف جھکا ہو مومنین اس کی اتباع کریں۔ کما قال تعالٰی واتبع سبیل من اناب الی (پ:۲۱، لقمان: ۱۵) وہ صالحین امت ہیں جو ہر زمانے میں کامل کی تربیت سے مسلسل چلے اور اب تک چلے آ رہے ہیں۔

ہم نے اس کتاب میں تصوف کے متعلقہ مضامین ایک تاریخی تسلسل میں پیش کیے ہیں، اس کا ہر مضمون ایک مستقل رسالہ ہے۔ یہ رسائل برِصغیر پاک و ہند کے معروف جرائد میں علیحدہ علیحدہ بھی چھپتے رہے ہیں، اب انہوں نے ہی اس مجموعہ میں آ کر ایک کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔

یہ کتاب راقم الحروف کی چوتھی خدمت ہے جو یونیورسٹیوں کے علوم اسلامی کے منتہی

طلبہ کیلئے لکھی گئی ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب ''آثار التنزیل'' تھی یہ قرآن کریم سے متعلقہ تیس مضامین کی ایک پیشکش ہے۔ دوسری کتاب ''آثار الحدیث'' ہے۔ یہ حدیث سے متعلقہ تیس مضامین کی ایک پیشکش ہے۔ تیسری کتاب ''آثار التشریع الاسلامی'' ہے۔ جو فقہ کے مختلف مضامین کا ایک مجموعہ ہے۔ اور چوتھی خدمت یہ تالیف ''آثار الاحسان'' ہے جو تصوف سے متعلقہ ۱۸ مضامین کا مجموعہ ہے۔ تصوف کا موضوع اپنی ذات میں بہت خشک دکھائی دیتا ہے، اسکا تعلق بھی زیادہ عمل سے ہے، علم سے صرف اس کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ ہم نے اسے دلچسپ بنانے اور اسکے طلبہ کو اس طرف رغبت دلانے میں اسے کئی نئے نئے عنوان دیئے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہماری درس گاہوں سے اسلامیات کے تمام طلبہ پیر بن کر نکلیں لیکن ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ ہمارے طلبہ روحانی تصرفات کے حسین گلشن کی ضرور سیر کریں۔ ہو سکتا ہے کوئی خوش قسمت اس باغ و بہار سے وہ پھول چن لے جس کی خوشبو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ہر سو پھیلی ہوئی ہے اور ہزاروں نہیں لاکھوں سعادت مندوں نے اس سے بہت فیض پایا ہے۔ اسی مناسبت سے احقر نے اس کتاب کا نام ''آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان'' رکھا ہے۔

راقم الحروف کا اسلوب بیان اور پیرایہ استدلال ان چاروں موضوعات میں ایک سا ہے۔ قرآن سے متعلقہ مباحث ہوں یا حدیث سے، وہ فقہ سے متعلق ہوں یا تصوف سے ہر موضوع میں میرے ماخذ علم ایک سے ہیں۔ میں نے ان چاروں موضوعات میں کتاب وسنت کی صحیح مرادات کی تعیین میں حدیث وفقہ کے ان اعیان سے استدلال کیا ہے جو اپنے عہد کے جلیل القدر جبال العلم تھے جیسے امام نووی، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ بدر الدین عینی، علامہ ابن ہمام اسکندری، حافظ ابن رجب حنبلی، امام ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالی۔ فقہ اور تصوف کے علمی مباحث میں بھی احقر کا استناد انہی اکابر سے ہے۔ اس اسلوب اور پیرایہ استدلال سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ جس طرح تفسیر وحدیث دین کے موضوعات ہیں فقہ وتصوف بھی دین کے ہی موضوع ہیں اور اس کی شہادت وہی ائمہ اعلام دے آئے ہیں جن کی ثقاہت اور وفور علم پر ہم نے تفسیر و حدیث کو دین کا موضوع تسلیم کیا تھا۔ اگر تصوف دین کا موضوع نہ ہوتا تو اسکے متعلقہ مباحث میں آپ کو وہی ائمہ اعیان جلوہ گر نظر نہ آتے جنہیں آپ پہلے آثار التنزیل اور آثار الحدیث میں دیکھ چکے ہیں۔

ایک ضروری گذارش

یہ کتاب تصوف پر ۱۸ مضامین کی یکجا پیشکش ہے، اس میں جتنے مضامین ہیں وہ اپنی جگہ مستقل اور جامع تالیفات ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ہر مضمون اپنی ذات میں مکمل ہوگا تو اسکی بعض جزئیات آپ کو کئی کئی مضامین میں مشترک نظر آئیں گی، اس سے بعض اوقات تکرار کلام کا شبہ ہوتا ہے۔ بات اس طرح نہیں! محدثین کی حدیث کی کتابوں میں بھی بعض احادیث کئی کئی ابواب میں ملتی ہیں اس کا سبب بھی تکرار کلام نہیں، ہر باب کو اپنی جگہ جامع دکھلانا ہے۔ راقم الحروف اپنی ان چاروں تالیفات میں محدثین کی طرز پر چلا ہے اور احقر نے ان ابواب میں معلومات کو اپنی جگہ جامع اور پورا دکھانے کی کوشش کی ہے۔

احقر یہ کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ یہ کتاب تصوف پر نہیں، تصوف سے متعلق چند علمی مباحث پر ہے۔ اس کا مقصد طلبہ کو گو وہ کسی بھی مسلک اور مشرب سے تعلق رکھتے ہوں اس حقیقت سے آشنا کرنا ہے کہ تصوف آج کی کوئی نئی آواز نہیں بلکہ تزکیہ قلب کا یہ وہ عمل ہے جس کی صدا ہمیں پچھلی چودہ صدیوں میں برابر سنائی دے رہی ہے۔

اظہار تشکر و امتنان

عزیز محترم حافظ محمد اقبال رنگونی سلمہ لائق تشکر ہیں کہ انکی ہمت، خواہش، محنت اور شوق ورغبت کے باعث آج یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ عزیز موصوف کی عرصہ سے تمنا تھی کہ احسان وسلوک اور تصوف وعرفان کے موضوع پر کوئی ایسی کتاب تیار ہو جائے جس سے نہ صرف مدارس کے طلبہ مستفیض ہوں بلکہ کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ بھی اس سے بھرپور استفادہ کریں اور احسان وسلوک کی سیر کا جذبہ بھی ان کے دلوں میں ابھرے۔ چنانچہ عزیز موصوف نے راقم الحروف کے مختلف اسفار میں پہلے مضامین مطبوعہ وغیرہ کو ایک جگہ جمع کیا پھر راقم الحروف کو نظر ثانی کے لیے کہا، راقم الحروف نے اس میں مناسب ترمیم بھی کی اور بعض نئے ابواب کا اضافہ بھی کیا ہے اور اس سیر سلوک کے دوران جہاں سے حسین اور معطر پھول ملے اسے اس حسین گلدستہ میں جگہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کی ان دینی مساعی کو مشکور بنائے آمین ثم آمین۔

حافظ صاحب کے زور قلم سے آج ماہنامہ الہلال کی آواز پوری دنیا میں گونج رہی

ہے۔احقر بیرونی دنیا میں جہاں بھی گیا ہے وہاں کے علمی حلقوں میں ماہنامہ الہلال کا امتیازی تعارف پایا۔انہی کی مساعی سے آج یہ علمی خدمت آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ اللہ رب العزت اسے شرف قبولیت سے نوازے۔

آج ۹ ذوالحجہ وقوف عرفات کے وقت یہ کتاب اپنی منزل کو پہنچ رہی ہے۔احقر صمیم دل سے اللہ رب العزت کا شکر گزار ہے کہ اس نے احقر ناچیز سے یہ خدمت لی۔ اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی فرو گذاشت پائیں تو راقم الحروف کو بذریعہ خط مطلع فرما دیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اسکی اصلاح کی جاسکے۔ ہاں اس راہ کے مسافروں سے گذارش ہے کہ وہ اس کتاب سے استفادہ بے شک کریں لیکن تصوف کی وادی میں کسی رہبر کامل کی رہنمائی سے ہی چلیں اور اس سنت خداوندی کو کبھی نہ بھولیں کہ اس نے ہمیشہ انسانوں سے ہی انسانیت کو تحفظ بخشا ہے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز

خالد محمود عفا اللہ عنہ (حال مقیم مانچسٹر)

دین کا ایک اہم موضوع۔ تصوف

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ اللذین اصطفی امابعد!

ہر علم کا ایک موضوع ہے اور اسکی ایک غایت ہے، عمل کی سب تگ و تاز اسی ایک موضوع کے گرد ہوتی ہے، اس کی غایت اس کا نقطہ تکمیل ہے۔ تصوف کا موضوع دلوں پر صفائی کی محنت ہے اور اس کی غایت خدا کی محبت حاصل کرنا ہے، یہاں تک کہ بندہ اسی ایک کا ہو کر رہے، اس کی معرفت میں وہ برابر آگے بڑھتا جائے اور وہ وہ کچھ دیکھ لے جو اس نے کبھی سنا یا سمجھا تھا۔ یہ عبادت کی غایت ہے جو موت پر پوری ہوتی ہے۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (پ: ۱۴ الحجر: ۹۹) اس وقت تک عبادت میں لگا رہے جب تک تمام پردے اٹھ نہیں جاتے۔

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اسے جانا جائے، اس کے طالب ہوں اور وہ مطلوب ہو اور اسے پہچانا جائے اور وہ معروف ہو۔ حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

> جاننا چاہئے کہ مقامات دین میں پہلا مقام یقین و معرفت ہے پھر معرفت سے خوف پیدا ہوتا ہے اور خوف سے زہد و صبر اور توبہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور زہد و توبہ سے صدق و اخلاص اور ذکر و فکر پر مواظبت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس سے انس و محبت ظہور میں آتا ہے اور یہ مقامات کی نہایت ہے اور تسلیم و رضاء اور شوق یہ تیغ محبت ہیں۔ (کیمیائے سعادت ۴۳۷)

دین کے باطنی مقامات کا مورد دل ہے

دل ان مقامات کا مورد ہے اور وہیں آکر یہ آگ بھڑکتی ہے۔ اعمال میں جان پھر

انہی احساسات سے آتی ہے۔ ظاہر و باطن ساتھ ساتھ چلیں تو اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت پاتے ہیں۔ باطن کی اصلاح نہ ہو تو یہ اعمال نہیں فقط اعمال کے ڈھانچے ہیں۔ یہ وہ اجساد ہیں جن میں روح نہیں، خوش نما بھی دکھائی دیں تو یہ وہ پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں۔ گرمی کے بغیر کیا کبھی کسی پھول نے خوشبو دی ہے؟ جو محنت اندر گرمی پیدا کرتی ہے اسی کا نام تصوف ہے، اسی سے اعمال میں جان آتی ہے اور تصوف نام ہی ان اعمال میں گرمی پیدا کرنے کا ہے۔

ضرورتِ تزکیہ کی چار قرآنی شہادتیں

دین میں پہلا قدم اسی طرف اٹھنا چاہئے، دین فطرت کی تعمیر میں عمل کی پہلی اینٹ اسی اخلاصِ نیت پر رکھی گئی ہے۔ یہ دین حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ثمر ہے جو آپ نے تعمیر کعبہ پر کی تھی:۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتک و یعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم.

(پ:۱،البقرۃ:۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے رب اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلا دے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور پاک کرے ان کو بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ کتاب وسنت اس امت کا چشمہ علم ہیں تو تزکیہ قلب سے اس کے عمل کی ابتداء ہے پھر جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو اس آیت میں انہی نقوش کی صدائے بازگشت سنائی دی:۔

ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم ایاتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمة (پ:۲،البقرہ:۱۵۱)

پھر فرمایا کہ جس رسالت سے تعلیم وتزکیہ کے یہ سوتے پھوٹے بیشک اللہ کا احسان عظیم ہے جو مومن پر وارد ہوا۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاته ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمة (پ:۴،آل عمران:۱٦۴)

آنحضرت ﷺ کی یہ محنت جس طرح امیین کے لیے ہوئی اسی طرح یہ اس دور کے رہنے والوں کے لیے بھی موعود ہوئی۔ جو اس دنیا کا آخری دور ہوگا۔ وآخرین منھم میں اس دور کے لوگ مراد ہیں۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین O وآخرین منهم لما یلحقوا بهم وهو العزیز الحکیم. (پ: ۲۸، الجمعہ: ۳،۲)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اُٹھایا امیوں میں ایک رسول انہی کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے کھلی بھول میں۔ اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے لیے بھی انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں۔ اور وہ ہی ہے زبردست حکمت والا۔

قرآن پاک کی یہ چار آیتیں ہم نے پیش کی ہیں جن میں دین فطرت کے نقوش تعلیم کتاب وسنت، تزکیہ قلب کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب سے یہ دین چلا ہے دلوں کی صفائی کی محنت جسے ہم تصوف کہتے ہیں کبھی بھی دین سے جدا نہیں رکھی گئی۔ تاریخ اسلام میں جہاں بھی تعلیم کتاب وسنت کی محنت پائی گئی تزکیہ قلب کی محنت بھی ساتھ ساتھ چلی، باطن کی اس محنت کا نام پہلے تزکیہ قلب تھا پھر اسے ایک آسان نام تصوف دیا گیا جس میں لفظاً بھی صفائی آ گئی۔ یہ تزکیہ قلب کے متوازی کوئی نئی کاروائی قائم نہیں کی گئی، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی اور نہ نام بدلنے سے کسی عمل میں بدعت آتی ہے۔

انسان کی ظاہر تعمیر کے فضائل چہارگانہ

حکماء نے جس طرح انسان کی ظاہری تعمیر کے لیے فضائل چہارگانہ ترتیب دیے :حکمت، شجاعت، عدالت اور عفت ان کے ساتھ ساتھ ان کے افراط وتفریط کے آٹھ پہلوؤں پر بھی بصیرت افروز بحث کی ہے۔ صوفیہ کرام نے مقام معرفت پانے کے لیے اس بلندی پر چار طرف سے چڑھنا چاہا اور جب وہ اس بلندی پر پہنچے اور ان عبور کردہ راہوں پر نظر کی تو انہیں یہ سب رستے برابر نظر آئے اور انہوں نے اپنے متوسلین کو ان کے حسب حال

جو راہ بتائی وہ اس راہ کے سالک بنے اور زیادہ کاملین نے بار بار عروج پایا اور ہر راہ سے وہ اس بلندی پر پہنچے۔

انسان کی روحانی تعمیر کے چار سلسلے

تصوف کے چار سلسلے (۱) سلسلہ قادریہ، (۲) سلسلہ چشتیہ، (۳) سلسلہ نقشبندیہ، (۴) سلسلہ سہروردیہ زیادہ معروف ہیں۔ جس طرح علم فقہ میں اعمال کے ظاہری نقشوں سے بحث ہوتی ہے، تصوف میں اعمال کی باطنی قدروں کی بحث کی جاتی ہے۔ اور ذوقِ عبادت کے شوق معرفت کو زیادہ کرنے کے لیے علم فقہ کے ساتھ ساتھ تصوف کی مشقیں بھی تیز کر دی جاتی ہیں۔

نوارا تلخ تر مے زن چوں ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر مے خواں چوں محمل راہ گراں بینی

ترجمہ: آواز کو ذرا تیز کر کے نکال جب تو دیکھے کہ نغمہ کا ذوق کم ہو رہا ہے اور جب تو دیکھے کہ اونٹوں کے کجاوے گراں ہو رہے ہیں تو حدی کو آواز تیز کر کے پڑھو (اس سے سوتے بھی جاگ اُٹھیں گے)۔

علم اخلاق فقہ اور تصوف کے دائرے

علم اخلاق میں تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدن کے دائروں سے گذرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر اخلاق کی تربیت ہوتی ہے۔ علم فقہ میں بھی ذاتی حالات، جماعتی حالات اور ملکی سیاسی حالات سے گذرنا پڑتا ہے تب دین اسلام ایک جامع ضابطہ حیات کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ تصوف میں اوراد و اذکار، روح کے اعمال اور شیخ کی مجالس و مراقبات سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور شیخ اس کے لیے جو بھی ترتیب مقرر کرے وہ اس راہ کے مسافروں کے لیے قانون نہیں بنتی، اس کا درجہ ایک علاج کا ہے جو مریض کے حسب حال تجویز کیا جاتا ہے۔ جو علم اخلاق میں تکمیل پاتے ہیں وہ حکماء سمجھے جاتے ہیں، جو فقہ میں تکمیل پاتے ہیں وہ مجتہد کے درجہ کو پہنچتے ہیں اور جو تصوف میں کامل ٹھہرتے ہیں وہ مجاز بیعت ہو جاتے ہیں کہ اللہ کی بھٹکتی مخلوق کو اللہ کی محبت میں کھینچنے کی دعوت دیں اور اپنے نفوس کی گرمی سے ان کے دلوں کو روشن کریں۔ یہ اللہ کے وہ دوست ہیں جو پھر دوسروں کو بھی اس کی دوستی میں کھینچتے ہیں۔

اللہ کے دوستوں کے مختلف مدارج

صحابہ کرام سب حسب مراتب تزکیہ قلب کی دولت پائے ہوئے تھے انہیں، ان ضربوں اور مشقوں کی ضرورت نہ تھی جو ہمیں تصوف کے مسافروں میں آج نظر آتی ہیں۔ ان کی دینی محنت زیادہ علم کی تبلیغ، عالمی اسلامی معاشرے کی تشکیل، سرحدوں کی توسیع و ترتیب اور عدل و انصاف کی تنفیذ میں لگی۔ پھر سلطنت اسلامی جتنی وسیع ہوتی گئی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے لیے معاشرے میں تعلیم و تبلیغ کی محنت کے ساتھ تزکیہ قلب کی محنت بھی جاری کی جائے۔ صحابہ کو جو دولت ایک نظر مصطفیٰ ﷺ سے مل جاتی تھی اب اس کے لیے اس راہ کے کاملین نے اوراد و اذکار اور ضربوں کی ضرورت محسوس کی۔ طبیب ہی جانتا ہے کہ مریض کی نبض کیا کہتی ہے۔ تابعین حضرات میں کچھ ایسے لوگ اُٹھے انہوں نے صحابہ کرام سے اکتساب فیض کرتے ہوئے پوری امت میں یہ محنت جاری کی۔ حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) اس راہ کے سالکوں میں سے تھے۔

نبی میں نبوت و ولایت کی دو نسبتیں جمع ہوتی ہیں

آنحضرت ﷺ منصب نبوت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور اس کے ربط و قرب کی ولایت بھی پائے ہوئے تھے۔ نبی جب امت کے تعلق میں خدا کی طرف دھیان کرتا ہے تو اس کی یہ ادا نبی کی ہوتی ہے اور جب وہ رات کی تنہائیوں میں خدا کے حضور کھڑا ہوتا ہے تو اس کی یہ ادا ولایت کی ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو انبیاء کرام ولایت الٰہیہ میں بھی اونچے درجے کے ولی ہوتے ہیں۔

روحانی کمال کے مختلف مدارج

روحانی کمالات میں سب سے اُونچا مقام نبوت کا ہے، پھر مقام ولایت ہے اور ولایت میں سب سے اُونچا مرتبہ ولایت نبوت کا ہے، پھر صدیقیت کا پھر محدثیت کا اور پھر شہادت کے مراتب ولایت ہیں، ان میں شہداء حسب مراتب شہادت آتے ہیں پھر ولایت عامہ کا مقام ہے جس میں جملہ صالحین امت حسب مراتب آجاتے ہیں اور انبیاء کے بعد ان سب حضرات پر اولیاء کا لفظ آجاتا ہے اور ہر ایک کے مراتب اپنے اپنے ہیں۔

صدیقیت اور محدثیت

ختم نبوت کے بعد صدیقیت کی کھڑکی خدا نے کھلی رکھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

سب صدیقوں کے پیشوا تھے۔ ان کا سینہ کمالات نبوت کو اپنے میں اتارنے میں بمنزلہ آئینہ تھا۔ سچائی کو قبول کرنا ان کی فطرت تھی یہی وجہ ہے کہ تصدیق رسالت میں آپ کو کسی معجزہ کی ضرورت نہ پڑی۔ حضرت عمر اس امت کے محدث تھے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو نبی نہیں ہوتے مگر خدا ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ صادق الظن ہوتے ہیں جن کا گمان بھی حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ سے ان پر روشنی اُترتی ہے۔

شہادت وولایت

پھر مقام شہادت میں سامنے تلوار کا وار اٹھانے والے حضرت عثمان غنیؓ ہیں جو ولایت کے اس اُونچے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت حمزہؓ اس امت کے سید الشہداء ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ بھی ایک اُونچے درجہ کے شہید ہیں۔ شہداء کرام وہ حضرات ہیں جنہیں مردہ کہنے سے قرآن نے منع کیا ہے۔ یہ وہ اولیاء ہیں جو مر کر بھی زندگی پا گئے گو یہ زندگی ہمارے شعور میں نہ آئے اور اس کی حقیقت ہم سمجھ نہ پائیں۔

نبوت کا کمال اپنی انتہاء کو پہنچ چکا

حضور خاتم النبیین ﷺ پر نبوت کا کمال اپنی انتہا کو پہنچ چکا اب آئندہ کسی کو نبوت نہ ملے گی گو نبوت ایک مرتبہ کسبی نہیں لیکن عطاءِ الٰہی کا انتظار کسی کو رہا ہو یہ کوئی امر مستبعد نہیں جونہی ملاءِ اعلیٰ میں ختم نبوت کا اعلان ہوا عالم ارواح میں کئی ہونے والے اولیاء کے دل اس حقیقت سے باخبر ہو گئے کہ اب ان کی پرواز محدود کر دی گئی ہے۔ یہ حضرات مقام نبوت سے روح کی غذا پاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں تسلی دی کہ اب اس کے ہاں باب ولایت عجیب شان سے کھلے گا اور اب اس امت میں اولیاء کرام ولایت الٰہی اور امانت سرمدی کے امین ہوں گے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں:۔

اعلم اللّٰہ تعالیٰ قصم ظہور الاولیاء بانقطاع النبوۃ والرسالۃ بعد محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وذالک لفقد ھم الوحی الربانی الذی ھو قوت ارواحھم (الیواقیت ج:۲،ص:۷۲)

ترجمہ: تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر نبوت ورسالت کو ختم کر کے اولیائے امت کی کمریں توڑ دی ہیں اور وہ اس طرح کہ وحی

خداوندی جو ان کی روحانی غذا ہو سکتی تھی مفقود کر دی گئی۔

یہاں ختم نبوت کو فقد وحی سے بیان فرمایا اور اسے قوت ارواح سے تعبیر کیا۔ یعنی روح کی خوراک اس سے پتہ چلا کہ وہ وحی جس میں نبی کو کوئی نئے احکام نہ ملیں اور وہ انسان کی روحانی منزلوں میں ایک روح کی غذا ہو اب اس درجہ کی بھی کوئی وحی باقی نہیں، ختم نبوت سے یہ باب وحی بھی بند ہو چکا، اس سے بلند پایہ اولیاء کرام کی ہمتیں تھک کر رہ گئیں۔

ولایت کا اعزاز واکرام

جس طرح اللہ تعالیٰ انبیاء ومرسلین کی نصرت معجزات سے فرماتے رہے، اس کے ہاں ولایت کا اعزاز واکرام کرامات سے ہوتا ہے۔ پھر اولیاء کرام کچھ عالم تکوین کے مسافر بھی ہوتے ہیں جو فرشتوں کی طرح کچھ اوپر کے حالات سے واقف ہو جاتے ہیں۔ پھر ان اولیائے کرام کی اپنی بھی کئی اقسام ہیں۔ اصولی طور پر نبوت و ولایت کا فرق سامنے رہے تو بندۂ مومن اولیائے کرام کے چشمہ ولایت سے بھی نور پا جاتا ہے جو اسے پہلے نبوت کی جھلک سے ملتا تھا۔

نبوت اور ولایت میں فرق

(۱) نبوت (پیغام رسانی) ایک ذمہ داری ہے اور ایک منصب ہے اور ولایت (دوستی) ایک عہدہ نہیں ایک تعلق ہے، (۲) نبی کو جاننا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے، ولی کو کوئی نہ بھی جانے اور جان کر نہ بھی مانے تو سوائے محرومی کے کچھ نہیں، (۳) نبی کو اپنی صداقت ظاہر کرنے کے لیے خدا کی طرف سے معجزہ ملتا ہے، ولی کو اس کے اعزاز واکرام میں کرامت دی جاتی ہے۔ معجزہ اور کرامت دونوں خرق عادت ہیں، (۴) نبی کے لیے دعویٰ نبوت ضروری ہے، ولی کبھی دعویٰ ولایت نہیں کرتا، (۵) علم نبوت کے مراکز مدارس ہیں اور ولایت کیلئے ذکر واوراد کی جگہیں خانقاہیں ہیں، (٦) علم نبوت کی بحث فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے مگر ولایت کے مقامات کا ذکر صرف تصوف میں ملتا ہے، (۷) شریعت میں اطاعت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے، ولایت میں محبت کی پرواز ہوتی ہے، (۸) شریعت کی بات ہر ایک کے لیے حجت اور سند ہے اور ولایت سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، (۹) شریعت کے مسائل مدارس ومساجد میں بتلائے جاتے ہیں اور تصوف کی محنت خانقاہوں میں بہار پر آتی ہے، (۱۰)

باب نبوت ہمیشہ کے لیے مسدود ہو چکا اور ولایت قیامت تک کے لیے ہے۔ (۱۱) نبوت صرف مردوں کو ملتی رہی ہے جب کہ ولایت کے مقامات مردوں اور عورتوں دونوں پر کھلے ہیں۔ (۱۲) نبوت میں آنے والی وحی اور الہام یقینی اور قطعی ہوتے ہیں جبکہ ولایت میں آنے والا الہام یقینی اور قطعی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر وہ کتاب وسنت سے ٹکرائے تو اسے قبول نہیں کیا جاتا۔

شریعت کے ظاہر اور طریقت کے باطن میں کئی کئی راہیں

اس امت میں شریعت کے معروف کتب فکر چار ہیں: (۱) احناف، (۲) موالک، (۳) شوافع، (۴) حنابلہ۔ یہ چار فرقے نہیں رستے ہیں۔ طریقت میں بھی چار سلسلے زیادہ معروف ہیں: (۱) قادریہ، (۲) چشتیہ، (۳) نقشبندیہ، (۴) سہروردیہ اور یہ بھی چار فرقے نہیں چار راہِ سلوک ہیں اور عقیدۃً یہ چاروں اور وہ چاروں اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

طریقت کے یہ چار سلسلے مقاصد شریعت کی تکمیل کرتے ہیں۔ شریعت نے نماز کا ڈھانچہ بتلایا، طریقت نے بتلایا کہ اس طرح عبادت کرو کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے اس مقام پر آنے سے نماز کی تکمیل ہو گئی۔ طریقت کے بغیر شریعت حقیقت نہیں بنتی۔ طریقت کے اپنے کوئی تقاضے نہیں یہ مقاصد شریعت ہی کی تکمیل کرتے ہیں۔ دلوں پر محنت کئے بغیر اللہ کی محبت ان میں نہیں اترتی، دلوں کا زنگ اترے بغیر یہ چمکتے نہیں اور اس طرح روشن ہونے کے بغیر اس میں حسن حقیقی کا پرتو نہیں آتا۔

تصوف کے بغیر کسی دینی عمل میں بہار نہیں

یاد رکھئے! تصوف کے بغیر شریعت کے کسی عمل میں لذت نہیں ملتی۔ عبادت کی لذت اسی کو ملے گی جس نے اپنے قلب کی اصلاح کی اور اس کے ساتھ شریعت کے کسی عمل کو پورا کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اعمال کی بناء صحت نیت پر رکھی ہے۔

ہجرت ایک عمل ہے جس کے لیے کئی نیتیں ہو سکتی تھیں آپ نے ان میں دو کو مثال میں لا کر فیصلہ دیا۔

انما الأعمال بالنيات و انما لامرئ مانوىٰ

ساری شریعت کی بناء اسی حدیث پر ہے۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث سے صحیح بخاری کا آغاز کیا ہے۔ آپ نے شروع میں یہ حدیث لا کر پوری شریعت کو طریقت میں جذب

کر دیا ہے اور اختتام پر وہ وظیفہ لکھا ہے جو زبان پر ادا کرنے میں ہلکا ہو اور میزانِ آخرت میں بھاری وزن دے اوراد و وظائف تصوف کی جان ہوتے ہیں۔ امام بخاری نے اس وظیفے پر اپنی صحیح کو ختم کر دیا ہے: سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم.

حسن نیت سے معرفت حق بڑھتی ہے

مومن حسنِ نیت پر آجائے اور اس کے ہر عمل کے پیچھے حسنِ نیت کارفرما ہو تو یہ وہ سالک ہے جو مقصدِ شریعت کو پا گیا۔ تاہم اس کے آگے بھی کچھ منزلیں ہیں یہ گو مقاصد شریعت میں سے نہ ہوں لیکن یہ وہ معرفت کی روشنیاں ہیں جن سے سالک کو اپنے اعمال کے ثمرات یہیں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

ان منازل میں منزل بہ منزل چڑھنا یہ مقاماتِ طریقت ہیں۔ طریقت اپنی بناء میں تو شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ نہیں لیکن اپنی نہایت میں یہ بہت آگے ہے، بہت سی ان لذتوں کو بھی شامل ہے جن میں سالکین سیر کے لیے نکلتے ہیں۔ لذتِ نظر ان کی راہ دیکھتی ہے۔ محبوب کے دیدار کی لذت زیادہ ہوتی ہے خیال میں تو صرف اس طرف دھیان لگا ہے لیکن دیدار میں اسے آنکھیں دیکھتی ہیں اور یہ حالت خیال سے کہیں قوی اور روشن ہوتی ہے۔

لذتِ نظر لذتِ معرفت سے کہیں زیادہ ہے

معرفت خیال سے ایک آگے کی منزل ہے۔ جاننا دو قسم پر ہے ایک تو وہ جو خیال میں تو نہ آئے لیکن عقل اسے کسی درجہ میں دریافت کر لے جیسے اللہ کی ذات اور اس کی صفات حیات، قدرت، علم، ارادہ وغیرہ۔ یہاں عقل خیال سے کہیں آگے جا نکلی لیکن دیکھا جائے تو عقل خیال کو بالکل چھوڑ کر بھی نہیں چلی، ادراک کی ان منزلوں میں خیال بھی عقل کے ساتھ ساتھ رہا ہے، جو پردے عقل نے اٹھائے خیال اس میں بھی ساتھ ساتھ چلا ہے۔ تاہم آگے منزل ایسی آئی کہ خیال نے یکسر دم توڑ دیا اور یہ وہ منزل ہے جہاں سالک مشاہدہ کی منزل میں اترتا ہے اور پردے اٹھ جاتے ہیں۔ ایک عاشق اپنے معشوق کے خیال میں گم ہے اس میں بھی اسے ایک گونہ لذت مل رہی ہے پھر اگر اسے اس کا دیدار میسر ہو جائے تو محبوب کے

دیدار کی لذت اس کے لیے اس کے خیال کی لذت سے کہیں زیادہ ہوگی۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ خیال میں اس محبوب کی کوئی اور صورت تھی اور دیدار میں کوئی اور، ایسا ہرگز نہیں، صورت تو وہی ایک ہے لیکن دیدار خیال سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ اپنے کسی عزیز کو خواب میں ملنے سے دن کو اسے واقعۃً ملنا کسے زیادہ اچھا نہیں لگتا اور پھر جتنا خیال روشن ہے لذت دیدار اتنی ہی تیز ہوتی ہے۔ عاشق محبوب کے خیال میں گم رہے وہ بیشک اس کی معرفت پا گیا، اس میں اسے لذت بھی بیشک مل رہی ہے لیکن لذتِ نظر لذتِ معرفت سے بہت آگے ہے۔ یہ گویا اپنے محبوب کو چڑھتے سورج کی روشنی میں دیکھنا ہے۔

عقل کے ادراک کی منزلیں

وہ روشنی جو خیال میں آتی ہے عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک درجہ معرفت کہلاتا ہے اور ایک کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ جو کمال انکشاف مشاہدہ میں ہوتا ہے اس کی نسبت معرفت کے ساتھ ایسی ہے جیسے دیدار کی نسبت خیال کے ساتھ۔ اور جس طرح پلک کا بند کر لینا آنکھ کے لیے ایک پردہ ہے اور وہ خیال کو نہیں روکتا اور جب تک یہ خیال اٹھ نہ جائے (یعنی آنکھ نہ کھلے) دیدار حاصل نہیں ہوتا، اس بدن کے ساتھ جو پانی اور مٹی سے بنا ہے آدمی کا تعلق اور دنیوی خواہشات میں اس کا مشغول رہنا مشاہدہ کے لیے حجاب ہے۔ تاہم یہ تعلق معرفت کے لیے مانع نہیں آدمی ان علائق میں رہ کر بھی معرفت کی دولت پالیتا ہے اور شریعت کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔

> اس بدن کے ساتھ جو پانی اور مٹی سے بنا ہے آدمی کا تعلق اور دنیوی خواہشات میں مشغول رہنا مشاہدہ کے لیے حجاب ہے لیکن معرفت کے لیے مانع نہیں مگر جب تک یہ تعلق منقطع نہیں ہوتا مشاہدہ غیر ممکن ہے۔

(کیمیائے سعادت ۵۲۸)

شریعت کے تقاضے معرفت سے پورے ہو جاتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰؑ نے دیدار باری تعالیٰ چاہا اور کہا رب ارنی انظر الیک اے میرے پروردگار میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا دیجئے وجہِ انور بے حجاب دیکھ سکوں، اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول تھے اور شریعت کا مغز پائے ہوئے تھے۔ اب یہ تقاضا برائے ازدیادِ معرفت نہ تھا، معرفت الٰہیہ کی

ایک آگ تھی جو بھڑک رہی تھی، ایک اٹھی لہر تھی جو آپ سے یہ درخواست کرا رہی تھی اور یہ اسی لیے تھا کہ لذتِ نظر لذتِ معرفت سے کہیں زیادہ ہے۔ معرفت سے شریعت کی تکمیل ہو تو سکتی ہے لیکن طریقت محبت کے جلو میں ایک ایسی بھڑکی پیاس ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، بندہ کی نیازمندی اللہ کے حضور یہی ہے۔

تو حقیقت ہے میں صرف احساس ہوں
تو سمندر ہے میں بھڑکی ہوئی پیاس ہوں

محدثین مفسرین اور فقہاء کی علمی کاوشوں کا کنارا آپ کو ان کی تصنیفات میں کہیں نہ کہیں نظر آ جائے گا لیکن شناورانِ بحرِ طریقت ہر لحہ اور ہر آن ایک نئی اُڑان میں ملیں گے۔ حضرت موسیٰ سراپا شریعت تھے لیکن حضرت خضر کے ساتھ چند مشاہدات سے زیادہ اس راہ کے جلوے نہ دیکھ سکے۔

اس راہ سلوک کے مسافر دقائق شریعت میں نہیں گھرتے

شریعت کے بنیادی اصولوں پر حوادث پیش آمدہ، تفریعات اور نئی جزئیات کے لیے ان کے نظائر کی تلاش یہ فقہ کا نہایت دقیق موضوع ہے۔ طریقت کے شناور زیادہ باریکیوں میں نہیں پڑتے۔ اہل نظر اختلافی مسائل میں ہمیشہ وسیع نظر رہے ہیں، علوم آلیہ میں یہ حضرات فارغ التحصیل یا کوئی بلند پایہ خطیب ہوں ان میں سے کوئی بات ضروری نہیں۔ حضرت شمس تبریز مولانا روم سے رسمی علم میں آگے نہ تھے، حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحی دہلوی سے علومِ رسمیہ میں آگے نہ تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ) حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت گنگوہی سے علم وفن میں بڑھ کر نہ تھے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ یہ سب جبال علم ان حضرات سے اس لئے بیعت ہوئے کہ انہیں سلوک و احسان کی ان سرمدی وادیوں کی سیر مطلوب تھی جن تک یہ ان علومِ رسمیہ کے سہارے نہ جا سکتے تھے۔ مولانا رومؒ نے تو یہ کہہ بھی دیا تھا:۔

مولوی ہرگز نشد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

پھر طریقت کی بھی دو پروازیں ہیں، ایک شریعت کے ساتھ ساتھ اور دوسری اس

سے آگے۔شریعت کا ایک نقطہ کمال ہے اس پر تکمیلِ دین کی بشارت دے دی جاتی ہے الیوم اکملت لکم دینکم. لیکن طریقت سالکین کو اللہ کی گود میں لے جا بٹھاتی ہے۔ یہاں عنایات خاصہ کی کوئی انتہا نہیں، ایک لامحدود ہستی کا فیض بھی لامحدود ہے، سو طریقت کو کوئی منتہیٰ نہیں ملتا۔ جہاں تک شریعت طریقت کے ساتھ چلے غلبہ شریعت کا ہوتا ہے اور طریقت میں کوئی نقطۂ انتہا نہیں۔سالک کی شریعت کے آگے جو پرواز ہے اس کا کنارہ کسی نے نہیں دیکھا۔

سالکین مقام احسان تک پہنچتے ہیں اور پھر یہی نہیں کہ وہ اللہ سے پیار کرتے ہیں بلکہ اللہ بھی ان سے پیار کرتا ہے۔قرآن کریم احسان پر آنے کے بارے میں برملا کہتا ہے:۔

واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (پ:۲،البقرہ:۱۹۵)

ترجمہ: اور نیکی کرو بے شک اللہ دوست رکھتا ہے مقام احسان پر آنے والوں کو۔

طریقت کی راہ واقعی بہت طویل ہے۔یہ جذبات پر مبنی ہے اور جذبات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔شریعت کو تکمیل دی جاتی ہے، اکمال کا مژدہ سنایا جاتا ہے لیکن بحرِ طریقت کے شناوروں کو کنارے پر نہ لانا ہی ان کا اعزاز ہے اور یہی ان کا استقبال ہے۔ یہ گمان نہ کیا جائے کہ مقام ولایت مقامِ نبوت سے بڑھ گیا، نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے۔نبوت آخری وقت میں رفیقَ اعلیٰ کو اختیار کرتی ہے، اور یہ کب؟ جب اسے پوچھا جاتا ہے اور ولایت کی نیاز مندی بہت سے سالکین سے اس وقت سن لی گئی تھی جب وہ ابھی اس عالم ناسوت میں تھے۔

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوشِ محبت میں بٹھا

تزکیہ قلب، دلوں پر محنت کرنے کا نام

الحمد للّٰہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد!

قرآن کریم میں جہاں اور فرائض رسالت کا ذکر ہے وہاں ان میں تزکیۂ قلب کی ذمہ داری بھی آپ کو دی گئی۔ یہ آیت کریمہ آپ پہلے کئی مضامین میں پڑھ آئے ہیں:۔

لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین

(پ:۴، آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا جو ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھے، ان کے دلوں کا تزکیہ کرے (انہیں گناہوں کی آلائش سے پاک کرے) اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اس سے پہلے بے شک وہ لوگ گمراہی میں تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ رسول کا کام صرف تبلیغ احکام نہیں اس کتاب کی تعلیم بھی جسے سنت کہتے ہیں اس کے ذمہ ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ سورۃ البقرہ کی تفسیر میں یعلمھم الکتاب والحکمۃ کے تحت لکھتے ہیں:۔

علم کتاب سے مراد معانی و مطالب ضروریہ ہیں جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں اور حکمت سے مراد اسرار خفیہ اور رموز لطیفہ ہیں۔

(فوائد القرآن ص:۲۵)

اس آیت میں لفظ ویزکیھم سے مراد تصفیۂ قلب ہے۔
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

تزکیہ نفوس (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر میقل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے تمام مضامین پر عمل کرنے، حضور علیہؐ کی صحبت اور قلبی توجہ اور تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی (فوائد القرآن ص ۹۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فرائض رسالت میں صرف کتاب و سنت کی تعلیم نہیں، ان میں دلوں کو صاف کرنے کا عمل اور ان میں اخلاص اتارنا بھی شامل ہے۔ دلوں پر محنت کرنے کی بھی ایک سمت ہے اور یہی تصوف کا نقطۂ آغاز ہے۔ روحانی علم کی جملہ نہریں کتاب و سنت کے انہی چشموں سے جاری ہوتی ہیں۔ تفسیر ماجدی میں ہے:۔

رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے......رسول کی دوسری حیثیت معلمِ اعظم کی ہوئی......رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہوئی۔ یزکیھم میں تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے۔ رسول کا کام محض الفاظ اور احکامِ ظاہر کی تشریح تک محدود نہ رہے گا بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض سرانجام دیں گے

(تفسیر سورہ البقرہ، ص:۵۱)

جس طرح خلافت ظاہرہ میں عدالتوں کا قائم کرنا، ضرورت کے وقت جہاد کرنا، عشر وخراج کا وصول کرنا اور اسے مستحقین پر لوٹانا بادشاہِ عدل کی ذمہ داری ہے، دلوں کا پاک کرنا اور ان میں نور پیدا کرنا یہ خلافت باطنہ ہے۔ مجدد ماۂ دوازدہم امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

والخلافة الباطنة تعليم الكتاب والحكمة وتزكيتهم بالنور الباطن بقوارع الوعظ وجواذب الصحبة لما قال عز من قائل لقد من الله...الاية (تفہیماتِ الٰہیہ ج:۱،ص:۱۳۰)

ترجمہ: اور خلافت باطنہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیم دی جائے اور لوگوں کے دلوں کا تزکیہ نورِ باطن سے ایسے مواعظ سے کیا جائے جو

کانوں کو کھڑکھڑا دیں اور کاملین کی ایسی صحبت میسر آئے جس میں جذب کی شان ہو، اور دل اس طرف کھچ جائیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھے ان کے دلوں کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے پہلے یہ ایک کھلی گمراہی میں ہیں۔

سو یہ بات واضح ہے کہ تزکیہ وتصوف کا موضوع دل ہے جس طرح فقہ کا موضوع انسان کے جوارح بدنی ہیں۔فقہ سے اسلام کا ظاہری ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور تزکیۂ قلب سے دلوں کی اصلاح ہوتی ہے، اسے احسان بھی کہا گیا، اس سے انسان کے اعمال وکردار میں حسن اورنکھار آجاتا ہے۔اس حسن کو باب افعال میں احسان کہتے ہیں۔تصفیہ باب تفعیل ہے اور پھر باب مفاعلہ، اوراس کی باری مراقبہ میں آتی ہے۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

پھر باب تفعل ہے یہ تصوف ہے، آگے باب افتعال سے اصطفاء ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب کو صدمہ اصطفاء میں اور حضرت اسماعیل، حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کو اس درجہ کے اخیار میں ذکر کیا ہے۔

واذکر عبادنا ابراھیم و اسحٰق و یعقوب أولی الأیدی والأبصار. انا أخلصنٰھم بخالصة ذکرَی الدار. و انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار. واذکر اسمعیل والیسع وذالکفل وکل من الاخیار (پ:۲۳،ص۴۸)

ترجمہ: اور یاد کریں ہمارے بندوں کو ابراہیم کو اسحٰق کو وہ ہاتھوں والے اور وہ آنکھوں والے تھے، ہم نے انہیں خالص کر دیا ایک چنی بات سے اور وہ یاد ہے اس گھر کی، اور سب ہمارے نزدیک چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے ہیں اور یاد کریں اسمٰعیل کو الیسع کو اور ذوالکفل کو اور یہ سب خوبی والے تھے۔

یہاں آنکھوں والوں سے مراد ظاہری آنکھیں نہیں باطنی آنکھیں مراد ہیں، جن کی یہ آنکھیں کھلیں وہی حقیقت میں بینا ہیں۔ اندھے وہ نہیں جن کی یہ آنکھیں نہ ہوں، اندھے وہ ہیں جو دلوں کے اندھے ہیں۔

لاتعمی الأبصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور

(پ:۱۷، الحج:۴۶)

اللہ تعالیٰ کی نظر صورتوں پر نہیں ہوتی اللہ کی نظر دلوں پر ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم و أموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم (صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۱۷)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ان الاعمال الظاهرة لایحصل بها التقویٰ وانما یحصل بما یقع فی القلب من عظمة اللّٰه تعالیٰ و خشیته و مراقبته ... و مقصود الحدیث ان الأعتبار فی هذا کله بالقلب

(نووی ج:۲،ص:۳۱۷)

ترجمہ: اعمالِ ظاہرہ سے تعمیل تو ہوتی ہے لیکن ان سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا، تقویٰ دل میں عظمت الٰہی کے قائم ہونے، اس کے خوف کے لاحق ہونے اور اس کی طرف دھیان جمانے سے ملتا ہے اور حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ان سب امور میں اعتبار دل کی بات کا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

الا و ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسدت الجسد کله الا و هی القلب

(صحیح مسلم ج:۲،ص:۲۸)

ترجمہ: جان لو! انسانی جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست

ہو جائے تو سارا جسد درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسد فاسد ہو جاتا ہے اور یاد رہے کہ وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے۔

یہاں بھی اصلاح و فساد کا منبع دل کو بتایا ہے، یہیں سے خواہشات جنم لیتی ہیں اور یہیں سے فتنے اٹھتے ہیں، یہیں محبت کی آگ بھڑکتی ہے اور یہیں پر سکون اترتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا لیطمئن قلبی میرا دل اطمینان پکڑے۔

عقل کا مرکز دل ہے یا دماغ

اعضائے بدن کے زیادہ پہچاننے والے اطباء اور سرجن ہوتے ہیں، ان کی یہ رائے ہے کہ دماغ عقل کا منبع ہے۔ عالی دماغ میں امام ابو حنیفہؒ کی مثال نہیں۔ وہ کہتے ہیں عقل کا مرکز دماغ ہے، عام تجربہ ہے کہ سر پر شدید ضرب آئے تو عقل جاتی رہتی ہے۔ سمجھ اور یاد داشت کا بہت باریک تعلق ہے، یادداشت سر میں ہوتی ہے دل میں نہیں سو عقل اور سمجھ بھی دماغ میں ہوسکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خدا سے حیاء کرو اور حیاء کا حق ادا کرو اور اس کا تقاضا ہے کہ سر اور سر نے جس چیز کو یاد میں لے رکھا ہے اس کی حفاظت کرو۔

فلیحفظ الرأس وماوعی (جامع ترمذی ج:۲، ص:۶۹)

اس سے پتہ چلا کہ یادیں دماغ میں محفوظ رہتی ہیں اور وہی عقل اور تدبیر کا منبع ہے۔ امام نوویؒ نے اس موضوع پر شرح صحیح مسلم میں دو جگہ کلام کیا ہے۔
(دیکھیے ج ۲ ص ۲۸، ص ۳۱۷)

تخاطب لغوی میں بات بے شک اسی طرح ہے۔ امام نووی نے جو دلائل پیش کیے وہ تخاطب شرعی کے ہیں اور بات یہاں وہ متکلمین کی کہہ رہے ہیں اس کے لیے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے بہت مفید بحث فرمائی ہے۔ آپ ''الا وهی القلب'' کے تحت فرماتے ہیں:

> قلب ایک لطیفہ کا نام ہے جو اس جسم کے اندر ہے۔ جیسے دماغ میں تمام حواس باطنہ ہیں حالانکہ جسم میں وہ کوئی نظر نہیں آتے بلکہ دماغ کی تشریح کر کے بتلایا جاتا ہے کہ فلاں حصہ میں حس مشترک ہے، فلاں حصہ میں حافظہ وغیرہ ہے حالانکہ اگر دماغ کو ہاتھ میں لے کر

دیکھو تو سوائے دماغی جسم کے اور کچھ نہیں ایسا ہی قلب ہے۔ جس طرح تمام جسمانی نظامِ حیات کا طبعی حیثیت سے اصل منبع قلب ہے، قلب کی حرکت بند ہونے سے سارا نظام ختم ہو جاتا ہے اسی طرح شرعی اور روحانی حیثیت سے بھی تمام اعمال وجوارح کی درستی کا مدار لطیفۂ قلب کی صلاح و درستی پر ہے۔ اگر قلبی احوال اور روحانی ملکات درست نہ ہوں تو ظاہر افعال و اعمال کا سارا نظام مختل ہو جائے گا۔

شافعیہ اور اکثر متکلمین وفلاسفہ کی رائے یہ ہے کہ عقل کا محل قلب ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ عقل کا قلب میں ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور جو کچھ سر میں ہے وہ بھی قلب ہی کے سبب سے ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اس استدلال کو درست سمجھا ہے۔ امام نووی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے استدلالِ مذکور درست نہیں کیونکہ محلِ عقل قلب ہے یا دماغ، حدیث الباب دونوں کے لیے کوئی حجت نہیں بن سکتی۔ حکماء کہتے ہیں کہ عقل کا محل دماغ ہے اخلاق بے شک قلب سے متعلق ہیں۔ یہی امام ابو حنیفہ سے منقول ہے۔ علامہ قسطلانی نے ان حضرات کی دلیل یہ لکھی ہے کہ جب دماغ خراب ہو جاتا ہے تو عقل بھی خراب ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کا محل دماغ ہے۔

علامہ سید انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ اصل منبع قلب ہے لیکن چونکہ قلب اور دماغ کا قریبی اتصال ہے، تصورات و ادراک کی تفصیل دماغ میں ہوتی ہے، اس کی مثال بجلی کے بٹن کی سی ہے کہ بٹن دبایا تو بتیاں روشن ہوگئیں ایسے ہی بٹن تو قلب ہے اور دماغ اس کی بتی ہے۔ اس طرح قرآن میں بھی تاویل نہیں ہوتی اور حکماء کا بھی اختلاف نہیں رہتا فن تشریح میں ثابت کیا گیا ہے کہ ادرکات کا تعلق دماغ سے ہے۔ جنبش قلب میں ہوتی ہے اور تصویر دماغ میں بنتی ہے اور چونکہ قریبی اتصال ہے اس لئے پتہ نہیں چلتا۔

ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر پوری بحث کی ہے اور کہا ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہے مگر کچھ افعال کا فرق ہے بعض افعال کے اعتبار سے اسے روح اور بعض افعال کے اعتبار سے اسے نفس کہتے ہیں، سانس مظہر حیات اور آثار میں سے ہے اس لئے نفس کہتے ہیں، یا یہ کہ حیات کے لحاظ سے روح ہے اور موت کے لحاظ سے نفس کہتے ہیں۔ رہا قلب وہ الگ چیز ہے وہ ایک لطیفہ ہے اور عقل کی ایک قوتِ ادراکی ہے، اس کے محل میں اختلاف

ہے۔قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ:

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان له قلب أو ألقی السمع و هو شهید (پ:۲۶،ق:۳۷)

ترجمہ: اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہوکر کان ہی لگا دیتا ہو

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

أفلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها

(پ۱۷الحج ۴۶)

ترجمہ: سو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہو جائیں کہ اس سے سمجھنے لگیں۔

(فضل الباری شرح صحیح بخاری ج:۱،ص: ۵۴۸)

تربیة القلوب من النبی المحبوب

یہاں آپ وہ روایات پائیں گے جن میں حضور ﷺ نے دل کا نام لے کر اس کی اصلاح کے لیے کوئی عمل بتایا اور بیماری روح کے اس انجام سے بچایا جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہوسکے گی۔

(۱) عن عبد الله قال قال رسول ﷺ لا یدخل الجنه من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من بَر ولا یدخل النار من کان فی قلبه مثقال حبة من ایمان (سنن ابن ماجہ ص۳۰۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس کے دل میں رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جاسکے گا اور وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم میں نہ جائے گا (گناہ کی وجہ سے جائے بھی تو ہمیشہ نہ رہے گا)

(۲) عن انسؓ ان رسول الله ﷺ قال من کظم غیظا و هو

قادر علی ان ینفذہ دعاہ اللہ علی رؤوس الخلائق حتی یخیرہ فی ای حور شاء.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے غصہ کو پیا اور وہ اسے نکالنے پر قادر ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے سر عام بلائیں گے اور اسے اختیار دیں گے کہ حوروں میں سے جس کو چاہے چن لے۔

غصہ دل کا فعل ہے اور اسے پینا اس پر عقل کی حکمرانی ہے۔ حضور ﷺ نے کس طرح ان دلی امراض کی نشان دہی فرمائی اس پر غور فرمایئے:۔

(۳) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال اللہ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی واحدا منھما قذفتہ فی النار (سنن ابی داود ج:۲،ص:۲۱۰)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے جو ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے کھینچے گا میں اسے آگ میں ڈالوں گا۔

آنحضرت ﷺ سے اس قسم کی احادیث جو مؤمنوں میں تقویٰ پیدا کریں، ان کے دلوں کو تکبر اور فخر سے پاک کریں، ان میں عاجزی اور بندگی کا احساس ابھرے اور دنیا کا لالچ ان کے دلوں سے نکلے اور دنیا کی محبت کم ہو جائے بہت مروی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی صحابہ پر توجہ اس تیزی سے کام کرتی تھی کہ دوسروں کے دلوں کے زنگ اتارنے کے لیے ذکر کی جو محنت مدتوں کرنی پڑتی ہے صحابہ پر نبی آخر الزمان ﷺ کی نگاہِ مبارک پڑتی تو ان کے دلوں کی دنیا ہی بدل جاتی تھی۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

بعد کے آنے والے لوگ خصوصاً قرون ثلثہ کے بعد آنے والے جو ان سریع التاثیر نظروں کو نہ پا سکے اب ان کے لیے ذکر و اذکار اور وظائف و اوراد ہیں جس سے وہ تزکیۂ قلب کی دولت پا سکیں گے اور اس بات کی خبر خود آنحضرت ﷺ دے چکے ہیں۔

طریقت کی حقیقت

ترک معاصی کی نیت کرنا یہ طریقت کا آغاز ہے۔ جو مؤمن نماز قائم کر کے شریعت میں داخل ہوا تھا اب وہ ترک معاصی کی نیت کر کے طریقت میں داخل ہو گیا۔ یہ ترک معاصی کی نیت کسی بزرگ کے سامنے کی جائے یہ اس کی بیعت ہے اب وہ بزرگ اس کے اس ارادے کو پورا کرنے کے لیے اسے عملی تدبیریں بتلائے گا۔ اس راہ میں وہ مشکلات پر کیسے قابو پائے گا، شیخ کامل اس کی رہنمائی کر سکے گا کیونکہ یہ بزرگ خود ان راہوں سے گزر کر گناہوں سے بچنے میں کامیاب ہوا ہے۔ جس نے خود طریقت کی راہ عبور نہ کی ہو وہ دوسرے کو کیسے پار لے جا سکے گا۔

گر ندیدی توگہے سلیمان را   چہ شناسی زبان مرغاں را

ترکِ معاصی کی نیت کسی کے سامنے آکر کرنا

ترک معاصی کی نیت کا دوسرا نام توبہ ہے اور یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ایک عہد ہے، بندے کی ایک آرزو ہے، بندے کا اللہ کی طرف رجوع ہے۔ تاہم توبہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر کی جائے تو یہ بھی ایک شرع ہے۔ اس کا مقصد توبہ کے دلی ارادے کو محسوس بنانا ہے۔ یہ کوئی بدعت نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عورتوں نے حاضری دے کر آپؐ کے سامنے ترکِ معاصی کی نیت کی تھی، قرآن کریم نے اس کا نام بیعت رکھا ہے (دیکھئے پ: ۲۸، الممتحنہ)۔ یہ صحیح ہے کہ نیت ایک دل کا فعل ہے تاہم زبان سے اس کا اظہار کرنا اس کی بھی ایک اصل ہے اور اسے بدعت بتانا صحیح نہیں ہے۔

مجدد ماۂ چہاردہم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

''اصل مقصد حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر چلنا، ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز، روزہ وحج وزکوۃ وغیرہ اور جیسے نکاح وطلاق وادائے حقوق زوجین وقسم وکفارہ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات وشہادت ووصیت وتقسیمِ ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام وکلام، طعام ومنام، قعود وقیام ومہمانی و میزبانی وغیرہ، ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں۔ اور بعضے متعلق باطن کے

ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا، خدا سے ڈرنا، خدا کو یاد رکھنا، دنیا سے محبت کم ہونا، خدا کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے جیسے قلتِ محبت حق، نماز میں سستی، جلدی جلدی بلا تعدیلِ ارکان نماز پڑھ لی یا بخل سے زکوۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر و غلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا، حقوق تلف ہو گئے و مثل ذلک۔ اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری، لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ نامعلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے۔ ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج و تدبیر بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی تدبیر کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدبیرات میں قوت پیدا کرنے کے لیے کچھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے۔ (التکشف ص:۷)

طریقت شریعت کا غیر نہیں

سلوک و احسان کی راہ شریعت کے علاوہ کچھ نہیں۔ شریعت اسلام کی قانونی حیثیت کا نام ہے اور طریقت اس کی ایک عملی صورت ہے۔ اس عمل کو دل سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بزرگانِ دین دلوں کے زنگ دور کرنے کی محنت بتلاتے ہیں، ارادت مندوں کی رہنمائی کرتے ہیں، ذکر و اذکار بتلاتے ہیں، خدا کی طرف دھیان اور توجہ کی تلقین کرتے ہیں، ان کے سوئے ہوئے لطائف کو جگاتے ہیں۔ اس سے دلوں کی بستی آباد اور روشن ہوتی ہے، ان

سے گناہوں کے زنگ اترتے ہیں۔ یہی وقت حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) ایمان واسلام اور شریعت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

مغز و حقیقت در خدمت درویشاں باید جست و خیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر است ....نور باطن پیغمبر ﷺ را از سینۂ درویشاں باید جست و بداں نور سینہ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر و شر بفراست صحیحہ دریافت شود۔ (مالا بدمنہ ص:۱۷۱)

ترجمہ: شریعت کا مغز اور اس کی حقیقت درویشوں کے ہاں سے معلوم کرنی چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حقیقت اور ہے شریعت اور، یہ بات کفر و جہل ہے....پیغمبر ﷺ کے نورِ باطن کو درویشوں کے سینہ سے ڈھونڈنا چاہیے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے تاکہ پھر ہر اچھائی اور برائی فراست صحیحہ سے دریافت ہوجایا کرے۔

دلوں پر محنت شروع سے چلی آرہی ہے

کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ جب سے دنیا ایمان سے آشنا ہوئی ہے دلوں پر کی جانے والی محنت بھی اسی وقت سے چلی آرہی ہے۔ سلوک واحسان کی راہ سے اللہ تعالیٰ کے قرب میں بڑھنا شروع سے ایمان کا ایک تقاضا رہا ہے۔ جب تک نیت میں اخلاص نہ آئے، نہ ایمان کامل ہوسکتا ہے، نہ اس کے بغیر کسی کے اسلام پر بہار آسکتی ہے۔ اخلاص وہ جڑ ہے جس پر اسلام کا پودا درست اُگتا ہے۔ اس سے سالک کو نسبت حاصل ہوتی ہے اور اسی سے اس پر سکینہ اترتا ہے۔ ہم اس منزل تک پہنچنے کے لیے کسی ایک راہ کو یا ایک عمل کو شریعت نہیں سمجھتے۔ اس کے لیے جو راہ بھی اپنائی جائے ضروری ہے کہ اس میں کوئی بات خلاف شریعت نہ ہو۔

احسان کی حقیقت حضرت گنگوہیؒ کے الفاظ میں

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہ پچھلی صدی میں سلوک و احسان کی راہ میں چلنے والے ایک محقق بزرگ گزرے ہیں۔ آپؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"ہستی مطلق کو ہر دم خیال میں رکھنا اور بلا کیف حاضر و موجود جان کر

حیاء وشرم کے ساتھ بندہ کا مطیع رہنا اپنا مقصد اصلی ہے اور یہی احسان ہے باقی زوائد'' (مکتوبات رشیدیہ ص:)

حضرت گنگوہیؒ نے سلوک واحسان کی جوتعریف فرمائی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ احسان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان کسی لمحے بھی اپنے مالک سے غافل نہ ہو اور ظاہر ہے جو بندہ اس تصور کے ساتھ زندگی گذارے گا وہ لازمی طور پر اپنے مالک کا مطیع و فرمانبردار ہو گا۔ حضرت گنگوہیؒ نے احسان کی جو حقیقت بیان کی ہے اس کی شہادت حدیث جبرئیل میں بایں طور موجود ہے۔ **ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک.** تو اس طرح اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے مگر تو ایسا نہیں کہ تو اسے دیکھ رہا ہو تو یہ حالت تو ہو کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔

روحانی درجات کی کہیں انتہا نہیں

پھر ان مقامات کے بھی مختلف درجے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے سے بتایا گیا تھا کہ آپؐ ایک حال سے دوسرے حال پر آئیں گے۔ **وللاٰخرۃ خیر لک من الأولی** اور یہ ایک حال سے دوسرے حال میں آنا ہوگا۔ ارشاد ہوا آپ نے اس کی تفسیر میں فرمایا:۔

حالا بعد حال قال ھٰذا نبیکم (صحیح بخاری ج:۲،ص:۷۳۶)

ترجمہ: ایک حال سے دوسرے حال میں جانا ہے، یہ آپ کے نبی نے فرمایا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں:۔

عارفین کامل کی ترقی کبھی منتہی نہیں ہوتی۔ یہ حدیث اپنے اطلاق الفاظ سے اس پر منطبق ہے۔ (التکشف ص:۲۹۰)

صحابہ کرامؓ جب حضور ﷺ کے پاس ہوتے تو اس وقت ان کی روحانیت حضور ﷺ کی برکت سے ان کے عام روحانی مقام سے کہیں بلند تر ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو بتلایا کہ اگر تمہارا یہی حال ہمیشہ رہے جو میرے پاس ہونے سے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے چلتے پھرتے ملاقاتیں کریں۔

والذی نفسی بیده لو تدومون علی ما تکونون عندی و فی الذکر لصافحتکم الملٰئکة علی فرشکم و فی طرقکم
(صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۵۵)

افراط وتفریط کی دوراہیں

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ طریقت کے نام سے بالکل بیگانہ ہوتا جا رہا ہے، یہ لوگ مذہبی لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کئے بیٹھے ہیں (۱) شریعت والے (۲) طریقت والے۔ یہ تقسیم بالکل غلط اور یہ سوچ بالکل جہالت ہے۔ یہ تقسیم کرنے والے نہ شریعت سے واقف ہیں اور نہ ہی طریقت سے۔ یاد رکھئے شریعت اور طریقت میں کہیں نسبت تضاد نہیں، جتنے بھی بڑے اولیاء کرام گذرے ہیں وہ سب شریعت کے پابند تھے اوران کی روحانیت راہِ سنت سے ہی جلا پاتی تھی۔

آج کل بزرگوں کے درباروں میں جو کچھ ہورہا ہے یہ ہرگز طریقت نہیں، یہ افراط کی راہ ہے۔ گیارھویں بارھویں اور تیرھویں صدیوں کے مجددین کرام نے اس پر برابر تنقید کی ہے اوران بدعات کی کھلی تردید ہے۔ کیا یہ بات مذاق نہیں کہ جن بزرگوں نے جن جن بدعات اورخرافات سے روکا آج انہیں کے مزارات پر اُنہیں کے نام سے ان بدعات کی آگ سلگائی جاتی ہے۔ اور پھر ان میں بدعات کی ایک ایک کڑی ڈالی جاتی ہے۔ حضرات مجددین کرام نے امت مسلمہ کو بدعات کی آلائش سے بچانے کی ہرراہ اختیار کی۔ ان تینوں صدیوں کے مجددین نقشبندی نسبت رکھتے تھے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ، حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت امام سید احمد شہید، یہ سرِ مو شریعت سے نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور اہل بدعت کے خلاف تیغ براں بن کر کھڑے رہتے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مزاروں پر ہونے والی بدعات کا نقشہ یوں کھینچا ہے:۔

وان شئت أن تریٰ انموذجاً لھذا الفریق فانظر الیوم الی اولاد المشائخ الاولیاء ماذا یظنون باٰبآئھم؟ فتجدھم قد افرطوا فی اجلالھم کل الافراط و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون. (الفوز الکبیر ص:۲۷)

اور جو لوگ ان مزاروں کے گرد بدعات کے دائرے باندھتے ہیں آپ ان کو کس نظر سے دیکھتے تھے اسے بھی ملاحظہ فرمایئے:

كل من ذهب الى بلدة اجمير او الى قبر سالار مسعود او ماضاها لاجل حاجة يطلبها فانه اثم اكبر من القتل و الزنا اليس مثله الا مثل من كان يعبد المصنوعات او مثل من كان يدعو الات و العزى. (تفہیمات الٰہیہ ج:۲،ص:۴۹)

ترجمہ: ہر شخص جو اجمیر جاتا ہے یا سالار مسعود کی قبر کا رخ کرتا ہے اور ان جیسے دوسرے مقامات پر حاجت طلبی میں جاتا ہے وہ اس درجے کا گناہ گار ہے کہ قتل وزنا کے گناہ سے بھی بڑے گناہ کا مرتکب ہے، وہ اسی طرح ہے جیسے کوئی بتوں کی عبادت کر رہا ہو یا لات وعزیٰ کو مصیبت میں پکار رہا ہو۔

آپؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ۱۱۴۴ھ میں جب مجھے مدینہ منورہ میں قیام کی سعادت ملی تو اس دوران مجھ پر جو فیوض اترے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں **لاتجعلوا زيارة قبرى عيداً**. آپؒ اسکی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

هذا اشارة الى سد مدخل التحريف كما فعل اليهود و النصارىٰ بقبور الانبياء عليهم السلام وجعلوها عيدا و موسما بمنزلة الحج (حجۃ اللہ البالغہ ج:۲،ص:۷۷ مصری)

ترجمہ: یہ اشارہ ہے کہ دین کی تحریف کے آگے بند باندھ دیا جائے جیسا کہ یہود ونصاریٰ انبیاء کرام کی قبروں پر جا کر اپنے دین کی تحریف کر چکے اور ان پر حاضری کو اس طرح بتایا کہ گویا عید ہو یا حج کے طور پر موسم بنا ہو، میلہ لگا ہو۔

دوسرا طبقہ تفریط کا شکار ہے وہ سرے سے طریقت کو تسلیم ہی نہیں کرتا ان کے ہاں شریعت کے ظاہری ڈھانچوں کے وراء دلوں پر محنت کرنے کی کوئی راہ عمل نہیں، نہ تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کی انہیں کوئی ضرورت ہے اور نہ انہیں اس کا کچھ احساس ہے۔ مولانا محمد داؤد غزنویؒ مرحوم کے والد مولانا عبدالجبار غزنویؒ مرحوم نے ''اثبات الالہام والبیعہ'' تحریر فرما کر

ایسے لوگوں کی خوب تردید کی ہے جو تصوف کا انکار کرتے ہوں۔

مولانا داؤد غزنوی مرحومؒ بھی حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے سلسلۂ طریقت میں داخل ہوئے۔ آپ کے بیٹے پروفیسر ابوبکر مرحومؒ صوفیہ کرام سے عقیدت رکھتے تھے۔ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کے مجلہ فاران کے سلور جوبلی نمبر میں ہے:۔

ابوبکر مرحومؒ آخری دنوں میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے پہلے بیٹے کا نام مشہور صوفی جنید بغدادی کی مناسبت سے جنید رکھا۔ (فاران ۱۹۸۶ سلور جوبلی نمبر ۷۹ مضمون حافظ احمد یار صاحب مرحوم)

تصوف کے نام سے کسی حقیقت پسند کو وحشت نہ ہونی چاہیے۔ دل صاف کرنے کی اس محنت کو کوئی سمجھ دار برا نہیں کہہ سکتا۔

ضروری نہیں کہ ہر بیمار کو اپنی بیماری معلوم ہو یا وہ اپنی بیماری کو پوری طرح سمجھتا ہو۔ پرانے بخار کا مریض ہر کھانے کو کڑوا سمجھتا ہے حالانکہ کھانا کڑوا نہیں ہوتا، یہی حال ان لوگوں کا ہے جن کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں اور وہ اپنے دل کی واردات سے بے خبر ہیں۔ یہ ان کی غفلت کی انتہا ہے۔

سو اس بات کی ضرورت ہے کہ کتاب وسنت کے آئینہ میں تصوف واحسان کو اس کا واقعی مقام دیا جائے اور جس طرح کوئی مسلمان اپنے عقائد وعبادات میں کتاب وسنت سے سبق لیتا ہے، وہ اپنے باطن کی صفائی میں بھی کتاب وسنت سے تصوف کی راہ پائے۔

ضروری ہے کہ اسلام کی عالمی اشاعت اور ہمہ گیر ہدایت میں اس راہ سے کی گئی خدمات کا انکار نہ کیا جائے اور مومن اس راہ میں اتر کر اپنے تزکیۂ قلب کی محنت کرے اور اس میں ان بزرگوں سے رہنمائی لے جو اس راہ پر چل کر کامیابی کے کنارے پر اترے ہیں۔ دل کی جملہ بیماریاں سلوک واحسان کے علاج سے بہت جلد دور ہوتی ہیں۔

طریقت صفات قلبیہ میں سے ہے

طریقت صفات قلبیہ میں سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی زبان سے سنئے:۔

اما فضیلتِ شیخین باعتبار صفات قلبیه که آنرا بعرف اهل زبان بطریقت تعبیر کنند بدو وجه بیان کنیم الفضلیت

شیخین (ازالۃ الخفاء کا گم شدہ حصہ ص ۱۷)
ترجمہ: لیکن فضیلت شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) صفات قلبیہ کے لحاظ سے ہے کہ اسے اہل زبان کے عرف میں طریقت سے تعبیر کرتے ہیں، اسے ہم دو پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں: اول یہ کہ حضرت مرتضیٰؓ کا زہد اولیاء کے زہد کے قبیل سے تھا اور شیخین کا زہد انبیاء کے زہد کی طرح تھا، اور حضرت مرتضیٰؓ کا ورع اولیاء کے ورع جیسا تھا جبکہ شیخین کا ورع انبیاء کے ورع کی طرح تھا۔ اس بات کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرات شیخین کے زہد و ورع کے باعث اُن کی خلافتیں منظم و مستحکم ہوئیں اور یہ بات معلوم ہے کہ اولیاء کے زہد کے برخلاف انبیاء کے کامل اوصاف ایسے واقع ہوئے ہیں کہ وہ دنیا کی سرداری و ریاست کے لیے رکاوٹ نہیں بنے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زہد کی سب سے عظیم قسم وہ ہے جس سے خلافت جو جاہ و مرتبہ کی ایک صورت ہے سے بے رغبتی پیدا ہو۔

اس تفصیل سے حضرات شیخین کی شانِ طریقت اور نمایاں ہوئی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کا نام لے کر فرمایا کہ اسے خلافت میں آگے نہ کرنا ہاں ضرورت کے وقت تم اُن سے مشورہ لے سکو گے، اس بوجھ کے تحمل کے لیے خطاب کی اولاد میں سے ایک کافی ہے۔ یہ بوجھ اب کسی اور پر نہ ڈالا۔

دل کی جملہ بیماریوں کا علاج سلوک واحسان سے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

ظاہری امراض کبھی اچانک لگ جاتے ہیں مگر باطنی امراض اچانک نہیں لگتے، اس کے پیچھے مہینوں اور سالوں کی مشقیں ہوتی ہیں۔ عادت ان کاموں کا نام ہے جو بارہا ہوتے رہے ہوں سوان کے ازالہ کے لیے بھی مشقیں درکار ہوتی ہیں۔ کوئی انتہائی پُر تاثیر نظر ہوگی جو اچانک کسی دل کو کندن بنادے لیکن سنت اللہ عام اسی طرح جاری ہوئی ہے کہ سالک اس کے اسباق پڑھیں پھر کہیں جا کر انہیں یہ دولت نصیب ہوتی ہے۔ رسمی صوفی بننا آسان ہے لیکن صاف دلی کی صفت کسی خوش نصیب کی ہی قسمت میں ہوتی ہے۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

دلوں کی بیماریوں کے لیئے دلوں کے معالج کی ضرورت

قرآن کریم سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ دلوں کی بھی بیماریاں ہیں اور وہ اکثر امراض مزمنہ ہیں تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا علاج بھی پیدا کیا ہو، اس کی حکمت کے خلاف ہوگا کہ مرض تو موجود ہو اور اس کے علاج کی کوئی صورت نہ ہو۔ پہلے یہ کام انبیاء کے سپرد تھا، حضرت خاتم النبیین کے ذمہ ویزکیھم کی بھی ذمہ داری تھی۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ نے یہ ذمہ داری سنبھالی گو وہ خود سب کے سب اس نسبت کے حامل تھے۔ اس وقت سے لے کر اب تک صلحائے امت مومنین میں تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن پر محنت کرتے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ اس فن میں بھی وہ اسی طرح محققین ہوئے جس طرح

علم فقہ میں چوٹی کے محقق مجتہدین ٹھہرے۔قرآن کریم نے جب دلوں کی بیماریاں بتائی ہیں تو ظاہر ہے کہ حکیم مطلق نے ان کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔ اور اس لائن کے ماہرین ہر دور میں رہے ہیں۔ روحانی بیماریوں کا علاج اگر صرف کتاب سے ہوسکتا تو نہ صاحب کتاب کی ضرورت تھی اور نہ اس کے فرائض میں مومنین کے تزکیۂ قلب کا پیغام ہوتا۔

انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد تزکیہ قلب بھی ہے

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:۔

پیغمبروں کے بھیجنے سے اصل مدعا یہی تاثیر صحبت ہے۔ فقہ اور عقائد کے مسئلے ملائکہ سے بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں، جیسا کہ حدیث جبرئیل دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: هذا جبرئيل جائكم ليعلمكم دينكم یعنی یہ جبرئیل تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں اس سے ثابت ہوا کہ مناسبت تامہ تاثیرِ صحبت پر موقوف ہے جس کا ثمرہ ولایت ہے اور اسی لئے پیغمبر نوع انسانی میں سے آئے۔ (ارشاد الطالبین ص: ۳۵)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محض کتابوں کی ورق گردانی اور نرے مجاہدہ و ریاضت سے دل کی بیماری کا علاج نہیں ہوتا اور نہ تزکیۂ قلب کی دولت ملتی ہے، اس کا اصل علاج یہ ہے کہ روحانی معالج سے رجوع کیا جائے اور اس کی صحبت میں رہ کر تزکیۂ باطن کیا جائے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں:۔

صرف ریاضت و مجاہدہ بغیر تاثیرِ صحبت کے نفس کی برائیاں دور کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتی اور انبیاء کرام جن کو بالاصالت کمالاتِ نبوت اور کمالاتِ ولایت حاصل ہیں ان کی تاثیر اور نیک لوگوں کی صحبت کی تاثیر رذائلِ نفس دور کرنے کے لیے نیز ولایت کا مرتبہ

حاصل کرنے لیے ضروری ہیں لیکن نہ اتنی جلدی کہ دو ایک صحبتیں کافی ہیں بلکہ بڑی مدت میں ہیں۔ (ارشاد الطالبین ص: ۴۵)

حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:

کامل بنانے والے شیخ کی صحبت کبریت احمر ہے، اس کی نظر دعا اور اس کی باتیں شفاء ہیں۔ اس کے بغیر (محض ریاضت ومجاہدہ اور کتابوں کا مطالعہ) تو خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔

(مکتوبات دفتر اول ص: ۹۳، ۱۲۷، ۳۰۰)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

اصل چیز صحبت شیخ ہے، تعلیم وتلقین ریاضت ومجاہدہ اس کے بغیر کارگر نہیں ہوتا اور صحبت بلا تعلیم وتلقین کے بھی مفید ہوتی ہے۔

(مجالس حکیم الامت ص: ۱۰۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیم و ریاضت کتنی ہی کیوں نہ ہو اس کے باوجود روحانی بیماریوں کا ازالہ عادتاً ممکن نہیں جب تک کسی تربیت یافتہ معالج ومزکی سے اپنا علاج نہ کرائے اس وقت تک یہ بیماری ختم نہیں ہوتی۔ تعلیم کا کام صرف راستہ دکھانا ہے ظاہر ہے کہ منزل تک پہنچنے کے لیے راستہ کا جان لینا کافی نہیں، جب تک ہمت کر کے آگے چلے نہیں اس وقت تک منزل نہیں ملتی۔ قرآن کریم نے تزکیۂ قلب کو جب ایک مستقل مقصد قرار دیا ہے تو ضروری ہے کہ اس کے معالج بھی ہوں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

ولیکن له وقت یجلس فیه مع الناس متوجها علیهم السکینة فان حجة الله تعالٰی لا تتم الا بالاستطاعة الممکنة ثم الاستطاعة المیسرة ومن الثانیة الصحبة والحث علی الاشغال قولا وفعلا وتصرفا بالقلب والله اعلم والیه الاشارة فی قوله تعالٰی ویزکیهم

(القول الجمیل ص: ۱۶۷)

ترجمہ: اور چاہیے کہ اس کے پاس وقت ہو جس میں وہ لوگوں کے

ساتھ بیٹھے اور ان پر سکینت کی توجہ ڈالے کیونکہ اللہ کی حجت پوری استطاعت لگائے بغیر تمام نہیں ہوتی پھر اتنی طاقت لگائے جو آسانی سے ہو سکے اور دوسری بات صحبت اور اشغال پر قولاً ،فعلاً اور قلبی تصرف سے اس پر جمنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ویز کیھم میں اسی طرف اشارہ ہے۔

تزکیہ کے بعد دلوں پر سکینہ اترتا ہے

سکینہ کیا ہے؟ وهی التمانینة التی یسکن عندها القلوب (روح المعانی ج: ۱۰،ص: ۹۳) یہ وہ مقامِ اطمینان ہے جس پر دل سکون پکڑتے ہیں۔ قرآن کریم نے آنحضرت ؐ اور صحابہ کرامؓ دونوں پر سکینہ اترنے کا ذکر کیا ہے۔

أنزل اللّٰہ سکینتهٗ علی رسوله و علی المؤمنین

(پ: ۱۰، التوبہ: ۲۶، پ: ۲۶، الفتح: ۲۶)

ترجمہ: پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنا سکینہ اتارا۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ پر مشاہدۂ ذات کی صورت میں اترا اور مومنین پر معاینۂ صفات کی صورت میں۔ صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں جنہیں غار میں اس سکینہ کا سایہ ملا جو حضرت خاتم النبیین ﷺ پر اترا۔ حضرت ابو بکرؓ پریشان تھے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ پر ان اللّٰہ معنا (خدا ہمارے ساتھ ہے) کا دم کیا۔

اذهما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان اللّٰہ معنا فأنزل اللّٰہ سکینتهٗ علیه (پ: ۱۰، التوبہ: ۴۰)

تزکیہ سے مومن سکینہ تک پہنچا اسے یہاں اللہ تعالیٰ سے ایک نسبت حاصل ہوگئی، اس سے ارتباط بڑھا اور اس کے دل پر نور اترا۔ سکینہ کی مداومت سے اسے احوال رفیعہ حاصل ہوئے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے وہ فرشتہ صفت نظر آنے لگتا ہے اور کبھی عالمِ بالا سے باتیں بھی لے لیتا ہے۔

مفسر قرآن علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:۔

و کانت سکینته علیه الصلوٰة والسلام کما قال بعض العارفین

من مشاهدة الذات وسكينة المؤمنين من معاينة الصفات
ولهم في تعريف السكينة عبارات كثيرة متقاربة المعنى فقيل
هي استحكام القلب عند جريان حكم الرب بنعت الطمانينة
لخمود آثار البشريه بالكليه والرضاء بالبادی من الغيب من
غير معارضة واختيار

(روح المعانی ج:۵،ص:۲۹۵)

ترجمہ: اور آنحضرت ﷺ پر جو سکینہ اُترا جیسا کہ بعض عارفین نے کہا ہے مشاہدہ ذات کا تھا اور مومنین پر صفات الٰہیہ کی جھلک پانے کا۔ اہلِ علم کے ہاں سکینہ کی تعریف میں بہت مختلف عبارات ہیں لیکن وہ معنی ایک دوسرے کے قریب ہیں کہا گیا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کا حکم جاری ہوتے وقت پوری طمانیت سے دل کو مضبوط رکھنا ہے تا کہ وہ آثار بشریت کو کلی طور پر بجھا سکے اور حکم ملتے ہی بغیر کسی معارضہ کے اپنی رضا اس کی رضا میں ملا سکے۔

دسویں صدی کے مجدد امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

ثم لصاحب المداومة على السكينة احوال رفيعة تنوبه مرة
ومرة فليغتنمها السالك وليعلم انها علامات قبول الطاعات
وتاثيرها فی صميم النفس وسويداء القلب

(شفاء العليل ص:۱۱۹)

ترجمہ: پھر مقام سکینہ پر دوام پانے والے کے بہت بلند مقامات ہیں جو باری باری ملتے رہتے ہیں سو سالک کو اب انہیں روک دینا چاہیے کہ نیکیوں کے قبول ہونے کی علامات ہیں اور ان کے نفس انسانی میں اثر دکھانے اور دل کی سیاہی پر اثر انداز ہونے کے نشانات ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے ہاں سکینہ اس نسبت کا نام ہے جو سالک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہو جائے، یہ ایک نور ہے جو اس کے نفس ناطقہ میں حلول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ایسا ربط اور تعلق ہو جاتا ہے جس سے عالمِ بالا سے باتیں کرنے کا موقع نصیب ہو جاتا

ہے، اسے ہئیت نفسانی بھی کہتے ہیں۔ یہاں نفس کا لفظ روح کے مقابل نہیں نفس ناطقہ کے معنی میں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ طریقت کے تمام سلسلوں کی انتہا اسی کیفیت کے حصول پر ہے:۔

مرجع الطرق کلها الی تحصیل هیئة تسمی عند هم بالنسبة لانها انتساب وارتباط باللّٰه عزوجل بالسکینة والنور وحقیقتها کیفیة حالة فی نفس الناطقة من باب اثر التقریب بالملئکه اوالطلوالی الجبروت (ایضاً ص:۱۱۳)

ترجمہ: تصوف کے تمام طریقوں کا مرجع اس ہیئت نفسانیہ کو حاصل کرنا ہے جسے نسبت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے نسبت پاتا ہے اور اس سکینت کا رابطہ قائم کرتا ہے اور اس کی حقیقت نفس ناطقہ میں ایک ایسی حالت کا پیدا کرنا ہے جو سالک کو فرشتوں کے قریب کردے یا وہ عالم جبروت کی کارروائیوں پر کوئی اطلاع پاسکے''۔

پہلے سالک نے طاعات خداوندی کی مشق سے دل کی پاکیزگی پائی اور اوراد و اذکار پر مداوت کی، اس سے اُس کے نفس میں ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کہ اب اس کا ہر قدم رضائے الٰہی کے ساتھ اٹھتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها

(صحیح بخاری ج:۲،ص:۹۶۳)

ترجمہ: پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کوئی چیز پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یعنی اس کے تمام کام اور اس کی ہر چال میرے حکم کے مطابق ہوتے ہیں، میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے کا ایک ملکہ پیدا ہوجاتا ہے، اسی ملکہ کا نام نسبت، سکینہ اور نور ہے جب یہ اسے مل جائے تو کہتے ہیں کہ وہ صاحب نسبت ہوگیا۔ اس

نسبت کے حصول کے طریقے مختلف ہیں لیکن نسبت کی حقیقت ایک ہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

حضور مع اللہ رنگ برنگ ہے، جس کسی کو جس قدر تعلق اور محبت اور کسر نفس کی توفیق ہوا سے اسی قدر ملکہ قویہ حاصل ہوگا اور نسبتیں بے شمار ہیں۔ چنانچہ اشغال قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ سے غرض اسی نسبت کا حصول ہے اور اس پردوام ومواظبت اور اس کے اندر استغراق اس لئے ہے کہ نفس میں اس مواظبت اور توجہ دائمی سے راسخہ پیدا ہو جائے (ایضاً)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک یہ نسبتیں قادریہ، چشتیہ وغیرہ مقصود بالذات نہیں اور نہ یہ شریعت ہیں، یہ صرف مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں اس نسبت کا حصول اللہ تعالیٰ سے ایک اتصال ہے کہ اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔

اتصالے بے کیف بے قیاس
ہست رب الناس را باجان ناس

حضرت شاہ صاحبؒ اس بات سے منع کرتے ہیں کہ ان طرق واشغال کو مقصود سمجھ لیا جائے، مقصد منزل تک پہنچنا ہے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جائے۔ ذرائع قانون اور شریعت نہیں سمجھے جاتے۔

ولا تظن ان النسبة لاتحصل الا بهذه الطرق لتحصيلها من غير حصر فيها وغالب الرأى عندى ان الصحابة و التابعين كانوا يحصلون السكينة بطرق اخرى فمنها المواظبة على الصلوات والتسبيحات فى الخلوة مع المحافظة على شريطة الخشوع و الحضور (ایضاً ص:۱۱۵)

ترجمہ: اور تم یہ گمان نہ کرنا کہ یہ نسبت ان اشغال کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ سب طریقے اسے بغیران کے حصر کے اس نسبت کے حصول کے ہیں اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین اس سکینت کو اور طرق سے حاصل کرتے تھے ان میں سے خلوت میں نمازوں اور

تسبیحات پر باقاعدگی کرنا ہے اس طرح کہ خشوع اور خضوع کی پوری حفاظت کی جاسکے۔

شریعت کا مقصود مقامِ احسان کا حصول ہے، وہ جس طریق سے بھی ہو۔ صحابہ اور تابعین کے دور میں خیر غالب تھی، تھوڑی سی محنت سے وہ یہ مقام پا جاتے تھے جوں جوں وقت گذرتا گیا اس نسبت میں محنتیں بڑھتی گئیں۔ تاہم اربابِ فتویٰ ہر دور میں اعلان کرتے رہے کہ ان اشغال و اوراد کو اور اپنے سلسلے کو ہرگز مقصود نہ سمجھا جائے، یہ صرف مقصود (مقامِ احسان) تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔

اس پر ہم آئندہ انشاء اللہ ایک مستقل عنوان کے تحت بحث کریں گے۔

جب دل برکتوں کا مورد بنتے ہیں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

آپ پچھلے صفحات میں یہ پڑھ آئے ہیں کہ دل جہاں جملہ خرابیوں کی جڑ ہے وہیں جملہ اخلاقی بزرگیوں کا منبع بھی ہے۔ یہ دل جب بگڑتا ہے تو جملہ روحانی بیماریاں اس میں جگہ پاتی ہیں اور بندہ خدا کے غضب کا شکار ہوتا ہے، مگر جب یہی دل سدھرتا ہے تو پھر اس سے روحانیت کے فوارے اچھلتے ہیں جس سے نہ صرف صاحبِ دل مستفید ہوتا ہے بلکہ صاحبِ دل سے جڑنے والے بھی اس سے خوب منتفع ہوتے ہیں۔ امتِ محمدیہ کے کئی افراد اس نعمت سے سرفراز ہوئے لیکن جن لوگوں نے بطور جماعت یہ دولت پائی وہ حضرات صحابہ کرامؓ تھے۔ آیئے دیکھیں کہ دل کس طرح الٰہی برکتوں کا مورد بنتے ہیں اور یہ دل کس طرح اللہ کے لطف و فیض کا مرکز ٹھرتے ہیں۔

ا۔ زندگی کا اطمینان دلوں پر اترتا ہے

یہ ایمان کے بعد کی ایک حالت ہے جس میں بشری ترددات سب دور ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ ایمان لائے ہوئے تھے پھر چاہا کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ احیاء کو دیکھیں وہ کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور اس کی غایت یہ بتائی کہ میرا دل قرار پکڑے، (ولکن لیطمئن قلبی (پ:۳، البقرہ: ۲۶۰) یقین پورا تھا صرف عین الیقین کے خواستگار تھے، اس درجے کا یقین ہو تو اسے دلوں کا اطمینان کہتے ہیں۔ جنگ بدر میں فرشتے اترے تو مسلمانوں نے حسی طور پر خدا کی مدد کا مشاہدہ کیا، اب سب صحابہ مقامِ مجاہدہ سے آگے مقامِ مشاہدہ میں

آگئے، فرشتے اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ یہ ان کے لیے الٰہی بشارت بھی تھی اور دلوں کا سکون بھی کہ اب تمہیں کسی سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:۔

وماجعله اللّٰہ الابشریٰ لکم ولتطمئن قلوبکم به

(پ:۴، آل عمران:۱۲۶)

ترجمہ: اور یہ تو اللہ نے اس لئے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل اس سے اطمینان پکڑیں"۔

۲۔ دلوں کو یہ سکون اور اطمینان اللہ کے ذکر سے ملتا ہے

پریشان دل سکون و اطمینان کی دولت پانے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا مگر اسے کامیابی نہیں ملتی اور نہ وہ سکون کی دولت پاتا ہے۔ اللہ نے اس کا علاج اپنی یاد بتلایا ہے کہ اس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے:۔

الذین امنوا تطمئن قلوبهم بذکراللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القوب. (پ:۱۳، الرعد:۲۸)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پکڑتے ہیں۔ خبردار! دل اللہ کے ذکر ہی سے تو اطمینان پکڑتے ہیں۔

یہ دلوں کی وہ حالت ہے کہ انبیاء تک کو مطلوب رہی، یہ یقین کا آخری نقطہ ہے۔ یادِ الٰہی کے سوا کوئی چیز انسان کو اس مقام تک نہیں لاسکتی، صرف یادِ الٰہی ہی ہے جو کہ اضطراب اور دل کی وحشت کو دور کرسکتی ہے۔ مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر کہنا بھی مؤمن سے اس یقین کو نہیں چھین سکتا۔ قرآن کریم میں ہے

من کفر باللّٰہ من بعد ایمانه الا من اکره و قلبه مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیهم غضب من اللّٰہ. (پ:۱۴، النحل:۱۰۶)

ترجمہ: جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کا کلمہ کہا مگر اس نے کسی کے مجبور کرنے سے یہ کفر کی بات کہی اور دل ایمان سے مطمئن تھا، لیکن

جس نے اپنے سینہ کو ہی کفر کے لیے کھول دیا سو ان پر اللہ کا غضب آئے گا۔

۳۔ مومنین کے دلوں پر سکینت کا اترنا

سکینت وہ دولت ہے جس سے حضرت خاتم النبیین ﷺ اور آپ کے جانثار درخت تلے نوازے گئے:۔

لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینة علیھم وأثابھم فتحا قریبا

(پ:۲۶،الفتح:۱۸)

ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا ان مومنین سے جو آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو جانا اور سب پر سکینت اتاری۔

ثم أنزل اللّٰہ سکینته علی رسوله و علی المؤمنین

(پ۱۰التوبہ۲۶)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینت اتاری۔

فانزل اللّٰہ سکینته علیه وأیّده بجنود لم تروھا

(پ۱۰التوبہ۴۰)

ترجمہ: سو اللہ نے اپنی سکینت اس (رسول) پر اتاری اور ان کی تائید ایسے لشکروں سے کی جن کو تم لوگوں نے نہ دیکھا۔

ھو الذی أنزل اللّٰہ السکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم (پ:۲۶،الفتح:۴)

ترجمہ: وہ اللہ وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت ڈالی تاکہ پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ قوت پالے۔

۴۔ تقویٰ کا مورد انسانی دل ہی ہیں

ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب
(پ:۱۷، الحج:۳۲)

ترجمہ: اور جو کوئی ادب کرے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو یہ اس سے
ہے کہ دلوں میں تقویٰ کی دولت آ گئی ہے۔

۵۔ محبت دلوں میں پلتی اور پھیلتی ہے

لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم و لکن اللّٰہ
الف بینھم (پ:۱۰، الانفال:۶۳)

ترجمہ: اگر آپ سارے جہاں کا مال خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے
دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان میں الفت ڈال دی۔

اس سے پتہ چلا کہ محبت اور الفت کی آماج گاہ دل ہیں اور انہی میں محبت پلتی اور پھیلتی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو ربط قلوب سے سنبھالا دیتے ہیں

ان کادت لتبدی به لولا أن رّبطنا علی قلبھا لتکون من
المؤمنین. (پ:۲۰، القصص:۱۰)

ترجمہ: قریب تھا کہ (موسیٰ کی والدہ) موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتی اگر ہم
اس کے دل کو مضبوط نہ کیے رہتے کہ وہ یقین کئے رہے۔

اصحاب کہف جب بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو اللہ نے انہیں ربط قلوب سے نوازا وہ حق پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدمی عطا فرمائی:۔

انھم فتیة امنوا بربھم و زدنا ھم ھدیً و ربطنا علی قلوبھم اذ
قاموا...الآیة (پ:۱۵، الکھف:۱۴)

ترجمہ: یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم
نے انہیں ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر

دیئے تھے جب وہ لوگ ڈٹ گئے۔

جب اللہ تعالیٰ دلوں کو سنبھالا دے رہا ہو تو شیطان کے اثرات کہاں رہ سکتے ہیں۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح مؤمنین کو ربط قلوب سے نوازا تھا اسے دیکھئے:۔

ویذھب عنکم رجز الشیطان ولیربط علی قلوبکم ویثبت به الاقدام (پ:۹،الانفال:۱۱)

ترجمہ: اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دور کر دے اور تا کہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اس سے تمہارے قدم ثابت کر دے۔

۷۔نرمی کا محل بھی دل ہی ہیں

جس طرح قساوتِ قلبی دل کا ایک مرض ہے، دل کی نرمی بھی دل کے خصالِ حمیدہ میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ولیعلم الذین اوتوا العلم انه الحق من ربک فیؤمنوا به فتخبت له قلوبهم. (پ:۱۷،الحج:۵۴)

ترجمہ: اور یہ کہ جان لیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے سو اس کے ایمان پر قائم ہو جائیں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک پڑیں۔

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله وما نزل من الحق (پ:۲۷،الحدید:۱۶)

ترجمہ: کیا اہل ایمان کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے آگے جھک پڑیں۔

قرآن کریم کی یہ چودہ عنوانات کی آیات آپ کے سامنے ہیں ان سب کا موضوع اور مورد دل ہے۔سات قسم کی آیات ان روحانی بیماریوں کی نشاندہی کرتی ہیں جن میں عام لوگ مبتلا ہیں ان کی اصلاح اور تربیت کے لیے پیغمبر آتے رہے اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد تصفیۂ باطن اور تزکیۂ قلب کی یہ ذمہ داری علماء امت اور اولیائے عظام کے سپرد ہوئی۔

پھر سات قسم کی وہ آیات ہم نے پیش کی ہیں جن میں دلوں کی خصالِ حمیدہ کا ذکر ہے۔

دل جب تزکیہ وتصفیہ کی دولت پاتے ہیں ان پر طمانیت اور سکینت اُترتی ہے، یہ انہی قلوب کا فیضان ہے جن سے دُنیا میں ہدایت پھیلتی ہے، نیکی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ انسانیت وہیں جاگتی ہے جہاں یہ تزکیہ یافتہ دل موجود ہوں۔ یہی اہل تصوف ہیں۔

احادیث میں دلوں کے حالات کا بیان

احادیث میں بھی ہر اچھائی اور برائی کا منبع دلوں کو کہا گیا ہے۔ یہیں سے خواہشات اٹھتی ہیں اور یہیں آکر رکتی ہیں، یہیں سے جذبات ابھرتے ہیں اور یہیں آکر ٹھنڈے ہوتے ہیں۔

اب ہم اس سلسلہ میں دس احادیث بھی یہاں ذکر کئے دیتے ہیں جن میں حضرت رسالت مآب ﷺ نے دل کا نام لے کر اسے تمام اچھائیوں اور برائیوں کا منبع بتلایا ہے۔ یہ پہلی حدیث ہم پہلے بھی ذکر کرآئے ہیں۔

(۱)۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں:۔

ان فی الجسد مضغة اذاصلحت صلح الجسد کله واذافسدت فسدالجسد کله الا وھی القلب

(صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۳)

ترجمہ: بے شک انسانی جسد میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسد درست ہوتا ہے اور جب یہ بگڑے تو سارا جسد بگڑتا ہے خبردار رہو وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے۔

(۲)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکراللّٰہ خنس واذاغفل وسوس

(اخرجہ الطبر ی ج:۳۰، ص:۲۲۸، صحیح بخاری ج:۲، ص۷۴۴)

ترجمہ: شیطان ابن آدم کے دل میں جم کر بیٹھا ہے، ابن آدم جب

جب اللہ کو یاد کرتا ہے وہ ہٹ جاتا ہے اور وہ غفلت میں رہے تو اس
کے لیے وسوسے لاتا ہے۔

(۳)۔حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں:۔

ما کان احد من السلف یغشی علیه و یصعق عند تلاوة
القرآن و انما کانوا یبکون و یقشعرون ثم تلین جلودهم و
قلوبهم الی ذکر الله. (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت اسماء سے مروی ہے آپ ﷺ نے کہا صحابہ کرام میں
کوئی ایسا (سالک) نہ تھا جس پر (ذکر میں) بے ہوشی کے دورے
پڑتے ہوں اور وہ تلاوتِ قرآنِ پاک کے وقت بے ہوش ہو جاتا ہو،
سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ وہ (خلوتوں) میں روتے تھے اور ان کے
چمڑے (کھالیں) اور دل اللہ کی طرف جھکے چلے جاتے تھے۔

آج کل ذکر کی مجلسوں میں جو اچھل کود ہوتی ہے وہ لوگ ہرگز اسلاف کے اس رنگ سے رنگین نہیں ہیں جنہیں حضرت اسماء ذکر کر رہی ہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو خواہشات کے اسیر ہو چکے ہیں اور یہاں شیطان نے انہیں پوری طرح اپنے جال میں پھنسا رکھا ہے۔

حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کا ذکر ایمان کی علامت ہے اور نفاق سے برأت ہے اور یہاں تک کثرت ذکر ہو کہ لوگ اسے مجنوں کہنے لگیں، ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

اکثروا ذکر الله حتیٰ یقولوا مجنون (مسند امام احمد ج:۳،ص:۱۳۷)

یہاں کثرت ذکر کو الزام جنون کا سبب کہا ہے، پلٹیاں کھانے اور امیر مجلس پر اچھل کر گرنے سے مجنوں بننے کی تلقین نہیں کی گئی۔

(۴)۔حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں:۔

سالت رسول الله ﷺ عن البر و الاثم فقال البر حسن الخلق
والاثم ماحاک فی صدرک و کرهت ان یطلع علیه الناس
(صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۱۴)

ترجمہ: میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا نیکی اور گناہ کیا چیز ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا نیکی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل
میں کھٹکے اور تم ناپسند کرو کہ لوگ اس پر مطلع ہو پائیں۔ (یعنی تجھے
تیرے گناہوں پر اطلاع دینے کے لیے تیرے دل میں کھٹکا کافی ہے)
حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔
مراد گناہ سے وہ امور ہیں جن کے گناہ ہونے پر کوئی نص نہیں مگر کسی
کلیہ سے اس میں گناہ ہونے کا شبہ (گمان) کیا جائے تو ایسے امور
کے لیے آپ نے یہ پہچان بتائی اور یہ پہچان اس قلب کے اعتبار سے
ہے جو سلیم ہو۔

یعنی ہر دل کا گمان اس کے لیے خاکۂ شریعت نہیں بن سکتا اگر کوئی گناہ کسی دل میں کھٹکے ہی نہ وہ اس سے جائز نہیں ہو جاتا۔

(۵)۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

ان اللّٰہ لاینظر الی صورکم واجسادکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم.....التقویٰ ھھنا ویشیر الی صدرہ

(صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۱۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے جسموں کو نہیں دیکھتے وہ
تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتے ہیں ایک دوسری روایت میں ہے کہ
آپ نے فرمایا تقویٰ یہاں ہے اور آپ اپنے سینے کی طرف اشارہ
فرمارہے تھے۔

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ دل کے اس احساس کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا:۔

لایبلغ العبد حقیقة التقویٰ حتی یدع ما لا باس بہ حذرا مما بہ باس (سنن ابن ماجہ ص:۳۱۱)

(۶)۔ علاقہ خثعم میں ایک گھر تھا جسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے، آنحضرت ﷺ کو اس سے بڑی تکلیف گذرتی تھی آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس سے راحت کیوں نہیں دلاتے (اسے

گرا کیوں نہیں دیتے)۔ جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر چلا تا کہ اسے گرادوں یہ لوگ گھوڑے کی سواری کے ماہر تھے اور میں گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھ سکتا تھا، میں نے صورت حال آنحضرت ﷺ سے عرض کردی آپ ﷺ نے میرے دل پر ضرب لگائی اور میرے لئے ثابت رکاب ہونے کی دعا فرمائی:۔

فضرب فی صدری حتی رایت أثر اصابعه فی صدری و قال اللهم ثبته و اجعله هادیا مهدیا (صحیح بخاری ج:۱، ص:۴۳۳)

ترجمہ: آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں کے اثرات اپنے سینہ میں محسوس کئے اور آپ ﷺ نے دعا بھی فرمائی اے اللہ جریر کو ثابت رکاب فرما اور اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت پایا ہوا بنا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

توجہ اور ہمت اسی کا نام ہے، جبرئیلؑ کا آغاز وحی میں آپ کو دبانا بھی غالباً اسی قبیل سے تھا۔ (التکشف ص:۳۵۲)

(۷)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا:۔

لا یبلغنی احد من اصحابی عن احد شیئا فانی احب ان اخرج الیکم و انا سلیم الصدر (سنن ابی داود ج:۲، ص:۳۲۹)

ترجمہ: میرے اصحاب میں سے کوئی مجھے کسی دوسرے صحابی کے بارے میں (شکایت کی) بات نہ پہنچایا کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو سلیم الصدر ہو کر آؤں (میرے دل میں کسی کے بارے میں بوجھ نہ ہو)۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ خود دوسروں کو غلطیاں کرتے نہ دیکھ رہے ہوتے تھے نہ آپ ﷺ کو ان کی غلطیوں کے بارے میں علمِ غیب دیا جاتا تھا، ورنہ آپ سلیم الصدر کیسے رہ سکتے تھے۔

حکیم الامتؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے حکایت و شکایت کا اثر آپ ﷺ کے قلب مبارک پر بھی آتا تھا البتہ عمل اس پر بلا حجت شرعیہ نہ ہوتا تھا اور اس عدم غلبہ کے لیے قصد اور ضبط کی حاجت رہتی تھی۔ (التکشف ص ۳۵۲)۔

(۸)۔امام مالکؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے:۔

لایزال العبد یکذب ویتحری الکذب فینکت فی قلبه نکتة سوداء حتی لیسود قلبه فیکتب عند اللّٰه من الکاذبین

(موطا امام مالک ص: ۳۸۸)

ترجمہ: آدمی برابر جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے اور جھوٹ کی ہی تحری کرتا ہے پس اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ آجاتا ہے یہاں تک کہ اسکا سارا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کاذبین میں لکھا گیا۔

یہاں جس چیز سے دلوں کے سیاہ ہونے کا ذکر ہے قرآنِ کریم میں اسے دلوں کا اندھا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ باطن کا اندھا ہونا اور باطن کا سیاہ ہونا ایک ہی ہے۔ اللہ والوں کے ہاں یہ بات عام ہے کہ ایسے ایسے اعمال سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔

(۹) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ما اقبل عبد علی اللّٰه بقلبه الاجعل اللّٰه قلوب المؤمنین تنقاد الیه بالود والرحمة وکان اللّٰه تعالٰی بکل خیر الیه اسرع

(اخرجہ الترمذی ج...، ص...)

ترجمہ: جب بھی کوئی بندہ اپنے دل سے خدا کی طرف جھکتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کو محبت اور نرمی سے اسکے مطیع کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہر خیر پہنچانے میں بہت جلدی فرماتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے دل کو لگانا سب مومنین کے دلوں کو اپنی طرف لانا بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس مقبول بندے کی محبت مومنین کے دلوں میں بھر دیتے ہیں۔ محبوبیت کا یہ درجۂ علیا حضرت خاتم النبیین ﷺ میں اتنا نمایاں تھا کہ جہاں آپ ﷺ کے وضو کا پانی گرتا صحابہ اسے بھی بدن پر ملتے اور اپنی محبت کی پیاس بجھاتے تھے۔

(۱۰)۔امام مالک ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

ان عیسی بن مریم کان یقول لاتکثروا الکلام بغیر ذکر اللّٰہ تعالٰی فتقسوا قلوبکم و ان القلب القاسی بعید من اللّٰہ تعالٰی ولکن لا تعلمون ولا تنظروا فی ذنوب الناس کانکم ارباب وانظروا فی ذنوبکم کانکم عبید فانما الناس مبتلی و معافی فارحموا اھل البلاء واحمدوا اللّٰہ تعالٰی علی العافیہ

(موطا امام مالک ص:۳۸۷)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا باتیں کم کیا کرو ایسا کرو گے (یعنی بہت زیادہ باتیں کرو گے) تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔سخت دل آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے لیکن تم جانتے نہیں۔لوگوں کے گناہوں پر نظر نہ رکھا کرو کہ گویا تم ان کے مالک ہو اپنے گناہوں پر نظر رکھو بایں طور کہ تم غلام ہو۔لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تکلیف میں گھرے اور دوسرے عافیت والے، جو تکلیف میں گھرے ہیں ان پر رحم کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں عافیت دی ہے اس پر خدا کا شکر کرو۔

ان احادیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ اس دنیا میں انسان کی تمام برائیوں اور اچھائیوں کا مورد دل ہے۔حضرت خاتم النبیین ﷺ کے فرائضِ رسالت میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ ایمان لانے والوں کے دل کا تزکیہ کریں، ان کے قلوب کو تمام روحانی غلاظتوں سے پاک کریں۔اسے تزکیۂ دل کی محنت کہتے ہیں۔حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کے وقت جو دعا فرمائی کہ اے اللہ ان لوگوں میں ایک رسول مبعوث فرما تو آپؑ نے اس میں یہ بھی کہا تھا کہ جو ان کے دلوں کو پاک کرے۔حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا مصداق حضرت خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

انی عند اللّٰہ مکتوب خاتم النبیین ﷺ...دعوۃ ابراھیم ....
الحدیث (رواہ احمد مشکوٰۃ ص:۵۱۳)

آپ ﷺ نے بنی نوع انسان میں یہ دلوں کی محنت جاری فرمائی، اسے اخلاص اور سلوک واحسان بھی کہا جاتا ہے، اسے تصوف بھی کہا جانے لگا ہے۔ انسان میں روحانیت انہی اعمال سے آتی ہے جو وہ اخلاص واحسان کے پیرایہ میں عمل میں لائے یہ دنیا احساسات کی دنیا ہے اس میں روحانیت کے چراغ جلانے سے انسان کو احساسات سے بالا روح کے نقوش دکھائی دینے لگتے ہیں۔ خرقِ عادت امور انہی راہوں کے روشن چراغ ہیں جو فعلِ خداوندی سے صادر ہوتے ہیں لیکن ان میں عزت اور کرامت ان اللہ والوں کی ہوتی ہے۔

انسانی علم کے مختلف دائرے

حصول کمالات نبوت میں اہل ولایت

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ امابعد!

دلوں کو عبادت پر لگانا اور عبادت میں توجہ کو خدا پر جمانا کہ اور کسی طرف دھیان نہ رہے یہ نمازی کی ہمت ہے، نماز میں یہ حالت ہو تو یہ مقامِ احسان ہے۔ اس کا اونچا درجہ یہ ہے کہ گویا نمازی خدا کو دیکھ رہا ہے اور نچلا درجہ یہ ہے کہ نمازی پر یہ یقین چھایا رہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے کوئی حال بھی ہو وہ نماز کے شروع سے لے کر آخر تک دھیان اس ایک پر جمائے رکھے جیسے پیاسا پانی کی تلاش میں ہمہ تن پھرتا ہے اب محال ہے کہ پانی کا دھیان ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے ذہن سے غائب ہو۔

نمازی اللہ تعالیٰ پر ہمت جمائے اور اپنے ارادے سے اسے کسی اور طرف نہ پھیرے، صرف ہمت نہ کرے یہ دلوں کی عبادت ہے جو کسی خوش قسمت کو ہی میسر آتی ہے۔ صحابہ کی نماز یہ تھی جسے بڑے بڑے اولیائے کرام اور آئمہ عظام ترستے تھے کہ زندگی میں انہیں ایک دفعہ ہی ایسی نماز مل جائے۔ دلوں کی اصلاح تدریجاً ہوتی ہے۔ اصطلاحاً اس علم کو تزکیۂ قلب، تصفیۂ باطن، اخلاص، احسان، اصلاحِ دل کسی بھی عنوان سے ذکر کر سکتے ہیں۔ اسے علم تصوف بھی کہتے ہیں۔ اس کتاب میں ہم انشاء اللہ اسی سے بحث کریں گے۔ **واللّٰہ ھو الموفق لما یحب ویرضٰی بہ.**

خدا کی ساری مخلوق وہ درخت ہوں یا چوپائے یا زمین پر رینگنے والی ادنیٰ مخلوق سب اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کی نماز میں

درختوں کا قیام، چوپایوں کا رکوع اور زمین پر رینگنے والی مخلوقات کے سجدے ایک اپنی شان کے ساتھ جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو اس لئے پیدا کیا کہ اسے پہچانیں، اس کی عبادت میں لگیں اور معرفت پائیں۔ انسان کو حق دیا گیا کہ وہ دوسری مخلوقات کو وہ جمادات ہوں یا نباتات یا حیوانات حسب تقاضا اپنے استعمال میں لائے۔ ہر ادنیٰ مخلوق اپنے اعلیٰ پر قربان ہو اور انسان خود اپنے آپ کو ان موالید ثلاثہ پر نہ لگائے اپنے سے اعلیٰ ذات پر قربان ہو، اسی کی عبادت بجالائے اور اسی کے نام پر خون بہائے۔ ایمان لانے والوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کی جانوں کا سودا کرلیا ہے اور اس میں انہیں جنت ملے گی۔ تورات وانجیل اور قرآن میں بندے کے اس عہد کے تذکرے ہیں۔ سو یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ یہاں انسان کی پیدائش عبادت کے لیے ہوئی ہے۔ اسلام میں عبادت صرف بدن پر ہی حاوی نہیں اپنے کمائے اموال پر بھی مومن خدا کی بادشاہی مانتے ہیں اور اسی کے حکم کے مطابق انہیں صرف کرتے ہیں، اسے مومن کی مالی عبادت کہا جاتا ہے۔

نماز کے مختلف اعمال

اسلام میں بدنی عبادت صرف نماز نہیں روزہ بھی ایک بدنی عبادت ہے اور حج میں بدنی عبادت اور ریاضت بھی ہے لیکن نماز ان تمام عبادات میں اول درجہ رکھتی ہے۔ اولین پرسش قیامت کے دن نماز ہی کی ہوگی۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود　　　اولین پرسش نماز بود

عبادت کیا ہے؟ یہ کچھ (۱)...کلمات ہیں جو زبان سے کہے جاتے ہیں (۲)...کچھ حرکات ہیں جو بدن سے کی جاتی ہیں اور (۳)...کچھ احساسات ہیں جو دل کا عمل ہے جو ان کلمات اور حرکات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

(۱)...کلمات میں تسبیحات ہیں تکبیرات ہیں کچھ حصہ قرآن کا پڑھنا ہے اور ان کے ساتھ تسمیع وتحمید (سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہنا) اور درود وسلام اور آخر میں کلمہ سلام کہہ کر دنیا میں لوٹنا ہے (نماز سے باہر آنا ہے) اور نماز سے باہر آنے والا آتے ہی دوسروں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے گویا کہ وہ پہلے یہاں نہ تھا ابھی آیا ہے۔

(۲)...حرکات کیا ہیں؟ ....(۱) رفع یدین کے ساتھ اللہ اکبر کہتے ہوئے نماز میں داخل ہونا پھر... (۲) قیام... (۳) رکوع... (۴) رکوع سے اٹھنا... (۵) سجدے میں جانا...

(۶) سجدے سے اٹھنا...(۷) پھر سجدے میں جانا...(۸) پھر کھڑے ہونا اور...(۹) رکعات کا پورا کرنا...(۱۰) درمیان نماز میں اور آخر میں تشہد یا التحیات بیٹھنا ہے۔

(۳)...احساسات میں یہ امور زیادہ اہم ہیں...(۱) اسے احساس ہو کہ میں قبلہ رخ ہوں...(۲) اسے پتہ ہو کہ میں وضوء یا تیمم سے ہوں...(۳) اسے احساس ہو کہ میں فرض پڑھ رہا ہوں یا سنت یا نفل۔ یہ زبان سے کہنا ضروری نہیں، نیت دل کا عمل ہے اور یہ کافی ہے... (۴) اسے احساس ہو کہ مجھے اتنی رکعات ادا کرنی ہیں...(۵) اسے احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس احساس سے وہ پوری نماز میں شروع سے لے کر آخر تک کسی اور طرف اپنے ارادہ سے نہ نکلے، کسی اور طرف دھیان جمائے تو یہ صرفِ ہمت ہوگا جو نماز میں جائز نہیں۔

یہ پانچوں احساس صرف نماز میں ہی نہیں، عبادت کے اور بھی پیرائے ہیں ان سب میں یہ تصور احسان قائم رہنا چاہیے۔ بندہ جب خدا کا ذکر کرے تو دل میں یہ احساس ہو کہ میں اللہ کے حضور کھڑا ہوں اسی حضور قلب سے وہ اللہ کا ذکر کرے ورنہ یہ تصور تو ضرور رہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔

اگر نماز یا صرف زبانی ذکر سے سلوک و احساس کا یہ تقاضا پورا ہو جاتا، دل کو اس پر جمانا ضروری نہ ہوتا تو آپ ﷺ احساس کے دو درجے نہ فرماتے اول یہ کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں (یہ مقامِ مشاہدہ ہے) دوسرا یہ کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے (یہ مقامِ مراقبہ ہے) آپ ﷺ انہیں بتدریج ذکر نہ فرماتے کہ اللہ کی یاد تو ہو ہی گئی تھی۔

پھر صحابہ کرام نماز تو حضور ﷺ کے ہمراہ ادا کرتے ہی تھے اور ان کے ہاں ذکر نماز کے علاوہ بھی ایک مستقل عمل ہوتا تھا، آپ نے اسی لئے اپنے ساتھ کی نماز کو اور ذکر کو مصلین اور ذاکرین کے روحانی مدارج میں علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا ہے۔ آپ ﷺ ذکر کو ایک مستقل پیرایۂ عبادت جانتے تھے اور اسے اپنی جامعیت کے سوا ایک دوسری روحانی منزل سمجھتے تھے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ ان لو تدومون علی ما تکونون عندی و
فی الذکر لصافحتکم الملئکة علی فرشکم وفی طرقکم

(رواہ مسلم، جامع ترمذی ج:۲، ص:۷۴)

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم ہمیشہ اسی حال میں رہو جب تم میرے پاس ہوتے ہو یا جب تم ذکر میں ہوتے ہو تو تم سے تمہارے بستروں پر اور تمہارے رستوں میں فرشتے مصافحہ کریں۔

ذکر میں ایک درجہ ذکرِ قلبی کا ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی جلال وعظمت اور اس کے جبروت وملکوت میں کھو جانا ہے اور دوسری قسم اس کے اوامر ونواہی میں ڈھل جانا ہے۔ ذکرِ قلبی کا یہ تصور شروع سے محدثین کے ہاں رہا ہے۔ حدیث: خیر الذکر الخفی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ صحیح مسلم کا باب فضل مجالس بتاتا ہے کہ ذکر کی مجلسیں ان دنوں ہرگز کوئی بدعت نہ سمجھی جاتی تھیں۔ علامہ قاضی عیاض (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ذکر اللّٰہ تعالیٰ ضربان ذکر بالقلب وذکر باللسان وذکر القلب نوعان (شرح صحیح مسلم للنووی ج:۲،ص:۳۴۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر ضرب اول کی صورت میں ہو یا ضربِ ثانی کی صورت میں یہ پیرایۂ ذکر قاضی عیاض سے بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔

ہم انشاء اللہ العزیز اس کتاب میں اس پر تفصیل سے بحث کریں گے۔ جو لوگ زبان کے ذکر کو کافی سمجھتے ہیں ان کے ذکر کو محدثین اضعف الاذکار کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ ضعیف العمل لوگوں کے سامنے یہ بھی غنیمت ہے کہ وہ کسی درجہ پر تو اپنے آپ کو لائیں۔

بندگی کے لیے دلوں پر محنت کرنے کی ضرورت

عبادت میں احساسات کے تحت پانچواں نمبر دلوں پر کی گئی محنت کے بغیر میسر نہیں آتا۔ زنگ زدہ دلوں سے جب تک زنگ دور نہ کیا جائے اور ان کا تزکیہ نہ ہو بندے کو عبادت کی یہ حالت نہیں ملتی۔ نماز میں کلمات کیا کیا کہنے ہیں اور کہاں کہاں کہنے ہیں اور حرکات کیا کرنی ہیں اور ان میں ترتیب کیا ہے، ان سب کا تعلق علمِ فقہ سے ہے لیکن احساسات کا پانچواں نمبر ایک روح کا عمل ہے اور یہ روحانیت سے متعلق ہے، یہ روحانیت پوری نماز پر اپنے جلوے اتارتی ہے اور اس سے نماز میں صحیح حسن اور نکھار آتا ہے اسے احسان کہتے ہیں۔
پھر آگ جتنی تیز ہو سونا اتنا زیادہ چمکتا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی بھی صوفیہ کے اس عمل کی تائید کرتے ہیں۔آپ کہتے ہیں کہ جولوگ علم وفقہ پر لگے ہوتے ہیں وہ بھی دین پر لگے ہیں اور جولوگ عبادت اور طلب آخرت میں منہمک ہیں وہ بھی دین پر لگے ہوئے ہیں اور یہ دین فقہ اور تصوف دونوں کو شامل ہے۔

اذاكان من ينتسب الى الدين منهم من يتعالى بالعلم والفقه ويقول به كالفقهاء ومنهم من يتعالى بالعبادة وطلب الآ خرة كالصوفية فبعث الله نبيه بهذا الدين الجامع للنوعين

(مولفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب فتاویٰ ومسائل ص:۳۱)

شیخ کے نزدیک علم چھ قواعد پر گردش کرتا ہے۔

(۱)علم التفسیر...(۲)علم الاصول...(۳)علم اعمال القلوب الذی یسمی علم السلوک ...(۴)علم الحدیث...(۵)علم الحلال والحرام والاحکام الذی یسمی علم الفقہ...(۶)علم الوعد والوعید اوغیر ذلک من انواع علوم الدین۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ علم سلوک کے پورے قائل تھے بلکہ سالکین کی صف اول کے فرد تھے۔آپ کی تالیفات میں ایک کتاب الفقہ ہے، اس کی جلد ثانی کے ص ۴ پر آپ نے یہ چھ علوم ذکر فرمائے ہیں۔ان میں تیسرے نمبر پر علم السلوک کا ذکر ہے۔پھر ملحق المصنفات کے ص۱۲۴ پر لکھتے ہیں:۔

ولهذا كان مشائخ الصوفية العارفون يوصون كثيرا بمتابعة العلم.

ترجمہ: اور اسی لئے مشائخ صوفیہ اہل عرفان علم کی پیروی کی بہت وصیت کرتے چلے آئے ہیں۔

پھر ص۱۸۲ پر لکھتے ہیں

ومن العجائب فقيه صوفي و عالم زاهد.

ترجمہ: فقیہ بھی ہو اور صوفی بھی اور عالم بھی ہو اور زاہد بھی کیا یہ جمع قدرت کے عجائبات میں سے نہیں؟

شیخ کے صاحبزادہ عبداللہ نے اپنے خاندان کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

ولا ننكر الطريقة الصوفية وتنزيه الباطن من رذائل المعاصي

المتعلقة بالقلب والجوارح مهما استقام صاحبها علی القانون الشرعی ولمنهج القویم المرعی (الهدیہ السنیہ ص:۵۰)

ترجمہ: ہم طریقہ صوفیہ اور باطن کو رذائل و معاصی سے جو دل اور دیگر اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں پاک کرنے کی محنت کا انکار نہیں کرتے جب تک کہ شریعت کی پابندی ہوتی رہے اور اس منہج قویم کی رعایت شامل حال رہے۔

سعودی عرب کے جو سلفی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کو تصوف اور صوفیہ کی تصدیق کرنے کی وجہ سے برا بھلا کہتے ہیں وہ ہرگز اہل السنہ والجماعہ سے نہیں ہیں، وہ اہلِ بدعت میں سے ہیں۔ اہل حق نہ تقلید ائمہ کا انکار کرتے ہیں نہ طریق صوفیہ کا جس سے دلوں کو تزکیہ کی دولت اور صفائی ملتی ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب حنبلی المذہب تھے۔ حنابلہ کے ہاں حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) اور حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) اونچے درجے کے اہل علم سمجھے جاتے ہیں۔ تصوف اور صوفیہ کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا تھا اسے بھی ساتھ ہی دیکھتے چلیں۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) حافظ ابن قیم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وکان عالما بعلم السلوک وکلام اهل التصوف واشاراتهم ودقائقهم (الذیل علی طبقات الحنابلہ ج:۲، ص:۴۴۸)

ترجمہ: آپ علم سلوک کے اور اہل تصوف کے کلام کے اور ان کے اشارات ودقائق کو خوب سمجھنے والے تھے۔

تصوف میں آپ کی کتابیں مدارج السالکین، شرح منازل السائرین، حادی الارواح الی بلاد الافراح، عدۃ الصابرین وذخیرہ الشاکرین اہل علم سے مخفی نہیں۔ مدارج السالکین اس فن کی امہات الکتب میں سے ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) کے بہت معتقد تھے۔ آپ نے شیخ کی کتاب فتح الغیب کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ آپ کے فتاویٰ کی دسویں جلد آپ کی کتاب ''کتاب علم السلوک'' آپ کے صوفی مشرب ہونے کی کھلی شہادت دیتی ہے۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) شرح شمائل میں امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

کانا من اکابر اهل السنة و الجماعة و من اولیاء هذه الامة

(شرح شمائل ص:، مرقات ج: ۸، ص:۲۵۱)

شیخ احمد بن محمد بنانی نے امام ابن تیمیہ پر اس پہلو سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے ''موقف الامام ابن تیمیہ من التصوف و الصوفیۃ'' جو مطبع ام القری مکہ مکرمہ سے ۱۴۰۲ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

شیخ محمد مرزوق بن عبدالمؤمن نے شیخ محمد بن عبدالوہاب، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن تیمیہ کے ان نظریات سلوک کے خلاف ایک کتاب ''السیف القاطع للنزاع'' لکھی ہے یہ شیخ اسماعیل انصاری کی تعلیق سے سعودی عرب میں ۱۴۰۴ھ میں شائع ہوئی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ان حضرات نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور تصوف کا نہایت کمزور قسم کے خیالات سے انکار کیا ہے کہ انہیں مکڑی کے جالے سے زیادہ وزن نہیں دیا جاسکتا۔ یہ تینوں حضرات اکابر اہل السنہ والجماعہ میں سے ہیں اور تصوف کو وہ اسی طرح علوم اسلامی کی ایک شاخ سمجھتے ہیں جس طرح کہ سلاسل اربعہ کے دوسرے ائمۂ تصوف اسے پیش کرتے آئے ہیں۔

علم فقہ کی طرح علم احسان کے اپنے اصول وفروغ ہیں

جس طرح علم فقہ کے اصول و فروع ہیں اسی طرح علم احسان کے بھی اصول و فروع ہیں۔ اعمال فقہ میں ترتیب تو ہے لیکن تدریج نہیں، انسان بیک وقت تمام احکام شرعیہ کا مکلف ہے۔ علم احسان میں تدریج ہے اور دلوں پر تدریجاً محنت کرنی پڑتی ہے، اسے تزکیۂ قلب بھی کہتے ہیں اور روحانی صفائی کی تلاش بھی، صفائی کی تلاش کو عربی میں تصوف کہتے ہیں۔ علم فقہ اور علم تصوف ایک دوسرے کا غیر نہیں ایک ہی چشمہ سے یہ سوتے پھوٹتے ہیں دونوں کا سرچشمہ کتاب وسنت ہیں، ایک مومن کی ظاہری زندگی کا دینی فریم ہے اور دوسرا اس کے دل کی حالت کا ایک کلیم ہے... دونوں کا منبع کتاب وسنت ہیں۔

قرآن پاک کی ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے

قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، ظاہر سے احکام مرتب

ہوتے ہیں اور باطن سے دل کے احوال بنتے ہیں اور احوال سے گزرنے اور انہیں بنانے کو تصوف کہتے ہیں اور اس راہ میں وہی آتے ہیں جو اپنے دلوں کی اصلاح کا قصد کرتے ہیں اور انہیں کوئی ایسے لوگ بھی میسر آجاتے ہیں جو تزکیہ کی دولت پائے ہوئے ہوتے ہیں، ان کو اپنے شیخ کی سند حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

ان القرآن أنزل علی سبعة احرف لکل آیة منها ظهر و بطن ولکل آیة حد ولکل حد مطلع

(مسند ابی یعلی ج:۵، ص:۸۰، ص:۸۱۷۱ مشکوۃ ص:۲۵)

ترجمہ: قرآن سات پیرایوں میں اتارا گیا ہے اور ہر آیت کا ایک ظہر (پشت) ہے اور ایک بطن اور ہر آیت کے لیے ایک حد ہے رکنے کی، وہاں سے پھر اوپر اطلاع پانے کی سو ہر حد نہایت کے لیے ایک مطلع ہے۔

شارح مشکوۃ مولانا قطب الدین محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

ہر ایک ظاہر اور باطن کی ایک حد اور نہایت کے لیے ایک مطلع ہے یعنی مقام ہے کہ اس پر چڑھنے سے آدمی مطلع ہوتا ہے اس حد اور نہایت پر۔ پس مطلع ظاہر کا سیکھنا عربیت ہے اور ان علوم کے ظاہر معنی قرآن کے ساتھ متعلق ہیں اور معرفت اسباب نزول کی اور ناسخ منسوخ کی اور مانند ان کی۔ اور مطلع باطن کا ریاضت ہے۔ (مظاہر حق ج:۱، ص:۹۷)

دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

فالظهر مایبینه النقل والبطن مایسعکشفه التاویل والحد هو المقام الذی یقتضی اعتبار کل من الظهر والبطن فیه فلا محید عنه والمطلع المکان الذی یشرف منه علی توفیقه خواص کل مقام حده و لیس للحد والمطلع انتهاء لان غایتهما طریق العارفین بالله وما یکون سرا بین الله وبین انبیائه واولیائه کذا حققه الطیبی (مرقات شرح مشکوۃ ج:۱، ص:۲۹۶)

ترجمہ: ظاہر سے مراد وہ چیز ہے جو نقل سے ثابت ہو اور باطن وہ چیز ہے جسے مراد کو پہنچنے والے دریافت کرلیں اور حد وہ ہے جس میں ظہر اور بطن دونوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کے انکار کی کوئی راہ نہیں اور مطلع اس مقام کا نام ہے جہاں سے ہر مقام کے خواص اپنی اس حد کو پاسکیں اس حد اور مطلع کی کوئی انتہا نہیں، ان دونوں کی غایت اللہ تعالیٰ اور اس کے ان اسرار کو جو اس کے اور اس کے انبیاء اور اولیاء کے درمیان ہیں، پہچاننے والے عارفین کا طریق ہے۔ یہ علامہ طیبی محدثؒ کی تحقیق ہے۔

آپ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

ومطلع البطن تصفية النفس والرياضة بآداب الجوارح و اتعابها فی اتباع مقتضی الظاهر والعمل بمقتضاه (ایضاً ص:۲۹۷)

ترجمہ: اور باطن کا مطلع نفس کی صفائی اور اعمال اعضاء کی ریاضت اور اس کے ظاہر کی اتباع میں اپنے آپ کو تھکانا اور اس کے مقتضی پر عمل کرنا ہے۔

حدیث میں احکام کے ظاہر و باطن کا بیان

آنحضرت ﷺ نے حدیث انما الاعمال بالنیات پہلے ہجرت پر منطبق فرمائی۔ جو ہجرت کرے اللہ کی رضاء کے لیے اس کی ہجرت اللہ کے لیے ہے اور جو کسی اور دنیوی مقصد کے لیے ہجرت کرے تو اس کے ساتھ معاملہ اسی نیت کے مطابق ہوگا۔ حدیث کا ظاہر معنی ایک علاقے کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کا ایک معنی باطن بھی بیان فرمایا:۔

المهاجر من هجر ما نهی الله عنه (ایضاً ص:۲۵۹)

ترجمہ: مہاجر وہ ہے جو ہر اس چیز سے بچے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

تصوف کے ظہر و باطن دونوں محترم ہیں

شریعت کے ظاہر کو قائم رکھتے ہوئے اس کے اسرار خفیہ کو پالینا بے شک اہل حق کا طریق رہا ہے، ان کے ہاں نصوص کے ظہر و بطن دونوں محترم ہیں لیکن ظاہر کو چھوڑ کر ان کے

باطن کے درپے ہونا یہ ایک راہ الحاد ہے، اس راہ میں چلنے والے تاریخ میں فرقہ باطنیہ کے طور پر معروف ہوئے ہیں۔ تاریخ کے مختلف موڑوں پر یہ مختلف ناموں سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں مراد نصوص صرف تاویل ہے جو تنزیل کے پردے میں اتاری گئی۔ تنزیل ان کے ہاں کوئی دائرہ عمل نہیں ہے ان کے ہاں جو ہے وہ باطن ہی باطن ہے۔ (معاذ اللہ)

فاذا كان الانسان عارفا بباطن الشريعة فلا جناح عليه ان هو استهان بالظاهر ولم يؤد الفرائض ولم يحل الحلال والحرام

(دیکھئے تاریخ جہاں کشائی ج: ۳، ص: ۱۵۳ طبع لندن ۱۹۳۹ء تالیف علاء الدین عطا ملک جوینی دولت اسماعیلیہ فی ایران ص: ۱۶۰ محمود السعید جمال الدین استاذ بکلیۃ الادب جامعہ عین شمس مصر)

ترجمہ: جب انسان شریعت کے باطن کو پہچان لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ اس کے ظاہر کو کچھ نہ سمجھے نہ فرائض ادا کرے اور نہ اس کے حلال اور حرام کی پرواہ کرے۔ (استغفر اللہ)

نظام الملک سلجوقی نے سیاست نامہ میں قرامطہ کے تعارف میں فرقہ باطنیہ کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے۔ اصل کتاب فارسی میں ہے، الاستاذ محمد سعید جمال الدین نے اس کی تعریف کی ہے۔

ماهم الا فرقة من الفرق الباطنية التى انتشرت كل حين فى ارجاء العالم الاسلامى وتسمت باسم مختلف فى حين ان عقائدها كلها متشابهة وهم يضمرون الكيد ويكنون الحقد للامة الاسلامية ويتربصون بها الدوائر ويطلق عليهم فى كل صقع وبقعة اسم مختلف فهم فى مصر والشام الاسماعيلية وفى بغداد وما وراء النهر و غزنة قرمطية وفى الكوفة مباركية وفى البصرة راوندية وبرقعية... وليس لهم هدف الا الاطاحة بالاسلام وهم اعداء لاهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم (سیاست نامہ فارسی ص: ۲۷۹ طبع ایران ۱۳۳۶ھ)

ترجمہ: قرامطہ فرق باطنیہ میں سے ایک فرقہ ہیں جو عالم اسلامی کے ہر

طرف پھیل گئے ہیں اور ہر طرف مختلف ناموں سے موسوم ہوئے ہیں، ان سب کے عقائد ملتے جلتے ہیں اور وہ لوگ دل میں مکر وفریب اور امت اسلامی کے لیے دل میں کینہ رکھتے ہیں اور ان پر مصائب آنے کے خواہش مند رہتے ہیں، ہر گوشہ اور خطہ میں ان کے مختلف نام پائے جاتے ہیں۔ مصر اور شام میں انہیں اسماعیلی کہتے ہیں، بغداد ماوراء النھر اور غزنہ میں انہیں قرامطہ کہتے ہیں، کوفہ میں مبارکیہ اور بصرہ میں راوندیہ اور برقعیہ کے نام سے موصوف ہیں اور ان کا نشانہ اسلام کو دبانے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا وہ اہل بیت کے (دوست نہیں) دشمن ہیں۔

قرامطہ کی تاریخ میں پہلی آمد

اس فرقے کا بانی حمدان بن اشعث قرمطہ تھا جو ۲۷۳ھ کے قریب خوزستان سے آکر کوفہ میں مقیم ہوا، اس نے اپنی تحریک کی ابتداء ایک زاہد پرہیزگار کے لباس میں کی پھر جب اس نے اپنے گرد لوگ جمع ہوتے دیکھے تو زندقہ والحاد کی دعوت دینے لگا، یہ لوگ ۳۱۷ھ میں موسم حج میں مکہ داخل ہوئے اور بیت اللہ شریف کی بہت بے حرمتی کی، یہ فرقہ اسماعیلیہ کی ہی ایک شاخ ہے۔ مورخ مسعودی (۳۴۵ھ) نے التنبیہ والاشراف میں، ثابت بن سنان بن قرہ الصابی (۳۶۵ھ) نے تاریخ قرامطہ میں اور قاضی عبدالجبار الھمدانی (۴۱۵ھ) نے تثبیت دلائل النبوۃ میں ان پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ باطنیہ کی الحادی تحریکیں ان کی اس باطنی دعوت سے ہی چلتی رہی ہیں کہ اسلام کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور۔ اس باطنیت کے سائے میں معلوم نہیں ان زنادقہ اور ملاحدہ نے کتنے سیاسی جاسوس اور کتنے جعلی پیر اور فرضی مسیح اور مہدی مسلمانوں میں لاکھڑے کیے اور یہ امت تاریخ کے مختلف موڑوں پر کتنی ہی دفعہ ان باطنیوں کے فتنہ سے دوچار ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس امت میں ہر صدی میں مجددین ہوتے رہے اور انہوں نے پوری جدوجہد سے حوزۂ امت کو ملحدین سے بچایا۔ آج کل یہ لوگ قادیانیوں، اسماعیلیوں اور بوہروں کی صورت میں تو منظم ملیں گے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اہل السنہ والجماعہ شریعت کی جرنیلی سڑک پر اب بھی اسی آب وتاب سے رواں دواں ہیں جس سے انہوں نے اپنی پہلی چودہ صدیاں عبور کی ہیں۔

اہل السنہ والجماعہ کے ہاں نصوص کے ظہر بطن سے مراد

حدیث پاک لکل اٰیۃ ظھر وبطن ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، آپ پڑھ آئے ہیں۔ ہم نے دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاریؒ سے اس کی شرح بھی نقل کردی ہے۔ اہل سنت اور فرقہ باطنیہ میں اس باب میں جوہری فرق یہ ہے کہ اہل سنت نصوص کو ان کے ظاہر پر رکھتے ہوئے (النصوص علی ظواھرھا) ان کے باطنی اشارات کو اقتضاء النص کے پہلو سے یا الاعتبار والتاویل کے پہلو سے یا رموز و لطائف کے پہلو سے اور سلوک و احسان کے پہلو سے بھی زیر بحث لاتے ہیں اور اس میں ان کی مراد شریعت سے ہرگز کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، وہ طریقت ہو یا معرفت ان کی کسی بات کو شریعت کے خلاف کہیں کسی درجے میں بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بخلاف باطنیہ کے کہ ان کے ہاں دین اسی باطنیت کا نام ہے جو ظاہر کے پردے میں انہیں دی گئی ہے اور اس کے ظاہر کا ان کے ہاں کوئی اعتبار نہیں۔ (استغفر اللہ)

اشاعرہ اور ماتریدیہ کی تاویلات ظواہر کا انکار نہ تھیں

باطنیہ نے تو ظواہر احکام کی بھی تاویل کی اور شریعت کو اس کے ظاہر پر نہ رہنے دیا۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ جو اہل السنہ والجماعہ میں سے ہیں ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی آیات صفات کو ان کے ظاہر پر نہیں رکھا ان کی کچھ نہ کچھ تشریح کی ہے۔ صورت واقعہ کچھ اس طرح نہیں، حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) جو بقول مجدد مأۃ دہم اہل ولایت میں سے تھے، اس کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

> وکان الاشعری وائمۃ اصحابہ یقولون انھم یحتجون بالعقل لما عرف ثبوتہ بالسمع فالشرع ھو الذی یعتمد علیہ فی اصول الدین والعقل عاضد لہ ومعاون
>
> (کتاب العقل بحاشیہ منہاج السنہ ج:۲،ص:۷)
>
> ترجمہ: اور ابوالحسن الاشعری (۳۳۰ھ) اور آپ کے ائمہ فن شاگرد کہتے ہیں کہ ہم عقل کو اسی چیز کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کا ثبوت سماعی طور پر موجود ہے سو اصل شریعت ہی ہے جس پر اصول دین میں

اعتماد کیا جا سکتا ہے اور عقل تو صرف اس کی معاون اور مددگار ہے (یعنی عقل کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے قوت حاکمہ نہیں جو کچھ کتاب وسنت سے ثابت ہے یہ صرف اسی کی تائید کے لیے ہے)۔

پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں

وهذا مما مدح به الاشعری فانه بین من فضائح المعتزلة و تناقض اقوالهم وفسادها ما لم یبینه غیره لانه کان منهم ثم انه رجع عنهم وصنف فی الرد علیهم و نصر فی الصفات طریقة ابی کلاب لانها اقرب الی الحق والسنة من قولهم

(منہاج السنہ ج:۳، ص:۷۱)

ترجمہ: یہ بات ان امور میں سے ہے جن پر ابوالحسن اشعری قابل مدح ہیں کیونکہ انہوں نے معتزلہ کے فضائح اور ان کے اقوال کے تناقض اور فساد کو خوب بیان کیا ہے جو ان کے سوا کسی دوسرے نے نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ پہلے انہی میں تھے پھر ان کے مذہب سے واپس لوٹے اور ان کی تردید میں کتابیں لکھیں، مسائل صفات میں وہ اس طریقہ پر چلے جو حق اور سنت کے زیادہ قریب ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل السنہ والجماعہ کے ہاں ظواہر احکام ہوں یا ظواہر آیات صفات، کہیں نصوص کے ظواہر کا انکار نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہیں متشابہات کہہ کر ان کی مرادات کو اللہ کے سپرد کیا جائے اور عقائد محکمات سے اخذ کئے جائیں یہی قرآن کریم کی رو سے راسخین فی العلم کی عملی راہ ہے۔

باطنیہ کا اہل حق میں کہیں داخلہ نہیں، اہل حق میں ایمان، اسلام اور احسان بالترتیب چلتے ہیں۔ ایمان جب عمل کی صورت اختیار کرتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ ایمان کا مرکز دل ہے اور اسلام اس کے اعمال کا ڈھانچہ ہے۔ اعمال کے اسی قالب میں احسان سے روح پڑتی ہے اور مومن اپنے آپ کو ایک زندہ دین پر لاتا ہے۔ سو اہل حق میں سلوک واحسان شریعت سے کوئی بغاوت نہیں ہے، یہ ایک نسبت احسانی کا اظہار ہے جو خود مطلوب رسالت ہے۔

جہلا کے ایک طبقے میں باطنیت اب بھی موجود ہے

اپنے کو اہل سنت والجماعت کہنے والوں کا ایک طبقہ جہلاء کا بھی ہے جو علماء حق سے بلا وجہ بدگمان ہوا بیٹھا ہے۔ اولیاء اللہ کے مزارات میں آج کل جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے (بالخصوص عرس کے دنوں میں) اہل علم کا کوئی طبقہ اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ملنگوں اور مجاوروں، بعض تکیہ نشین فقیروں اور جاسوس درویشوں کی قبا میں آپ کو بے شک فرقہ باطنیہ کے کچھ پرستار ملیں گے لیکن یہ آپس میں کہیں منظم نہیں ہیں۔ ایسے ہر ملنگ اور پیر کی باطنیت اپنی اپنی ہے اسلام کے معروف فرقوں میں کوئی اس کی شرعی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں۔ مولانا احمد رضا خان کی ان تصریحات کے باعث مولانا کے پیرو بھی ان کے علمی سرپرست بننے کے لیے تیار نہیں۔ مولانا عورتوں کے مزاروں پر آنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

عورتوں کو مزارات اولیاء و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔

(احکام شریعت حصہ:۲،ص:۱۵۵)

مولانا یہ بھی کہتے ہیں:

جس وقت گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں، سوائے روضہ انور کے اور کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ (ملفوظات حصہ:۲،ص:۱۰)

باطنیہ کے ملنگ اور درویش عام کہتے ہیں کہ عالموں اور درویشوں کی شروع سے ان بن رہی ہے مگر مولانا احمد رضا خان بریلویؒ لکھتے ہیں کہ وہ ابلیسی مسخرے کہ علماء دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں۔ انہیں میں وہ جھوٹے مدعیانِ فقر ہیں جو کہتے ہیں کہ عالموں اور فقیروں کی سدا سے لڑائی ہوتی آئی ہے یہاں تک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والوں کو یہ کہتے سنا کہ عالم کون ہیں؟ سب پنڈت ہیں۔ (فتاوی افریقہ)

اس سے پتہ چلا کہ مزارات کے گدی نشینوں میں کچھ لوگ فرقہ باطنیہ کے بھی ملے ہوئے ہوتے ہیں وہ ہرگز اہل سنت کے کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتے، وہ اپنے آپ کو بریلوی ظاہر کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مولانا احمد رضا خان کے پیرو نہیں ہوتے۔ مولانا احمد رضا خان نے یہاں سچی بات کہہ دی ہے مگر ہمیں افسوس ہے کہ ان کے بہت سے پیرو مزاروں پر ہونے والے

ایسے اعمال کی عملی سرپرستی کسی نہ کسی طرح کرتے ہی رہتے ہیں۔ انہیں ان کے عرسوں پر بلایا جاتا ہے اور وہ یہاں آ کر اپنے وعظ کی ان ملنگوں اور مجاوروں سے بھاری فیسیں وصول کرتے ہیں۔

تاہم ان جھوٹے پیروں کے باطنی کردار سے اہل حق کے سلسلہ طریقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا وہ شریعت کے ظواہر پر پوری طرح عمل پیرا ہو کر اگر نصوص کے اندر لپٹے رموز و اشارات سے روحانی قوت پاتے ہیں تو سلوک و احسان کی یہ راہ مومن کی ایک رگِ عرفان ہے جو تارِ زیست دھڑکتی ہے اور اسی پر وہ خوش نصیب اپنی جان... جانِ آفرین کے سپرد کرتا ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

خدا کی حضوری میں رہنے والے شریعت کے پورے پابند رہتے ہیں

خدا کی حضوری میں رہنے والے عاشقانِ جانثار زندگی بھر اپنے آپ کو تعمیل حکم الٰہی اور ذکر و وجد میں رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں میدانِ جنگ کا جہاد... جہادِ اصغر ہے اور اپنے نفس سے یہ عمر بھر کی کشتی جہادِ اکبر ہے۔ پھر اس پہلو سے ان کے ہاں کچھ اپنے مسائل ہیں اور پھر ان مسائل کے ان کے ہاں اپنے جواب ہیں۔ عارف باللہ ابن فارض نے کہا تھا:۔

ولو خطرت فی سواک ارادة
علی خاطری سهوا حکمت بردتی

ترجمہ: اے محبوب حقیقی میرے دل میں تیرے سوا بھول کر بھی اگر کسی کا
دھیان گزرے تو میں اپنے اوپر ردت کا فتویٰ جاری کروں گا۔

یہ طریقت کا مقامِ ردت ہے، شریعت کا مقام ردت نہیں جس سے انسان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

اللہ کا دوست ذاتِ سرمدی میں فنا ہو کر اپنے کو صرف اس درجے میں باقی رکھتا ہے کہ اسے ذات عالی سے ایک نسبت ہو چکی ہے۔ اس نسبت کی بقاء میں اسے اپنی بقاء مقصود نہیں ہوتی، اسے صرف اس ذات واجب پر اپنی نظروں کو جمانا ہے۔

میری ذات کو جلا کر میری خاک کیوں اڑادی
اسے نسبت ہوگئی تھی تیرے سنگ آستان سے

مگر ایک یہ مقام بھی آتا ہے کہ خودی اس درجہ میں بھی باقی نہ رہے کہ وہ اپنے بارے میں اس درجہ کی بقا تلاش کرے:۔

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑادو
کہ جو تجھ پہ مٹ گیا ہو اسے کیا غرض نشان سے

یہ بات صحیح ہے اور بدوں کسی تردد کے کہ سلوک واحسان میں طریقت کسی پہلو سے شریعت کے خلاف نہیں۔ طریقت وہ چیز ہے کہ جب حقیقت بنے تو طبیعت کا ہر تقاضا و احساس شریعت کے تابع ہوجاتا ہے۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ایک دفعہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو خط لکھا کہ مدت ہوئی کہ آپ نے اپنے حال کے بارے میں کوئی خط نہیں لکھا آپ نے جو جواب دیا اس کے ایک ایک لفظ میں معرفت کا نور اور دل کا سرور شعلے مارتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

یہ بے حال اپنا حال کیا لکھے، اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی توجہ اور فیض سے طبیعت شریعت بن چکی ہے۔ طبیعت میں کوئی ایسا تقاضا پیدا نہیں ہوتا اور نہ کوئی ایسا احساس ابھرتا ہے جو شریعت کے خلاف ہو۔ ثانیاً کتاب وسنت میں مجھے کہیں کوئی ٹکراؤ نظر نہیں آتا، میرا دل اس پر پوری طرح مطمئن ہے۔ ثالثاً میرے حلقے میں جو لوگ آتے ہیں اور وہ جو بات میرے ساتھ کرتے ہیں انکی مدح وذم میرے لئے برابر ہوگئی ہے ان کی ایسی کوئی بات مجھ پر اثر نہیں کرتی۔

شریعت اور طریقت اپنے مقاصد میں بھی ایک ہیں

علامہ شاطبی نے کتاب الاعتصام میں شریعت کا مقصد یہ بتلایا ہے:۔

الشریعة موضوعة لاخراج المکلف عن داعیة هواه حتی یکون عبدا (الاعتصام ج:۱:ص:۳۳۷)

ترجمہ: شریعت کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ انسان کو اس کی خواہشات کے دواعی سے نکالے یہاں تک کہ وہ اللہ کا بندہ بن جائے (اس کی خواہشات اپنے مالک کے حکم کے تابع ہوجائیں)

علامہ موصوف نے الموافقات میں اس کے آگے یہ بھی لکھا ہے:۔

اختیارا ما ھو عبد اللّٰہ اضطرارا (ج:۲،ص:۱۶۸)

ترجمہ: ایسا وہ اپنے اختیار سے کرے یہ نہیں کہ وہ اللہ کی عبادت اضطراراً کر رہا ہے۔

یعنی انسان کو اس کے اپنے حال پر نہ چھوڑا جائے، ایحسب الانسان ان یترک سدی کہ جدھر اس کی خواہش اسے لے جائے وہ ادھر چلتا ہوجائے۔ اسے ان خواہشات سے روک کر کسی ایک ضابطہ حیات میں لانے کی ضرورت ہے، یہ ضابطہ شریعت ہے جو اسے اس کی غلط خواہشات سے روکتا ہے۔ اس کے سامنے حلال و حرام کے دائرے کھچے ہیں اور وہ اسے دین حق قبول کر کے اپنی خواہشات پر پابندیاں قبول کرتا ہے لیکن ان خواہشات کو ایسے دبانا کہ اب اس کی فطرت انہیں قبول ہی نہ کرے، یہ تب میسر آتا ہے کہ اس مقصد کے لیے دل پر کچھ خاص محنت کی جائے، یہ راہ طریقت ہے جو راہ شریعت کو تکمیل بخشتی ہے۔ سو شریعت اور طریقت اپنے مقصد میں ایک ہیں ایک دوسرے کا غیر نہیں، طریقت سے شریعت اور طریقت کا داعیہ خواہشات کے دواعی پر غالب آجاتا ہے اور اب شریعت اس کی طبیعت بننے لگتی ہے۔ یہی حاصل ہے الموافقات کی مذکورہ عبارت کا، دین میں اخلاص اسی راہ سے آتا ہے۔ علامہ شاطبی نے شریعت کی جو تعریف فرمائی ہے آپ ابھی پڑھ آئے ہیں۔ اب یہ بھی دیکھیں کہ طریقت کی تعریف وہ کس طرح کرتے ہیں:۔

الطریق مبنی علی الاخلاص التام بالتوجه الصادق و تجرید التوحید عن الالتفات الی الاغیار (ایضاً)

ترجمہ: طریقت پورے اخلاص پر مبنی ہوتی ہے، اس میں مخلصانہ توجہ اور ایسی توجہ درکار ہے جو ماسویٰ اللہ کی طرف دھیان کرنے سے روک دے۔

یعنی طریقت کی بناء پوری توجہ سے پورے اخلاص پر آتا ہے اور کسی دوسری طرف توجہ کئے بغیر اپنے آپ کو ایک خدا پر جمانا ہے۔ ہمت اس سے ہٹ کر کسی اور طرف نہ آنے پائے۔

دسویں صدی کے مجدد امام کبیر ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) حدیث جبرئیل کی شرح میں احسان کے تحت لکھتے ہیں:۔

اراد به الاخلاص فانه شرط فی صحة الایمان و الاسلام معا

لان من تلفظ بالکلمة وجاء بالعمل من غیر نیة الاخلاص لم یکن ایمانه صحیحا (مرقات ج:۱،ص:۵۹)

ترجمہ: اس سے اخلاص مطلوب ہے کیونکہ یہ ایمان اور اسلام کی صحت کے لیے شرط ہے، جو شخص کلمہ کے الفاظ کہے اور عمل بھی بجالائے لیکن بہ اخلاص نیت نہ ہو تو اس ایمان کا اعتبار نہ ہوگا۔

اخلاص سے مراد کیا ہے اسے بھی اس امام کبیر کی زبانی ملاحظہ کریں:۔

والاخلاص تصفیة العمل من طلب عوض وغرض عرض و روية رياء..... ونفی الشعور مماسواه (ایضاً)

ترجمہ: اخلاص عمل کسی عوض اور دکھاوے سے پاک ہونا ہے اور اس میں ایک اللہ کے سوا کسی دوسری طرف دھیان کی نفی بھی چاہئے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

درحقیقت تصوف تفسیر کتاب خدا وشرح سنت رسول ومدلول ونتیجہ آنہا است۔ (اشعۃ اللمعات)

ترجمہ: تصوف حقیقت میں قرآن کریم کی تفسیر حضور ﷺ کی سنت اور انہی کی مرادات کا نام ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:۔

ومعظم ما دعت الی اقامته الرسل امور ثلثة تصحیح العقائد فی المبداء والمعاد.... وتصحیح العمل.... وتصحیح الاخلاص والاحسان (تفہیمات الٰہیہ)

ترجمہ: رسول جس چیز کے قائم کرنے کی دعوت دیتے رہے اس میں بڑے امور یہ تین ہیں: (۱)...دنیا اور آخرت کے بارے میں عقائد کی صحت، (۲)...تصحیح عمل اور (۳)...تصحیح اخلاص واحسان۔

اور پھر آگے جا کر لکھتے ہیں۔

والذی نفسی بیده هذا الثالث ادق المقاصد الشرعیة ماخذاً واعمقها محتدا بالنسبة الی سائر الشرائع وبمنزلة

الروح من الجسد و بمنزلة المعنى من اللفظ وتكفل بها الصوفية رضوان الله عليهم فاهتدوا وهدوا واستسقوا وسقوا وفازوا بالسعادة القصوى وحاذوا السهم الاعلى

(ایضاً ج:۱،ص:۱۳)

ترجمہ: بخدا یہ تیسری چیز تمام مقاصدِ شرعیہ میں باعتبار ماخذ سب سے زیادہ دقیق ہے اور اپنی حدود میں تمام شرائع کی نسبت سب سے زیادہ گہری ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے جسم کے لیے روح ہو یا لفظ کے لیے معنی۔ اس کی ذمہ داری کے صوفیہ کفیل ہوئے، وہ راہ پا گئے اور اوروں کو بھی راہ پر ڈالا، انہوں نے اس راہ کا پانی مانگا اور وہ سیراب ہوئے اور لوگوں کو دینے لگے اور اس کی انتہاء درجے کی سعادت پا گئے اور بڑا حصہ انہوں نے پالیا۔

حضرت علامہ شامیؒ سے بھی سن لیجیے:۔

الطريقة سلوك طريق الشريعة والشريعة اعمال شرعية معدودة وهما والحقيقة متلازمة لان الطريق اليه تعالٰى ظاهر و باطن فظاهرها الطريقة والشريعة وباطنها الحقيقة فبطون الحقيقة في الشريعة والطريقة كبطون الزبد في لبنه لايظفر بزبده بدون مخصه والمراد من الثلثة اقامة العبودية على الوجه المراد من العبد (ردالمحتار ج:۱،ص:۴۲)

ترجمہ: طریقت شریعت کی راہ چلنے کا نام ہے اور شریعت گنے چنے اعمال شریعت ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ کی طرف چلنے کی راہ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، ان کا ظاہر شریعت اور طریقت ہے اور ان کا باطن حقیقت ہے۔ حقیقت کے باطنی پہلو اسی طرح ہیں جیسے دودھ میں مکھن ہو، مکھن اسے بلونے کے بغیر نہیں ملتا۔ ان تینوں کا مقصد عبادت کو اس طریقے سے قائم کرنا ہے جو ایک بندے کے ذمہ ہو سکتی ہے۔

شیخ وقت مولانا رشید احمد گنگوہی بھی ایک خط میں لکھتے ہیں۔

فی الواقع شریعت فرض اور مقصد اصلی ہے۔ طریقت بھی شریعت باطنی ہے اور حقیقت اور معرفت متمم شریعت ہیں۔ اتباع شریعت باکمال بدوں معرفت نہیں ہوسکتا۔ (مکاتیب رشیدیہ ص:۴۴)

کیا سلوک واحسان کی راہ پر آنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے؟

جس طرح ظاہر شریعت پر چلنا اور اس کے مطابق علم فقہ سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کے بغیر انسان اسلام کی راہ پر نہیں چل پاتا، اسی طرح ان اعمال میں اخلاص اور نیت قلبی کی ضرورت پڑتی ہے سو اس کے لیے سلوک واحسان کی طلب بھی ہر ایک کے لیے ضروری ہوگی، اس کے بغیر شریعت کے ظاہری اعمال بھی اللہ کے ہاں قبولیت نہیں پاتے۔ یہ طریقت شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں، شریعت کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرنے کا ایک شرعی زینہ ہے، سو جس درجے میں علم شریعت سیکھنا ضروری ہوگا اسی درجہ میں سلوک واحسان کی راہ اختیار کرنی بھی ضروری ہوگی، دل کی اصلاح کے مسائل جاننے ضروری ہوں گے۔ مسائل فقہ انسان چند دنوں میں جان لیتا ہے لیکن سلوک واحسان کے سبق منزل بہ منزل چلتے ہیں۔

چھپے گناہ کیا ہر ایک میں نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جس طرح کھلے گناہوں کو چھوڑنے کا یکسر حکم دیا ہے اسی طرح چھپے گناہوں کو بھی چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ عجب، حسد، کینہ، لالچ، بخل، ضد اور قساوت قلبی یہ سب چھپے گناہ ہیں۔ عجب خود پسند ہونے کا نام ہے، اس میں کبر بھی آجاتا ہے۔ آپ ہی بتائیں کیا یہ سب باطنی گناہ نہیں؟ اور کیا ان سے بچنا اور انہیں یکسر ترک کرنا ضروری نہیں اور کیا بدوں اس راہ کے صحرا نوردوں کی رہنمائی کے محض وعظ ونصیحت سے یہ امراض ڈھل جاتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

علامہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

واما انتساب الطائفة الی شیخ معین فلاریب ان الناس یحتاجون من یتلقون عنه الایمان والقرآن کما تلقی الصحابة ذلک عن النبی صلی اللہ علیه وسلم وتلقاہ عنهم التابعون

وبذلک یحصل اتباع السابقین الاولین باحسان فکما ان المرء له من یعلمه القرآن ونحوه فکذلک له من یعلمه الدین الباطن والظاهر (فتاوی ابن تیمیہ ج:۱۱،ص:۵۱۰)

ترجمہ: لوگوں کی نسبت کسی شیخ معین کی طرف ہو، اس میں شک نہیں کہ لوگ اس شخص کے محتاج ہیں جس سے وہ ایمان اور قرآن حاصل کریں جیسا کہ صحابہ نے اسے نبی پاک ﷺ سے حاصل کیا تھا اور ان سے تابعین نے اور اسی سے سابقین اولین کی اتباع نسبت احسانی سے مل جاتی ہے سو جس طرح آدمی کے لیے وہ شخص چاہیے جو اسے قرآن وسنت سکھائے اسی طرح اسے وہ شخص بھی چاہیے جو اسے دین ظاہراً و باطناً سمجھائے۔

گناہ صرف وہی نہیں جو ظاہر میں ہمیں دکھائی دیں، ہمیں قرآن کریم نے باطنی گناہ چھوڑنے کا بھی حکم دیا ہے اور وہ باطنی زنگ دھونے والوں کی تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وذروا ظاهر الاثم وباطنه ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون (پ:۸، الانعام:۱۲۰)

ترجمہ: اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا بھی، جو لوگ کماتے ہیں گناہ بے شک وہ اپنے کیئے کی سزا دیئے جائیں گے۔

ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن (پ۸، الانعام:۱۵۱)

بس یہی ظاہر اور بطن کے دو متقابل لفظ موجود ہیں۔

ان گناہوں کو جن کا تعلق اعضاء بدن سے ہے ان کو بھی چھوڑنا ہے اور جن گناہوں کا تعلق دل سے ہے ان کو بھی چھوڑنا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ جس طرح اعضاء و جوارح سے ہوتے ہیں اسی طرح قلب سے بھی ہوتے ہیں

(تفسیر ماجدی ص:۳۰۹)

ظاہر ہے کہ اس کے لیے دونوں لائنوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ حضرت

علامہ شامی (۱۲۵۹ھ) باطنی امراض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وازالتها فرض عين و لايمكن الا بمعرفة حدودها واسبابها وعلاماتها وعلاجها فان من لا يعرف الشرّ يقع فيه.

(ردالمحتار ج:۱،ص:۳۰)

ترجمہ: اور ان باطنی امراض کا ازالہ کرنا بھی فرضِ عین ہے اور یہ ان امراض کی حدود، ان کے اسباب، علامات اور ان کے علاج کو جانے بغیر ممکن نہیں۔ جو شخص شر کو نہ پہچان پائے وہ اس میں گرا کہ گرا۔

فقیہ جلیل قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

طلب طریقت اور کمالات باطنی کے لیے کوشش کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

یاأیها الذین آمنوا اتقوا اللّٰه و کونوا مع الصادقین

(پ:۱۱،التوبہ:۱۱۹)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ ہو جاؤ جو صادقین ہیں۔

سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عدم مرضیات سے بچانے کے لیے مسائلِ طریقت کا سیکھنا ضروری ہے۔ قرآن کریم میں **کونوا مع الصادقین** کی تعلیم اسی پیرایہ میں دی گئی ہے، اب یہ ضرورت مندوں کے ذمہ ہے کہ اپنے اردگرد کے ماحول میں صادقین کی تلاش کریں اور پھر ہمیشہ انہی کے ساتھ رہیں۔

حصول کمالاتِ نبوت ﷺ میں اہلِ ولایت کی مختلف کوششیں اور نسبتیں

برصغیر پاک و ہند میں جب سے مسلمانوں کی آمد ہوئی اسی نقطہ آغاز سے یہاں مشائخ طریقت ابھرے۔ مسلمانوں نے اپنے اسلامی تعارف میں جہاں مسائلِ شریعت کو اساسی حیثیت دی ہے، راہ طریقت پر بھی وہ اسی ذوق و شوق سے چلے۔ یہاں طریقت جن مختلف راہوں سے متعارف ہوئی ہم یہاں ان سلاسل کا اجمالی تذکرہ کئے دیتے ہیں، تفصیلی بحث آگے کہیں آئے گی (انشاء اللہ)۔ ہمارے دور میں اگر کوئی ان سلاسل کی نسبت سے اپنا

صحیح کردار نہ رکھ سکا تو اس کے ذاتی کردار سے ان پورے سلسلوں کو طعن و استہزاء کا نشانہ بنانا انصاف سے بہت دور ہوگا۔

برصغیر پاک و ہند کے شیعہ حضرات اس راہ کے مسافر نہیں ہیں، ان کے اعتقاد میں بارھویں امام کسی مخفی مقام پر موجود ہیں، ان کے زندہ ہوتے ہوئے انہیں نہ کسی اور امام کی ضرورت ہے نہ کسی مرشد کی۔ ان کے سوا مسلمانوں کے تمام طبقے تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کی اصولی ضرورت اور اس راہ میں دریافت کئے گئے اصول طریقت پر متفق ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے چار روحانی سلسلے

۱۔ سلسلہ قادریہ

ان کے مرشد عام عارف باللہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) قدس سرہ ہیں۔ آپ قطب فلک ولایت تسلیم کئے گئے ہیں، آپ کا مزار بغداد (عراق) میں ہے۔

۲۔ سلسلہ چشتیہ

ان کے مرشد عام حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۶۳۲ھ) قدس سرہ ہیں۔ آپ ولایت کی دنیا میں سلطان الہند کہلاتے ہیں۔ آپ کا مزار اجمیر شریف (بھارت) میں ہے۔

۳۔ سلسلہ سہروردیہ

اس سلسلہ کے شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (ابوحفص عمر بن محمد التوفی ۶۳۲ھ) ہیں۔ آپ کا مزار بھی بغداد میں ہے۔ آپ کے خلیفہ اجل حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ہندوستان میں آپ کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔

۴۔ سلسلہ نقشبندیہ

اس سلسلے کے شیخ خواجہ بہاء الحق والدین، شیخ محمد بن محمد البخاری (۷۹۱ھ) حضرت خواجہ نقشبند ہیں۔ آپ کے بعد اس سلسلے کی زیادہ شہرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) کے نام سے ہوئی ہے۔ حضرت شیخ کا مزار سرہند شریف (بھارت) میں ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں اہل السنہ والجماعہ وہ بریلوی عوام ہوں یا مسلک دیوبند کے اہل علم، یہ سب حضرات تزکیۂ قلب اور اصلاح دل کی اس محنت میں کسی نہ کسی روحانی سلسلے سے

وابستہ ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی حقیقت میں اس راہ کا طالب ہو اور کسی نے اس وابستگی کو اپنا کاروبار بنا رکھا ہو۔ تاہم اس کی ایک دینی ضرورت ہونے پر ساری امت کا اجماع ہے۔ یہ صحیح ہے کہ چودھویں صدی میں بعض حلقوں کی طرف سے اس سلسلہ طریقت پر خاصا انکار بھی کیا گیا ہے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ متاخرین کا اختلاف کسی پہلے ہوئے اجماع کو نہیں توڑ سکتا۔

اہل حدیث سلسلہ ارادت میں

اہل حدیث (باصطلاح جدید) حضرات میں مولانا محمد عبدالجبار غزنوی ثم امرتسری نقشبندی سلسلے میں بیعت تھے اور بہت سے اہل حدیث ان سے بیعت ہوئے۔ آپ مولانا محمد داؤد غزنوی کے والد ہیں۔ آپ کی کتاب اثبات الالہام والبیعۃ اس موضوع پر معروف ہے۔ آپ نے کتاب و سنت سے ثابت کیا ہے کہ بیعت سلوک اور الہام خداوندی دونوں برحق ہیں۔ یہ تصوف کی دنیا اسلام کا کوئی نیا ایڈیشن نہیں ہے، یہ اسی پرانے اسلام کا ایک ذوقِ مسلسل ہے۔ کسی ایک بزرگ سے طریقت کا یہ تعلق شرک فی الرسالت نہیں ہے۔

ان سلسلوں کے علاوہ کچھ اور سلسلے بھی ہیں جیسے سلسلہ اویسیہ، سلسلہ شاذلیہ وغیرہ لیکن وہ زیادہ معروف نہ ہو سکے نہ ان کی خانقاہیں کہیں ان ناموں سے قائم ہوئیں۔ پھر ان سلاسل اربعہ کی کچھ اپنی شاخیں ہیں چشتیہ نظامیہ، چشتیہ صابریہ، نقشبندیہ مجددیہ، قادریہ رحمانیہ، قادری نوشاہی وغیرہ۔ سلاسل کی بحث میں انشاء اللہ ہم ان پر بھی کچھ تفصیلی گفتگو کریں گے۔

چار سلسلے دو صحابہ سے

یہ چار سلسلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے واسطے سے آنحضرت ﷺ سے جا ملتے ہیں۔ نقشبندی حضرات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعہ اور قادری، چشتی اور سہروردی صوفیہ کرام حضرت علی المرتضیٰؓ کے واسطہ سے حضور ﷺ تک پہنچتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نقشبندی سلسلے کے سوا ایک سلسلہ حواریہ بھی چلا، حضرت ابوبکر حوارؒ اسی سلسلہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ سے بھی اہل ولایت کے کچھ سلسلے چلے مگر وہ زیادہ معروف نہ ہو سکے اور کچھ مدت کے بعد ان کا تسلسل باقی نہ رہا۔ یہ سلسلے صدیقی اور علوی سلسلوں میں آکر شامل ہو گئے۔ حضرت علی ہجویری (المعروف داتا

صاحب) رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں کچھ اور سلسلے بھی ذکر کیے ہیں۔ آپ خود ان سلاسل اربعہ میں کسی سلسلہ میں نہ تھے۔ ہمیں اس وقت ان تفصیلی مباحث سے غرض نہیں۔

چار کے عدد میں خدا کی پسندیدگی

اللہ تعالیٰ کی مختلف کاموں میں اپنی تکوینی حکمتیں ہوتی ہیں۔ آسمانی کتابیں بہت اتریں لیکن چار ہی زیادہ معروف ہوئیں، صحائف ابراہیمی اپنی جگہ موجود رہے۔ خدا کے مقرب فرشتے بھی چار ہیں۔ اولوالعزم پیغمبر بھی چار بتائے گئے ہیں۔ خلفائے راشدین بھی چار ہی مانے گئے ہیں گو لفظ خلیفہ بعد کے حکمرانوں کے ساتھ بھی چلتا رہا، آئمہ اربعہ بھی چار رہے جن کی پیروی اب تک امت میں جاری ہے۔

اسلام کے صف اول کے مجتہدین بارہ کے قریب تھے اور پھر ان میں سات آٹھ کے قریب وہ بھی تھے جن کی امت میں تقلید جاری رہی لیکن تکوینی نظام کے تحت دائرہ تقلید انجام کار چار میں محدود ہو کر رہ گیا۔ اسی طرح یہاں بھی ایک تکوینی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ آسمانِ ولایت پر بے شمار تارے چمکے لیکن آخر کار یہ ساری روشنیاں چار راستوں سے چھن چھن کر آنے لگیں۔ اب جہاں بھی روحانی نسبتیں پائی جاتی ہیں وہ انہی چاروں راستوں سے ہیں۔ یاد رکھیے کہ علم کا آخری درجہ معرفت کا ہے، کتاب و سنت کا علم ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ دین کا سالہا سال سے مطالعہ رکھنے والے بھی یہی محسوس کرتے ہیں کہ ابھی ابھی اس کے کنارے اترے ہیں اور علم کی دنیا تو اس کے بھی بہت آگے ہے۔ کتاب و سنت کی اتھاہ گہرائیوں میں بس مجتہدین ہی اتر سکتے ہیں اور فقہ کے خزینے اور دفینے بس انہی کی دریافت ہیں۔ تاہم شریعت کے ساتھ ساتھ چلنے والا بحرِ طریقت ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں اسلام کا نور اس کی عملی بہاروں کے ساتھ آنکھوں دیکھا جا سکتا ہے۔ سلوک و احسان کی اس منزل کے راہی راتوں اس کے لیے جاگے اور پھر اس کو پار کر گئے۔

عدم کے واسطے سامان کر غافل جوانی میں
مسافر شب سے اُٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے

ان کے تجربات، ان کے اصول و فروع کے تجزیات، ان کی ریاضات، ان کی توجہات اور ان کے افاضات سالکین کے لئے اس سفر کے سنگ میل ہیں اور جہاں یہ اساتذۂ

فن ان سالکین پر محنت کرتے ہیں اور ان کی تربیت کرتے ہیں انہیں خانقاہیں کہا جاتا ہے۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی وہ جگہ بھی بابرکت ہو جاتی ہے۔ سالکین زیادہ تر ایسی جگہوں میں آ کر ہی ذکر کرنا سیکھتے ہیں اور یہ وہیں مراقبوں میں اس روحانی دنیا کا سفر کرتے رہے ہیں۔ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس مضمون میں ان کا بھی کچھ تذکرہ کر دیں۔

روحانی تربیت کی خانقاہیں

بنی اسرائیل میں جن لوگوں نے رہبانیت اختیار کی وہ آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور صحراؤں میں جا ٹھہرتے رہے اور جھونپڑیوں میں رہتے رہے، یہیں اُن کے اذکار ہوتے اور وہ زیادہ تر یہیں مراقبے کرتے تھے۔ اس تنکوں سے بنی جگہ کو خانہ کاہ کہا جاتا ہے، کاہ فارسی میں گھاس کو کہتے ہیں۔ یہ درویشوں کے رہنے کی جگہ تھی۔ پھر اسے خانقاہ کہا جانے لگا۔ نصرانی راہب خانقاہوں میں رہتے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں بتایا کہ بہت سے صوفیاء کرام بھی اپنے اپنے دور میں خانقاہوں میں عبادت و ریاضت میں لگے رہے۔ آپ عبدالواحد الصوفی (۶۳۹ھ) کے بیان میں لکھتے ہیں:۔

ثم توفی شیخا کبیرا بعد ان اقام بخانقاہ السمیساطیه ایاما ودفن بمقابر الصوفیه (البدایہ ج:۱۳، ص:۱۵۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے عمرو بن دحیہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ اصبہان کی ایک خانقاہ میں آیا **لما قدم ابن دحیة علیا اصبهان نزل علی ابی فی الخانکاہ** (لسان المیزان ج:۴، ص:۲۹۶) اس سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ خانقاہ ان دنوں اسلامی صفوں میں کوئی غیر معروف لفظ نہ تھا۔

دورِ اسلام میں جو لوگ صفائیٔ باطن میں زیادہ لگے اور بطور صوفی معروف ہوئے انہوں نے اپنے اذکار و مراقبات کے لیے خانقاہیں بنائیں اور ان کا زیادہ وقت اپنی اسی خانقاہ میں گذرتا سالکین اور طالبین اسی خانقاہ میں آتے اور اپنے دل کی دنیا آباد کرتے، یہیں ان کی تعلیم و تربیت کے مراحل طے ہوتے اور وہ سلوک کے منازل و مناہل طے کرتے۔

ان روحانی مراکز کو کبھی رباط (سرائے) بھی کہا جاتا اور کبھی ان جگہوں کو تکیہ بھی

کہتے تھے۔ علامہ رحمتی لفظ رباط کے تحت لکھتے ہیں:۔

هو ما يبنى لسكنىٰ فقراء الصوفية و يسمى الخانقاه و التكية

(ردالمحتار ج:۱،ص:۶۱۵)

ترجمہ: رباط وہ ہے جو فقراء کے رہنے کے لیے بنائی جاتی ہے، اسے خانقاہ اور تکیہ بھی کہتے ہیں۔

حافظ ذہبی تذکرہ میں ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد شیخ الاسلام الانصاری الہروی (۴۸۱ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

القعود مع الصوفية فى الخانقاه.

ترجمہ: صوفیوں کے ساتھ ساتھ خانقاہوں میں بیٹھنا آپ کا معمول تھا۔

حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) محمود بن عثمان (۶۰۹ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

كان رباطه مجمعا للفقراء واهل الدين وللفقهاء الحنابلة

(الذیل علی طبقات الحنابلہ ج:۲،ص:۶۳)

فقہائے شافعیہ میں محب الدین محمود (۷۵۸ھ) سے کون واقف نہیں، آپ کے بارے میں طبقات الشافعیہ میں ہے:۔

مشيخة الخانقاه النجمية الدويدارية بظاهر القاهرة و سكنها وصارت الخانقاه المذكورة مهوى هوانا و مجمع مرادنا و منانا

(طبقات الشافعیہ ج۲ ص۷۳ العبدالرحیم الاسنوی)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خانقاہ کا لفظ بھی اسلامی حلقوں میں کوئی نیا لفظ نہیں ہے، ابتدائی دور سے ہی یہ صوفی حضرات کے اذکار و اعمال اور دعوت و ارشاد کا مرکز رہا ہے۔

خانقاہیں علیحدہ کیوں بنیں

بسا اوقات سالکین کی تربیت میں وہ انداز بھی اختیار کرنا پڑتا ہے جو احکامِ مسجد کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیہ کرام نے ان خانقاہوں کو قلبی تزکیہ کی تعلیم گاہیں قرار دیا۔ مساجد میں اذکار و اوراد اسی حد تک ہو سکتے ہیں کہ وہاں دوسرے نمازیوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے کوئی کام سبب تشویش نہ ہو، جبکہ خانقاہوں کا مقصد اس کے سوا اور کچھ

نہ تھا کہ یہاں تزکیۂ باطن کی تعلیم دی جائے اور مختلف انداز میں سالکین کی تربیت کی جائے اور ان کے اپنے اپنے حال کے مطابق ان کی اصلاح ہوتی رہے۔

اس ضرورت کے لیے ان اہل ذکر کے ہاں لفظ خانقاہ آگیا پھر وہ جگہیں جہاں خدا کا ذکر کثرت سے ہوتا ان کی برکات لوگوں نے محسوس کیں تو بہت سے اور لوگ بھی ان خانقاہوں کی طرف رجوع کرنے لگے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے خانقاہوں کو راہبوں کی خانقاہیں نہ بننے دیا، وہ تزکیۂ باطن کی محنت کو عوام و خواص میں لے آئے اور طریقت شریعت کے ساتھ ساتھ اسی راہ میں چلی۔ مسلمانوں میں طریقت رہبانیت کا نام نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نعت میں یہ شعر آپ نے بارہا سنا ہوگا۔

زمین کی تقسیم اچھی اور بری میں

وہ قارن عقل و فطرت کو کیا شیر و شکر جس نے
وہ زاہد زہد سے جس نے مٹایا داغ رسائی

صحیح مسلم میں بنی اسرائیل کے ایک قاتل کا واقعہ منقول ہے۔ قاتل نے جب توبہ کا ارادہ کیا تو راہب نے اس سے یہ کہا کہ:۔

انطلق الی ارض کذا و کذا فان بها اناسا یعبدون اللّٰه تعالیٰ فاعبد اللّٰه تعالیٰ معهم ولا ترجع الی ارضک فانها ارض سوء

ترجمہ: تم فلاں جگہ جاؤ وہاں ایسے لوگ بستے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عبادت گذار ہیں ان کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرو اور اپنے علاقے میں نہ جاؤ وہ گناہوں کی زمین ہو چکی ہے۔

امام نوویؒ اس پر لکھتے ہیں:۔

قال العلماء فی هذا استحباب مفارقة التائب المواضع التی اصاب بها الذنوب والاخدان المساعدین له علی ذلک و مقاطعتهم ما داموا علی حالهم وان یستبدل بهم صحبة اهل الخیر والصلاح والعلماء والمتعبدین الورعین و من یقتدی بهم و ینتفع بصحبتهم و یتاکد بذالک توبته

(نووی شرح صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۵۹)

ترجمہ: علماء نے کہا ہے تائب (توبہ کرنے والے) کے لیے مستحب ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ دے جہاں وہ گناہ کرتا رہا اور اپنے ان دوستوں کو بھی چھوڑ دے جن کے ساتھ مل کر وہ گناہ کرتا رہا اور ان سے قطع تعلق رکھے جب تک وہ اس گناہ کی زندگی پر رہیں اور ان کے بدلے وہ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرے، علماء کی، عبادت گذاروں کی اور پرہیزگاروں کی اور ان لوگوں کی جن کی امت میں اقتداء کی جاتی ہو اور ان کی صحبت سے لوگ فیض پاتے ہوں اور اس سے اس کی توبہ مضبوطی پائے۔

امام نووی نے ان اللہ والوں میں من یقتدی بھم کو بھی ذکر فرمایا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی میں امت میں ائمہ کی پیروی برابر جاری تھی اور جو لوگ خود علم و تحقیق نہیں رکھتے وہ بلا کھٹکا ائمہ کرام کی تقلید کرتے تھے اور اسی سطح پر وہ لوگ بھی موجود تھے جن کی صحبت سے لوگوں کو نفع پہنچے۔ امت میں فقہاء کی طرح ایسے پرہیزگاروں اور صاحب باطن لوگوں کی کمی کبھی نہیں رہی اور ہر دور میں جس طرح فقہاء اور علماء نے امت کی باگ دوڑ سنبھالی اسی طرح صوفیہ اور اہل دل بزرگوں نے لوگوں کو خدا کی یاد سے آشنا کیا اور انہیں اس میدان کا شناور بنایا اور ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول خاتم ﷺ کی محبت و عظمت اور دین کی تعظیم و توقیر کا جذبہ بیدار کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ابتدائی صدیوں میں لفظ صوفی کا عام استعمال

پاک و ہند میں اولیائے کرام نے علم احسان پر جس وسیع انداز میں محنت فرمائی ہے اس سے یہاں کے مسلمان ناواقف نہیں ہیں۔ ان میں سے بے شمار اکابر اپنے دور کے علم و معرفت کے چراغ رہے ہیں جن سے ایک دنیا نے روشنی پائی، یہ صوفیہ عظام تھے۔ صوفیہ کا لفظ اسلام میں کوئی نیا لفظ نہیں، اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بھی اس لفظ کا استعمال عام رہا اور اللہ والوں کو اسی نام سے یاد کیا جاتا رہا۔

مسلمانوں میں دوسری صدی ہجری میں لفظ صوفی آچکا تھا۔ پہلے صوفی ابو ہاشم الصوفی، امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) کے ہم عصر تھے۔ بیت المقدس میں امام لیث کے شاگرد عمران بن ہارون

کا تعارف صوفی کے طور پر تھا یعرف بالصوفی من اهل بیت المقدس. حافظ ابن حجر نے شیخ عبدالواحد بن زیاد (۱۷۰ھ) کو شیخ الصوفیہ لکھا ہے (لسان ج:۴، ص:۸۰) حافظ ابن کثیر محمد بن داؤد ابوبکر کو الصوفی (۳۶۰ھ) لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وسمع الحدیث من محمد بن جعفر الخوائطی (البدایہ ج:۱۱، ص:۲۷۱)۔ امام یحییٰ بن معین کے تلامذہ احمد بن الحسین کے دادا شیخ عبدالجبار الصوفی الکبیر (تہذیب ج:۱۱، ص:۲۸۲) سے کون ناواقف ہوگا۔

ابتدائی صدیوں میں جن بزرگوں نے تصوف میں بھی شہرت پائی ان میں حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ)، حضرت حبیب عجمی، امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ)، امام داود طائی (۱۶۲ھ)، حضرت ابراہیم بن ادہم (۱۶۲ھ)، حضرت فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ)، آپ کے فرزندار جمند حضرت علی (۱۸۳ھ)، شیخ شقیق بلخی (۱۷۴ھ)، شیخ یوسف بن اسباط (۱۹۵ھ)، شیخ معروف کرخی (۲۰۰ھ)، شیخ ذوالنون مصری (۲۴۵ھ)، شیخ بشر حافی (۲۲۷ھ)، شیخ ابوسلیمان دارانی (۲۱۵ھ)، شیخ بایزید بسطامی (۲۶۱ھ)، شیخ سری سقطی (۲۵۳ھ)، شیخ حارث محاسی (۲۴۳ھ)، شیخ جنید بغدادی (۲۹۸ھ)، شیخ حاتم بن اصم (۲۳۷ھ)، شیخ محمد بن عبداللہ ابوبکر الدقاق (۲۹۰ھ)، احمد بن عبدالمومن ابوجعفر الصوفی (۲۵۹ھ)، احمد بن عبدالجبار الصوفی (۳۰۶ھ)، محمد بن احمد الروذباری (۳۲۲ھ)، ابومحمد جعفر المرتعش (۳۲۸ھ)، شیخ الصوفیہ محمد بن داود (۳۴۲ھ)، محمد بن داود ابوبکر الصوفی (۳۶۰ھ) ابوعمرو الزاہد (۳۶۰ھ)، امام بیہقی (۴۵۸ھ) کے استاد منصور عبدالوہاب الصوفی اور کئی دوسرے مشائخ عظام بھی ہیں۔ یہ حضرات جس طرح علم شریعت میں مرجع علماء تھے طریقت میں بھی مرجع عوام وخواص تھے۔ یہ پہلی چار صدیوں میں اس لفظ کی عام استعمال کی چند شہادتیں ہم نے یہاں پیش کر دی ہیں۔

تصوف کا اعزاز فقہاء کے ہاں

تصوف کا یہی اعزاز فقہاء میں رہا ہے۔ جس طرح محدثین میں کئی شناوران بحر طریقت پائے گئے ائمہ فقہ میں بھی زہدوتقویٰ اور ذکر وریاضت کی کوئی کمی نہیں رہی۔ امام ابوالحسن کرخی (۳۴۰ھ) کے بارے مراۃ الجنان میں ہے:۔

کان اماما قانعا متعففا عابدا صواما کبیر القدر

ترجمہ: آپ نہایت قناعت پسند، پرہیزگار، عبادت گزار، بہت زیادہ

روزہ رکھنے والے، بڑے بزرگ تھے۔

شیخ الصوفیہ کے لیے اس سے زیادہ کیا الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ پھر علامہ عبداللطیف بن عبدالعزیز الشہیر بابن ملک صاحب مبارق الازہار شرح مشارق الانوار کو لیجئے، ان کے بارے میں صاحب الشقائق لکھتے ہیں:۔

رایت له رسالة لطيفة في علم التصوف تدل على ان له حظا عظيما من معارف الصوفية.

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بڑے بڑے فقہائے کرام عملاً وذکراً شیخ طریقت بھی ہوئے ہیں اوران میں کئی حضرات صوفی کے ناموں سے بھی معروف ہوئے۔ شیخ عبداللہ الالہی الصوفی (۸۹۶ھ) فقہاء میں کس درجے کے ہوئے ہیں یہ علماء سے مخفی نہیں۔ آپ سمرقند کے خواجہ عبیداللہ سمرقندی کی خدمت میں منازل سلوک طے کرتے رہے، پھر آپ بخارا آئے اور خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مزار پر معتکف رہے اوران سے بہت روحانی فائدہ پایا۔ یہ مزار کا طواف نہیں اس سے قریب اعتکاف ہے۔

واعتكف هناك عند قبر خواجه بهاء الدين نقشبند وتربى من روحه ثم ذهب باشارة شيخه الى بلادالروم

(فوائدالفوائدالبہیہ ص: ۱۴۵)

فقہاء کی اس قسم کی شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح محدثین ان اہل طریقت سے اجنبی نہ تھے فقہائے کرام بھی ان سے کسی فاصلے پر نہ تھے۔ فقہاء میں اچھے خاصے صوفیاء موجود تھے جن سے لوگ اپنی علمی، فقہی اور روحانی پیاس بجھاتے تھے۔ پھر مجاہدین کی صفوں میں بھی اچھے خاصے صوفیہ کرام موجود رہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں یہ خانقاہی سلسلہ کبھی بھی رہبانیت نہیں سمجھا گیا۔ ہم انشاء اللہ العزیز آگے محدثین فقہاء اور مجاہدین کے کچھ اہل تصوف حضرات کا الگ الگ عنوانوں سے ذکر کریں گے جس سے واضح ہوگا کہ تصوف کو اسلام کے کسی حلقے میں بھی عین اسلام سے مختلف کوئی چیز نہیں سمجھا گیا۔

صحابہ کے روحانی کمالات میں نبوت وولایت کی نسبتیں

صحابہ کی روحانی نسبتیں سلاسل اربعہ کی نسبتوں سے بہت اونچی تھیں۔ مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس پر بھی کچھ تبصرہ کر دیں تا کہ معلوم ہو کہ نبوت اور ولایت کا آپس میں ربط کیا ہے۔

نبی کو جو ذمہ داری خدا سے ملتی ہے وہ نبوت ہے اور نبی کو جو خدا سے محبت ہوتی ہے وہ اس کی ولایت ہے، سو نبی بھی اس پہلو سے ولی بلکہ سرتاج اولیاء ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی میں نبوت اور ولایت کے جملہ کمالات جمع تھے اور آپ کے صحابہ کو سلوک و عرفان کی راہوں سے حضور ﷺ سے جو کمالات ملے ان میں نبوت اور ولایت دونوں کی روحانی نسبتیں جمع تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے روحانی کمالات میں نبوت کی نسبت زیادہ کارفرما رہی، سو ان کے ان کمالات کا عکس بعض صحابہ نے قام مقام الانبیاء کے الفاظ اور لو کان بعدی نبی لکان عمر کے ارشاد نبوت سے لیا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ میں ولایت کی نسبت غالب رہی، حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ (اگر پایہ ثبوت کو پہنچے) میں آپ اسی نسبت کے وارث ٹھہرے، آپ سے اہل ولایت کے تین بڑے سلسلے قادری، چشتی اور سہروردی چلے اور اس شان سے چلے کہ راہ ولایت کے اقطاب و ابدال زیادہ انہی کے سلسلے میں ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ میں نبوت اور ولایت کی دونوں نسبتیں جمع تھیں اور ہوسکتا ہے کہ آپ کا لقب ذوالنورین اس پہلو سے بھی آپ کے جامع شریعت و طریقت ہونے کا پتہ دیتا ہو۔ صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن سے ایک روحانی نسبت رکھتے تھے، آپ قرآن کی نسبت سے آگے بڑھے، اور شیخ الحدیث حضرت ابوہریرہؓ حدیث کی نسبت میں ممتاز تھے وہ اس روحانی قوت سے آگے چلے۔ یہ دونوں بھاری چیزیں قرآن اور سنت حضور ﷺ کی نبوت کی نسبتیں ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت حذیفہؓ میں زیادہ تر حضور ﷺ کی نسبت ولایت کا غلبہ رہا۔

صحابہ کرامؓ مرتبۂ صحابیت کی سعادت پر فائز تھے، ولایت کے اور سارے درجات اور طبقات اس سے نیچے ہیں اور بعد کے اہل ولایت ان مقامات اور درجات پر ان سلاسل کے واسطے سے فائز ہوئے۔ اہل ولایت میں جو سلاسل اس وقت عام معروف ہیں ان سب کے اکابر عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور اصلاحِ نفس اور تصفیۂ باطن کی محنت میں آگے بڑھے اور ان اہل ولایت نے ہزاروں نہیں لاکھوں بندگانِ خدا کو معرفت الٰہیہ کی دولت سے مالا مال کیا۔

اہلِ ریاضت اور اہلِ خدمت

حاملین ریاضت ہیں ان کے علاوہ اہل خدمت کا ایک اپنا سلسلہ ہے۔ قرآن کریم میں صاحب علم لدنی عارف ربانی حضرت خضرؑ کی طویل داستان کسی سے مخفی نہیں۔ پھر انہی اہل خدمت میں اقطاب و اوتاد، ابدال، نقباء، نجباء بھی ہیں۔ محدثین نے ان کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے، ان کی بحث کہیں اِس کے آگے آئے گی۔

(واللّٰہ ھو الموفق ان شاء اللّٰہ)

علم احسان پر پہلی کتاب

علمِ احسان پر پہلی تالیف حضرت امام بصری (۱۱۰ھ) کی ہے اور اس کا نام ''کتاب الاخلاص'' ہے۔ یہ نام بتا رہا ہے کہ تصوف کی روح اخلاص تھی اور اسی پر ان روحانی سلسلوں کی ریاضت مرتب ہوئی ہے۔ شیخ ابونصر سراج طوسی (۳۷۸ھ) نے کتاب اللمع فی التصوف لکھی اور سینکڑوں خاصانِ خدا کے قیمتی ارشادات اور عارفانہ کلمات نقل کئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں علمِ احسان پر محنت کرنے والوں کی ہرگز کوئی کمی نہ تھی اور اس کے ماہرین ہر جگہ پائے جاتے تھے اور صرف عوام ہی نہیں خواص بھی انہیں اسی عارفانہ حیثیت سے پہچانتے تھے۔ مفسر شہیر حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں اور محدث العصر حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور لسان المیزان میں ابتدائی صدیوں کے کئی اکابر کے ساتھ لفظ صوفی، عابد، زاہد، صالح اور ناسک لکھا ہے اور ماہرین حدیث اور ناقدین فن رجال کے بیانات کی رو سے انہیں اہل اللہ اور صالحین بتایا ہے۔

صوفیہ کرام میں شریعت کی پابندی

نوٹ: ہم یہاں جن صوفیہ کرام کا ذکر کر رہے ہیں وہ واقعی اہل اللہ کے طبقہ میں سے تھے۔ یہ حضرات شریعت کی تعلیمات سے سرمو تجاوز نہیں کرتے تھے اور نہ انہوں نے اپنے متعلقین کو خلافِ شریعت امور کی کبھی تعلیم و تلقین کی۔ ان کی تحریرات اور ان کے افاضات بتاتے ہیں کہ طریقت اور شریعت کو جدا جدا سمجھنے والے اور اپنے کو شریعت کی تعلیمات سے مستثنیٰ قرار دینے والے ان دنوں الحاد اور زندقہ کی سرحد میں داخل شمار ہوتے تھے۔ آج جو لوگ اپنے آپ کو صوفی بتاتے ہیں اور خلافِ شریعت امور میں دن رات لگے رہتے ہیں ان کا ان

اکابرین سے کوئی رشتہ نہیں ہے، اس گمراہ گروہ کو اکابرین سے ہرگز صاحب نسبت نہ سمجھا
جائے۔ ہم اس وقت صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ابتدائی صدیوں میں ان حضرات نے علم
حدیث کے ساتھ ساتھ علم احسان پر بھی محنت کی ہے اور محدثین نے ہمیشہ انہیں عزت واحترام
سے دیکھا ہے۔ علم احسان پر محنت کرنے والوں نے کبھی اپنے آپ کو محدثین سے الگ نہیں
سمجھا اور نہ محدثین نے انہیں کبھی اپنا غیر گمان کیا۔

راہِ طریقت کے یہ وہ آثار اور نشانات ہیں جنہیں پائے بغیر کسی سالک کا اپنی منزل
پر پہنچنا بہت مشکل ہے۔ جو لوگ محدثین کی اتباع سلف اور اہل ولایت کا دامن چھوڑ کر اپنے
لئے نئی راہ بنانے اور اس پر لوگوں کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں وہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور کبھی دو
انتہائی عبرت ناک انجام سے بھی دو چار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ان پر ایک پکڑ آتی ہے۔ سلامتی کی راہ یہ ہے کہ اکابرین سلف کے نقوش ونشانات پر دین
میں آگے بڑھا جائے اور انہیں کے دامن سے وابستہ ہو کر شریعت کی پوری پابندی سے راہ
احسان پر چلا جائے۔ سلسلہ کوئی بھی ہو پہلوں سے مسلسل ہو اور یہ سب اھدنا الصراط مستقیم کے
تحت وہ لوگ سمجھے جاتے ہیں جن پر اللہ کا انعام اترا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم

آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان

شریعت اور طریقت میں نسبت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اسلام میں سلوک و احسان کے چشمے کسی تاریکی میں نہیں پھوٹے اور صوفیاء کرام کہیں جنگلوں اور بیابانوں سے نہیں ابھرے، کتاب وسنت ان چشمہ ہائے نور کو شروع سے ساتھ لے کر چلے ہیں اور ولایت کی یہ کھڑکی ہمیشہ سے کھلی چلی آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر عمل کو آخرت میں جزا پانے کے لیے حسنِ نیت سے وابستہ کیا ہے اور اسی حسن نیت سے انسان آخرت میں جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے جگہ جگہ انسانی دلوں کو اچھائی اور برائی کا منبع بتلایا ہے اور حضور ﷺ نے ہر دائرۂ عمل میں دلوں کی اصلاح پر خاصا زور دیا ہے۔ دل ہی ہیں جہاں حسنِ نیت تربیت پاتی ہے اور دل ہی ہے جہاں بدنیتی کا کڑوا پھل پکتا ہے۔

انبیاء کرام دنیا میں اس لیے آئے تھے کہ لوگوں کے دلوں پر محنت کریں، ان کے دلوں کے زنگ کو دور کریں اعمال سے زندگی کے ڈھانچے بنتے ہیں اور دلوں کی اصلاح سے ان کے اعمالِ باطن سنورتے ہیں۔ اس دنیا میں ہر عمل کا ایک ظہر ہے اور ایک بطن ہے، ظاہر کس طرح درست ہو؟ اس کا ذریعہ شریعت ہے اور باطن کس طرح سنورے اس کی راہ طریقت ہے۔ بلا اخلاصِ نیت کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور بدوں خاکہ شریعت کے زندگی کی کہیں تعمیر نہیں ہوتی۔

شریعت اور طریقت دونوں ایک دریا کے کنارے ہیں جن میں ایک ہی پانی چل رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ انسان اس عملی دنیا میں ان اعمال کی روح تلاش کریں۔ شریعت ایک

نقشۂ عمل ہے اور طریقت اس کی روح ہے، شریعت ایک پھول ہے تو طریقت اس کی خوشبو ہے، شریعت ایک علم ہے تو طریقت اس کا عمل، شریعت ایک حکم ہے تو طریقت اس کی تعمیل ہے۔ حاصل اینکہ طریقت میں شریعت سے کوئی اجنبیت نہیں ہے۔ مقدمہ میں ہم اسے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

جس طرح علم شریعت میں امام ابو حنیفہؒ سید الطائفہ سمجھے جاتے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ طریقت میں سید الطائفہ کہلاتے ہیں۔ آپ امام سفیان الثوریؒ (۲۶۱ھ) کے مقلد تھے، فرماتے ہیں کہ طریقت کی تمام راہوں میں یہ قید ملحوظ رہے کہ سالک کہیں جادہ شریعت سے باہر نہ نکلنے پائے۔ آپ نے فرمایا:۔

مذهبنا هذا مقيد بالكتاب والسنة فمن لم يقرأ القرآن ويكتب الحديث لايقتدى به فى مذهبنا وطريقنا

(البدایہ ج:۱۱، ص:۱۱۳)

ترجمہ: ہمارا یہ طریقہ کتاب وسنت کا پابند ہے سو جس نے قرآن نہ پڑھا ہو اور حدیث نہ پائی ہو، ہمارے طریق میں وہ لائق اقتداء نہیں ہے۔

شریعت اور طریقت میں کبھی فرق بھی ہوتا ہے

شریعت کا تعلق پوری قوم سے ہوتا ہے، وہ ایک دستور العمل ہے جس سے قومیں بنتی ہیں۔ طریقت ایک راہ ہے جس سے افراد بنتے ہیں۔ افراد کی تعلیم شریعت سے اور تربیت طریقت سے ہوتی ہے اور قوموں کی تعمیر شریعت سے ہی ہوتی ہے۔

شریعت کے علمی ماخذ قطعیات کتاب وسنت اور ان کے استخراجات ہیں اور طریقت کی راہیں کبھی عرفان سے کبھی کشف والہام سے بھی کھلتی ہیں۔ شریعت عالم سے سیکھی جاتی ہے اور ارادت مند کو طریقت میں مرشد چلاتا ہے۔ شریعت کے علمبردار پیغمبر اور صدیق فطرت لوگ ہوتے ہیں اور طریقت کے رہنما زیادہ تر صالحین اور شہید فطرت لوگ ہوئے ہیں۔ شریعت کسی حکم کو ثابت کرنے کے لیے اور حلال وحرام کے فاصلے بتلانے کے لیے ہے۔ اس کے لیے دلیل کتاب وسنت اور اجماع واجتہاد سے لانی پڑتی ہے، طریقت کی راہیں کبھی اپنی احساس اور تجربات سے بھی کھلنے لگتی ہیں۔ شریعت کے مسائل زندہ انسانوں سے حل

ہوتے ہیں لیکن رابطۂ طریقت کبھی ارواحِ مرحومین سے بھی قائم ہو جاتا ہے۔ سو یہاں ظاہر سند متصل ہونا ضروری نہیں۔ طریقت کی اصطلاح میں اسے کبھی اویسی نسبت بھی کہہ دیتے ہیں۔
ان چند فاصلوں کے سوا شریعت اور طریقت میں نہ کہیں اجنبیت ہے نہ ٹکراؤ، اور جس کو یہ دونوں دولتیں میسر ہوں اس قران السعدین پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

سو اسلام میں طریقت کوئی نئی چیز نہیں اس میں تاریخ کا پورا تسلسل موجود ہے۔ دلوں کے حالات اور ان کے مد و جزر پر آپ قرآن و حدیث کی شہادتیں دیکھ لیں اور حسی دوائر سے بالا ہو کر آپ روح کے نقشے بھی ملاحظہ کریں، اس کے ساتھ سلوک و احسان کو تاریخ کے آئینہ میں دیکھیں اس سے مقصدِ حیات شریعت کی بجائے طریقت میں زیادہ روشن نظر آئے گا۔

شریعت اور طریقت میں ایک اور فرق

یہ بات بے شک طے ہے کہ طریقت شریعت کے خلاف نہیں جاتی لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان میں بعض پہلوؤں میں کچھ فرق بھی ہے۔ شریعت میں جو سبق ملے وہ روایتاً ہو یا استنباطاً اس کا ماخذ معلوم ہونا چاہیے، روایت میں روایت کرنے والے کو جانو اور فقہی مسئلے میں مجتہد کو سمجھو جس کے استنباط پر آپ عمل پیرا ہو رہے ہیں اگر اس کا مجتہد ہونا عام تسلیم شدہ ہے تو آپ بے شک اس کی بات پر عمل کریں اور سمجھیں کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق بتا رہا ہو گا۔ اب اس سے دلیل طلب کرنے کی ضرورت نہیں، اعتماد کافی ہے۔ اور اگر آپ خود علمی بصیرت رکھتے ہیں اور براہِ راست کتاب و سنت سے مسئلہ لینے کی استعداد رکھتے ہیں تو روایت کے راوی کو جاننا ضروری ہو گا۔ حضرت امام محمد ابن سیرین (۱۱۰ھ) ایسے ہی اہل علم کو فرماتے ہیں:۔

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم

(صحیح مسلم ج:۱، ص:۱۱)

ترجمہ: علمِ حدیث دین ہے یہ دیکھو کہ تم کن سے اپنا دین لے رہے ہو۔

لیکن طریقت میں مسائل نہیں حقائق کھلتے ہیں۔ اہل طریقت مسائل میں فقہاء کا دامن تھامتے ہیں اور اس باب میں ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ شریعت قانون کا نام ہے اور قانون بنتا ہے یا بنایا جاتا ہے، طریقت چلنا ہے اس میں سالک کو چلایا جاتا ہے گو وہ چند قدم

ہی چلے، چلانے والے کے بارے میں صرف یہ جاننا کافی ہے کہ وہ خود کسی شیخ کامل کی تربیت میں اس راہ میں چلا ہوا ہے اور اس نے اسے آگے اس راہ میں چلانے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ اس سالک کے لیے اپنے شیخ کے پورے حالات کا جاننا ضروری نہیں بس اتنی بات کافی ہے کہ وہ شیخ کسی خلاف شریعت چیز کا داعی نہ ہو، صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو۔ اگر اسے طریقۂ اصلاح کا ہی پتہ نہ ہو تو وہ سالک کی کس طرح رہنمائی کر سکتا ہے؟

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضرؑ کی رہنمائی میں اسرار الٰہی میں چلے تو آپ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کوئی اتہ پتہ نہ پوچھا، نہ ولدیت پوچھی نہ سلسلہ کی تفتیش کی بس ساتھ چل دیے، آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نشاندہی پر پورا بھروسہ تھا لیکن جب ان سے ایسے امور دیکھے جو بظاہر شریعت کے خلاف تھے تو شریعت تڑپ اٹھی اور آپ نے باوجود وعدۂ صبر کے سوال کر ہی دیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب واقعات کھلے تو انہوں نے تسلیم کیا کہ اس نظام شریعت کے اوپر اللہ تعالیٰ کا نظام تکوین چل رہا ہے۔ تکوین میں واقعات بنتے اور کھلتے ہیں اور ان پر اطلاع پانے سے مومن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت پر اور بڑھتا ہے۔ شریعت والوں پر اگر یہ تکوینی اسرار اس طرح کھلے ہوں جس طرح یہ اہل طریقت پر کھلتے ہیں تو ان کے لیے تشریعی خدمت کا بجالانا مشکل ہو جائے۔

عارف باللہ حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں:۔

اہل تشریع کے علوم دوسرے ہیں۔ اہلِ تکوین کے لیے واقعات کا علم ضروری ہے، تشریع کے لیے ضروری صرف قانون الٰہی کی دفعات کا جاننا ہے بلکہ اہل تشریع کو اگر تکوینی واقعات کا علم ہو تو تشریعی خدمت کا انجام پانا مشکل ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگر وہ مغیبات معلوم ہوتے جو حضرت خضرؑ کو معلوم تھے تو تشریع پر وہ قوت کہ ناگواری وگرفت کو ضبط نہ فرما سکے کبھی قائم نہ رہتی اور اس کا نام تشریع میں مداہنت رکھا جاتا۔ حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے واقعات کا ماحاصل بھی یہی تھا کہ سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام سے واقعہ کا علم مخفی رہا اور حضرت سلیمانؑ نے گو تدبیر سے اس کا پتہ چلایا مگر ذاتی علم ان کو بھی نہ تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صاحب تشریع کے لیے عموماً عدم علم تکمیل ضروری ہے ان کے لیے علم غیب کمال نہیں بلکہ ان کا کمال عدم علم غیب میں ہے کہ قانون کی تنفیذ میں پختگی و یکسوئی اسی پر موقوف

ہے۔ قانون الٰہی الا له الخلق والامر اس کی رہبری کر رہا ہے کہ ہر دو محکمہ کے علوم جدا اور کبھی (بظاہر) متضاد بھی ہیں مگر تشریعی محکمہ افضل ہے کہ نظام عالم کا بقاء اسی پر ہے اور اجتہاد و فہم اور عقل کا امتحان بھی اسی میں ہے۔ (الابریز ج:۱، ص:۳۵۶ اردو)

اہلِ تکوین اپنے کاروبار میں تحت الامر ہوتے ہیں

یہ نہ سمجھا جائے کہ اہل تکوین کو کچھ خدا کی ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جس طرح ملائکہ حکم الٰہی سے ذرا بھر ادھر ادھر نہیں ہوتے اہل تکوین بھی اسی طرح تحت الامر ہیں، جس طرح مدبرات امر فرشتے بدوں اس کے اذن کے نہیں چلتے کن کہہ کر جہا ن بنانا صرف اللہ رب العزت کی شان ہے۔

اہل تکوین سے کوئی ایسے امور ظاہر ہوں جو مخلوق کے بس میں نہیں تو اسے بندے کا فعل نہ سمجھیں، بندہ ذات باری میں فنا ہوا اب اپنی ذات سے نہیں اس کے کہنے سے کہتا ہے گو دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ بول رہا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود .... گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیلؒ لکھتے ہیں:۔

جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اسے احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاء لطیفہ اس لوہے کے نفس جوہر میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کی شکل و رنگ کو اپنے جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں میں شمار ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ کی حقیقت سے بدل گیا کیونکہ یہ امر تو صراحتاً بے اصل ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہ ہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہا پن اپنے آثار و احکام کے سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مرتب ہوتے ہیں وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مرتب ہو سکتے ہیں۔ یوں ہی نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مرتب ہوتے ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کا احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی

سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کئے جا سکتے ہیں۔ آیت کریمہ وما فعلته عن امری (پ: ۱۵، الکھف) ترجمہ: اور یہ میں نے اپنے امر سے نہیں کیا'' اس کیفیت کا بیان ہے اور آیت کریمہ فاراد ربک اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (صراط مستقیم ص: ۳۰)۔

حضرت خضرؑ کے الفاظ فاراد ربک...الآیۃ (ترجمہ: ارادہ الٰہی تھا کہ دونوں بھائی پہنچیں اپنی جوانی کو اور نکال لیں اپنا دفن شدہ مال) میں اسی ارادہ الٰہیہ کا ذکر ہے جس کے تحت اہل تکوین کوئی بات کرتے یا کہتے ہیں، وہ اپنے جملہ کاروبار میں خود صاحب اختیار نہیں تحت امر الٰہی ہوتے ہیں سو جو کام خدا کے امر سے کرنا ضروری تھا حضرت خضرؑ اس پر کیسے مزدوری لیتے۔

ہم نے یہاں قرآن کریم کی روشنی میں اہلِ ولایت کی کچھ نشاندہی کر دی ہے یہ اہل ولایت اہل طریقت میں بھی ہوئے اور ارباب خدمت میں بھی۔ ہم آگے چل کر انشاء اللہ اہل ولایت کے مختلف طبقات کا بھی ذکر کریں گے، یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ طریقت کے ماٰخذ...شریعت کے ماٰخذ سے کوئی الگ نہیں ہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم مقامِ احسان کی پہلے کتاب وسنت سے کچھ نشاندہی کر دیں اور پھر اس سلسلۂ طریقت کو تاریخ کی روشنی میں جانا جائے کہ یہی وہ راہِ عمل ہے جس سے انسان صحیح معنوں میں کتاب وسنت کی ہدایات پر چلتا ہے اور جو اس کے بغیر کتاب وسنت کا نام لیتا ہے اس پر کتاب وسنت کا مغز نہیں کھلتا۔ بدوں تصوف کتاب وسنت کے اسرار کسی پر نہیں کھلتے اور تقویٰ کے بغیر دین میں کبھی کسی کی دینی کشتی کنارے نہیں لگی۔

شهادة القرآن على حقيقة الاحسان

مقام احسان قرآن کی روشنی میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

اسلام کی تعلیمات ایمان، اسلام اور احسان کے تین دائروں میں منقسم ہیں۔ ایمان لانے والے کے ظاہری اعمال کو اسلام کہا جاتا ہے اور اس کے باطنی پس منظر پر علم احسان کی نبض چلتی ہے۔

اسلام میں سب کاموں کا مدار نیت پر ہے وقوع عمل نیت پر موقوف نہیں بعض کاموں کا صدور کئی دفعہ بغیر ارادے کے بھی ہو جاتا ہے۔ عبادت میں نیت ایک خدا کے حضور حاضری کی ہو تو یہ عبادت میں مقام احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ مقامِ مشاہدہ کسی کسی کو حاصل ہوتا ہے لیکن یہ دھیان تو سب کا ہونا چاہئے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے، اس کے بغیر بھی اگر کوئی کہے کہ وہ عبادت کر رہا ہے تو وہ جھوٹ بول رہا ہے گو وہ ارادتاً ایسا نہ کر رہا ہو، ایک رسم ادا کر رہا ہو۔

تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے اور نیت کا تعلق دل سے ہے تو جب تک دلی حالت درست نہ ہو عبادت صحیح طریقے سے ادا نہیں ہو پاتی۔ دلی حالات کے درست کرنے کی قرآن کریم میں کھلے طور پر تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں اپنی عبادت کا حکم دیا تو اس میں اخلاص کی شرط لگائی گئی اور اخلاص (دل کی صفائی) بغیر اس کے کہ دلوں پر محنت کی جائے حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

(ا) وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء و یقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ وذلک دین القیمۃ (پ: ۳۰، البینۃ: ۵)

ترجمہ: اور ان کو حکم یہی دیا گیا تھا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے
اس کے واسطے، بندگی ابراہیم کی راہ پر اور قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ
اور یہ راہ ہے مضبوط لوگوں کی۔

اس آیت میں نماز اور زکوٰۃ سے پہلے اخلاصِ نیت کا حکم دیا گیا ہے، دل کی اصلاح کے بغیر نماز کس طرح قبول ہوسکتی ہے، یہ آپ ہی سوچیں۔ قرآن کریم کی باب الاحسان میں یہ پہلی تعلیم ہے، اس میں شریعت اور طریقت دونوں جمع ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

(۲) ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن و اتبع ملة ابراهيم حنيفا (پ:۵، النساء:۱۲۵)

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنی پیشانی رکھی اللہ
کے حکم پر اور وہ مقام احسان میں ہے اور وہ چلا ملتِ ابراہیم پر جو ایک
ہی نیت کا تھا۔

یہاں محسن کا لفظ ہے، یہ احسان سے اسم فاعل ہے۔ احسان دل کی اس منزل کا نام ہے کہ بندہ عبادت کرتے وقت اپنے آپ کو اللہ کے حضور حاضر سمجھے۔ قرآن کریم کی باب الاحسان پر یہ دوسری شہادت ہے۔ شریعت پیاسہ عبادت بتلائے گی اور احسان طریقت پر لائے گا۔

(۳) ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون

(پ:۱۴ النحل:۱۲۸)

ترجمہ: اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور مقام
احسان میں آئے ہوئے ہیں۔

(۴) ومن يسلم وجهه الى الله وهو محسن فقد استمسك بالعروة الوثقى (پ:۲۱، لقمان:۲۲)

ترجمہ: اور جو کوئی اپنا منہ اللہ کے آگے جھکا دے اور وہ احسان میں ہو تو
اس نے بیشک محکم کڑا پکڑ لیا۔

(۵) بلىٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه

(پ:۱، البقرہ:۱۱۲)

ترجمہ: کیوں نہیں! جس نے اپنا منہ اللہ کے تابع کیا اور وہ نیکی کی راہ پر (مقام احسان پر) ہے سو اس کے لیے ہوگی مزدوری اس کی۔

(۶) ان المتقین فی جنٰت وعیون اٰخذین ما اٰتاھم ربھم انھم کانوا قبل ذالک محسنین (پ:۲۶، الذاریات:۱۶)

ترجمہ: بے شک متقی لوگ باغوں میں ہیں اور چشموں پر، پانے والے ان چیزوں کو جو انہیں ان کے رب نے دیں اور اس سے پہلے وہ نیکی کرنے والوں میں سے تھے (مقام احسان میں پہنچے ہوئے تھے)۔

(۷) لھم ما یشاؤون عند ربھم ذلک جزاء المحسنین (پ:۲۳، الزمر:۳۴)

ترجمہ: ان کے لیے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے ہاں، یہ بدل ہے مقام احسان پانے والوں کا۔

(۸) وھٰذا کتاب مصدق لسانا عربیا لینذر الذین ظلموا وبشریٰ للمحسنین (پ:۲۶، الاحقاف:۱۲)

ترجمہ: اور یہ ایک کتاب ہے تصدیق کرنے والی عربی زبان میں کہ ڈر سناوے گناہ گاروں کو اور خوشخبری دے مقام احسان پانے والوں کو۔

(۹) والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللّٰہ لمع المحسنین (پ:۲۱، العنکبوت:۶۹)

ترجمہ: اور جنہوں نے محنت کی ہماری راہ میں ہم ان کے لیے اپنی راہیں کھول دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان پانے والوں کے ساتھ ہے۔

(۱۰) اذا ما اتقوا واٰمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا و اٰمنوا ثم اتقوا واحسنوا واللّٰہ یحب المحسنین (پ:۷، المائدہ:۹۳)

ترجمہ: جب وہ ڈر میں آئے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کئے پھر ڈرے اور یقین کیا پھر ڈرے اور مقامِ احسان میں آئے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی یہ دس آیات آپ کے سامنے ہیں جن میں مقام احسان پانے والے خوش قسمتوں کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں مقام احسان پانے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ پھر اسے کہیں اخلاص سے تعبیر کیا گیا ہے، کہیں لفظ خشوع سے کہیں انابت الی اللہ سے اور کہیں لفظ اخبات سے، الفاظ گو الگ الگ ہیں لیکن حاصل سب کا ایک ہے۔

عبارتنا شتیٰ و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کے ظاہری ڈھانچوں اور اعمال کے محسوس خاکوں میں اصل روح یہ ہے کہ دل پاکیزہ ہوں اور نیتیں صاف ہوں، صرف اللہ کی رضاء پیش نظر ہو۔ دلوں میں یہ کیفیات پیدا کرنے کے لیے دلوں پر محنتیں کی جاتی ہیں ذکر کی محنت، بار بار طیب کلمہ کو دہرانے کی محنت، خلوت میں بیٹھنے کی محنت، نیک مجلسوں میں وقت گذارنے کی محنت..... یہ وہ راہیں ہیں جن سے گذر کر مومن مقام احسان میں آتا ہے۔ عمل کوئی بھی اختیار کیا جائے عبادت کی روح اور اعمال کی صفائی بدوں اصلاح قلب حاصل نہیں ہوتی اور اس طریق علاج کے جو طبیب ہیں انہیں طالبان آخرت مشائخ طریقت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تمام انبیاء کرام مقام احسان پائے ہوئے تھے

انسانوں میں سب سے اونچا مقام انبیاء کرام کا ہے۔ اسی طرح ان کا مقام احسان ہے، یہ عبادت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ سب انبیاء عظام اس مقام پر فائز تھے۔ قرآن کریم اس کا شاہد ہے۔

سلام علی نوح فی العالمین انا کذالک نجزی المحسنین
(پ:۲۳، الصافات:۸۰)

سلام علی ابراھیم کذالک نجزی المحسنین (الصافات:۱۱۰)

سلام علی موسیٰ و ھارون انا کذالک نجزی المحسنین .
(الصافات:۱۲۱)

ومن ذریته داود وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون و کذالک نجزی المحسنین (پ:۷، الانعام:۸۴)

سلام علی الیاسین انا کذلک نجزی المحسنین

(پ:۲۳،الصافات:۱۳۱)

صحابہ سے کوئی بھی کمزوری صادر ہوئی تو بھی وہ مقام احسان پر نکلے

واعف عنهم واصفح ان اللّٰه یحب المحسنین (پ:٦،المائدہ:۱۳)

ترجمہ: سو معاف کر اور درگزر کر ان سے۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔

جنہوں نے ایک حکم کی خلاف ورزی کی اور درہ چھوڑ دیا ان کے بارے میں کہا:

ولقد عفا اللّٰه عنهم...... اور پھر آنحضرت ﷺ سے بھی کہا واعف عنهم واستغفرلهم و شاورهم فی الامر (پ۴،آل عمران:۱۵۹)

امہات المومنین بھی اپنے مقام عبادت میں مقام احسان پر تھیں۔قرآن کریم میں ہے:۔

وان کنتن تردن اللّٰه ورسوله والدار الآخرة فان اللّٰه أعد للمحسنات منکن اجرا عظیما (پ:۲۱،الاحزاب:۲۹)

ترجمہ: اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول ﷺ کو اور آخرت کے گھر کو تو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے تم میں مقام احسان پانے والیوں کے لیے بڑا اجر۔

احسان کی تعبیر لفظ اخلاص سے بھی کی گئی

مجدد مأة دہم امام کبیر ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے مرقات میں احسان کے معنی اخلاص کے لکھے ہیں:۔

قیل اراد به الاخلاص فانه شرط فی صحیح الایمان والاسلام معا لان من تلفظ بالکلمة وجاء بالعمل من غیر نیة الاخلاص لم یکن ایمانه صحیحا

(مرقات: شرح مشکوٰۃ ج:۱،ص:۵۹)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ آپ کی مراد اس سے اخلاص کی تھی بے شک یہ ایمان اور اسلام دونوں کی صحت کے لیے شرط ہے کیونکہ جو کلمۂ اسلام

زبان سے بولے اور عمل اخلاصِ نیت کے بغیر کرے اس کا ایمان درست نہ ہوگا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان اور اعمال لائق قبولیت تبھی ہوتے ہیں کہ دل ساتھ ہو۔ دل کا ایمان وعمل کے ساتھ کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ پر تزکیۂ قلب کی محنت کی اور یہ محنت تعلیم کتاب وسنت کے علاوہ آپ کی ایک مستقل ذمہ داری بھی تھی۔ قرآن کریم میں ہے۔

لقد منّ اللّٰه علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایاته ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (پ:۴، آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ: اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں سے، پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور تزکیہ کرتا ہے ان کا (یعنی شرک وغیرہ سے) اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور وہ پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

وہ مقبولانِ الٰہی جو اخلاص کی دولت پائے ہوئے تھے

(۱) واذکر عبادنا ابراھیم واسحٰق ویعقوب أولی الایدی والابصار انا اخلصنٰھم بخالصة ذکرالدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار واذکر اسمعیل والیسع وذا الکفل وکل من الاخیار (پ:۲۳، ص:۴۵...۴۸)

ترجمہ: اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کرو یہ ہاتھوں والے تھے اور آنکھوں والے، ہم نے انہیں خالص رکھا ایک چنی بات سے اور وہ ہے گھر کی یاد (اصلی وطن کی یاد اور فکر) اور سب ہمارے ہاں ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے۔

یہ مقام بصارت کا پانا اور فکر آخرت میں ہمہ تن رہنا انہی کا نصیب ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہو۔

(۲) قل انی امرت ان اعبد اللّٰه مخلصاً له الدین (پ:۲۳، الزمر:۱۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیں مجھ کو حکم ہے کہ میں اللہ کی بندگی پورے اخلاص سے کروں۔

(۳) و اقیموا وجوھکم عند کل مسجد و ادعوہ مخلصین له الدین (پ:۸،الاعراف:۲۹)

ترجمہ: اور سیدھے کرو اپنے رخ ہر نماز کے وقت اور پکارو اسے نرے اس کے ہو کر۔

(۴) ھو الحی لا الٰہ الا ھو فادعوہ مخلصین له الدین (پ:۲۴،المومن:۶۵)

ترجمہ: وہی ہے زندہ رہنے والا اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو نرے اسی کے ہو کر اس کو پکارو۔

شیطان کے تصرف سے صرف وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو احسان و اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔ شیطان نے جب یہ کہا کہ میں تیرے بندوں کو ہر طرف سے گھیر ڈالوں گا تو اسے بھی ماننا پڑا تھا کہ دلوں پر محنت کرنے والے اس کے گھیرے میں نہ آسکیں گے۔

(۵) فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین (پ:۲۳،ص:۸۳)

ترجمہ: سو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر جو بندے ہیں تیرے ان میں چنے ہوئے (یعنی وہ اس کے قابو میں نہ آسکیں گے)

حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ اخلاص اور احسان دین حنیف کی اصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے:۔

وتصحیح الاخلاص والاحسان الذین ھما اصلا الدین الحنیفی الذی ارتضاہ اللّٰہ لعبادہ قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین له الدین....، انھم کانو ا قبل ذلک محسنین.... (تفہیمات الٰہیہ ج:۱،ص:۱۲)

ترجمہ: خالص اسی کا ہو رہنا اور احسان یہ دو چیزیں دین حنیف کی اصل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے چنی ہیں.... اس سے پہلے وہ مقام احسان میں آچکے ہیں۔

عبادات میں تو ویسے ہی خشوع وخضوع کا حکم ہے، یہاں نماز، روزہ، زکوٰۃ کے علاوہ اخلاص واحسان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں محسنین کے آخر شب استغفار کرنے اور رات کو کم سونے کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ مجاہدہ مخلصین کو مقام مشاہدہ میں لے آتا ہے اور یہ احسان کا پہلا اور نچلا درجہ ہے۔ ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ. نمازیوں میں بھی فلاح انہی کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ کے حضور جھکا ہوا دل لے کر حاضر ہوں۔

قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلاتہم خاشعون

(پ: ۱۸، المومنون)

ترجمہ: کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں ڈرے اسی کے ہو کر رہ گئے۔

قرآن مجید کی ان آیات کی روشنی میں یہ سمجھ لیں کہ اعمالِ اسلام کی یہ ظاہری صورتیں کافی نہیں اور ان اعمال میں اخلاص اور احساس پیدا کرنے کے لیے دلوں پر محنت کرنے اور انہیں جگانے کی سخت ضرورت ہے۔ یہ قرآن کریم کا دیا نقشۂ اعمال ہے۔ ایمان و اسلام کی کوئی بات اخلاصِ نیت اور حقیقتِ احسان کے بغیر اللہ کے ہاں لائق قبول نہیں ہے۔

دلوں کی احسانی کیفیت کے مختلف پیرائے

قرآن کریم میں تزکیۂ قلب کا ذکر کئی پیرایوں میں ہوا ہے، کبھی اسے آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت میں ذکر کیا گیا، کہیں نفسِ انسانی کی فلاح اس سے وابستہ کی گئی، کہیں اسے اُخروی نجات کے طور پر بیان کیا گیا اور کہیں اسے دعاؤں کے ضمن میں لایا گیا جو صورت بھی ہو اس میں شک نہیں کہ دلوں کی یہ احسانی کیفیت قرآن کریم میں مختلف پیراؤں میں ذکر کی گئی ہے۔ شریعت کے اعمال کا ظاہری ڈھانچہ اپنی جگہ لیکن اس ظاہر کے ساتھ ساتھ ایک باطن بھی چلتا ہے اور اس میں اخلاص پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ونفس وما سواہا فالہمہا فجورہا وتقواہا قد افلح من زکاہا

وقد خاب من دسها (پ: ۳۰ الشمس)

ترجمہ: اور قسم جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا پھر اس کے دل میں ڈالا اس کی ڈھٹائی کو اور اس کے بچ کر چلنے کو، بے شک مراد کو پہنچا جس نے اس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

اعتدال ...مزاج کا، اور حواس ظاہری و باطنی اور قوائے طبعیہ، حیوانیہ ونفسانیہ سب اس کو دیئے اور نیکی اور بدی کے رستوں پر چلنے کی اس میں استعداد رکھی۔ اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعے سے بھلائی، برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبانی خوب کھول کر بتادیا کہ یہ رستہ بدی کا اور یہ پرہیزگاری کا ہے اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے، گو القاء اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان، پھر وہ رجحان و میلان کبھی بندہ قصد و اختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب (کسب کرنے والا) بندہ ہے۔ نفس کا پاک کرنا (تزکیۂ نفس) یہ ہے کہ قوت شھویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابع دار بنائے تا کہ روح اور قلب دونوں تجلیٔ الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں۔

(فوائد القرآن ص ۷۹۳)

روح اور قلب کس طرح یہ روشنی پا سکتے ہیں؟ یہ ایک دوسرا موضوع ہے، اسے ہم انشاء اللہ العزیز کہیں آگے چل کر بیان کریں گے یہاں صرف بتلانا ہے کہ دیکھئے قرآنِ کریم تزکیۂ قلب پر کتنا زور دیتا ہے اور اسے ہی اخروی فلاح کا زینہ ٹھہراتا ہے۔

تزکیہ کی نسبت اپنی طرف بھی کی گئی ہے

قد أفلح من زکّٰها وقد خاب من دسها (پ: ۳۰، الشمس)

ترجمہ: تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوار لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا۔

ومن تزکیٰ فانما یتزکیٰ لنفسہ والی اللّٰہ المصیر

(پ:۲۲، فاطر:۱۸)

ترجمہ: اور جو کوئی سنورے گا تو یہی ہے کہ سنورے گا اپنے فائدہ کو اور اللہ کی طرف ہے سب کو پھر جانا۔

قد افلح من تزکیٰ وذکر اسم ربہ فصلی (پ:۳۰، الاعلیٰ:۷)

ترجمہ: بیشک بھلا ہوا اس کا جو سنورا اور لیا اس نے نام اپنے رب کا پھر پڑھی نماز۔

وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکیٰ (پ:۳۰، اللیل:۹)

ترجمہ: اور بچا دیں گے اس سے بڑے ڈرنے والے کو جو دیتا ہے اپنا مال پاک ہونے کو۔

تزکیہ کی نسبت کبھی مربی کی طرف کی گئی

اوپر کی آیات میں تزکیہ کی نسبت اپنی طرف کی گئی ہے کہ ہر جی اپنے آپ کو پاک کرے، ریاضت وعبادت کر کے یا مال خرچ کر کے لیکن کئی دوسرے مقامات پر مربی (جو تربیت کر رہا ہو) کی ذمہ داری بتلایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے پیغمبر عرب کے بارے میں کہا: ویزکیھم (پ:۱، البقرۃ:۱۲۹) اور وہ جب مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم (پ:۴، آل عمران:۱۶۴)

اور پھر یہ بھی فرمایا:۔

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلو علیکم ایاتنا ویزکیکم (پ:۲، البقرہ:۱۵۱)

اس سے پتہ چلا ہے کہ تزکیۂ قلب کی محنت دونوں طرف سے ہوتی ہے، تزکیہ پانے والا بھی اس میں محنت کرتا ہے اور تزکیہ دینے والا بھی اس پر محنت کرتا ہے۔ مربی (تربیت کرنے والا) اور مربیٰ (جس کی تربیت ہو رہی ہے) میں جب تک ہم آہنگی نہ ہو دل منور نہیں ہو پاتے اور پھر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا تو ہر پہلو سے ہر ایک کو احتیاج ہے، مرید کو بھی

اور مرشد کو بھی۔

و لولا فضل اللّٰہ علیکم و رحمتہ ما زکی منکم من أحد أبدا
(پ:۱۸، النور:۲۱)

ترجمہ: اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنورتا تم میں سے ایک شخص بھی کبھی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض نادان لوگ راہِ تصوف کی روک میں قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ تزکیہ کی محنت میں نہ پڑو ان کی یہ بات درست نہیں۔ جہاں یہ حکم ہے کہ اپنا تزکیہ نہ کرو اس کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں میں اپنی پاک دامنی کے ڈھنڈورے نہ پیٹو یہ نہیں کہ اپنے دلوں کا تزکیہ بھی نہ چاہو قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے اس کے جملہ پیرایوں پر نظر کرنی چاہیے۔

الم ترالی الذین یزکون انفسھم بل اللّٰہ یزکی من یشاء ولا یظلمون فتیلا (پ:۵، النساء:۴۹)

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں (یعنی وہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مقام احسان پا چکے) بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا تاگے کے برابر۔

اور یہ بھی فرمایا:

فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ (پ:۲۷، النجم:۳۲)

ترجمہ: سومت بیان کرو اپنی خوبیاں (یہ نہ کہو کہ میرا تزکیہ ہو چکا) وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بچ کر چلا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقویٰ کی صفت اس تزکیہ پر مرتب ہوتی ہے اور آخرت کی جزا بھی اسی تزکیہ پر آتی ہے۔

قرآن کریم میں طریقت کا بیان

احکام سے شریعت بنتی ہے اور اخلاق سے طریقت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ قرآن

کریم میں احکام اور تہذیب اخلاق دونوں کے سبق بہترین پیرائے میں دیئے گئے ہیں۔ دین میں شریعت اور طریقت دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ شریعت کے ثمرات اور طریقت کے مقامات ہیں اور عبادت بے حیائی سے روکتے ہوئے شریعت اور طریقت کو ایک کر دیتی ہے۔ نماز شریعت ہے اور اس کا بے حیائی سے روکنا اس کا ثمرہ ہے اور یہ تہذیب اخلاق ہے اور طریقت کی ایک راہ ہے جو اسے شریعت سے ملی۔ قرآن کریم میں اعمال کی آیتیں بھی ہیں اور اخلاق کی بھی سو یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ طریقت قرآن سے کوئی جدا راہ ہے۔

قرآن کریم میں مذکور احکام شریعت اور احکام طریقت

احکام شریعت

(۱) و اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ و ارکعوا مع الراکعین

(پ:۱، البقرہ ۴۳)

(۲) لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ (پ:۴، آل عمران: ۱۳۰)

(۳) کتب علیکم الصیام (پ۲، البقرہ)

(۴) وللہ علی الناس حج البیت (پ:۴، ال عمران)

(۵) لاتنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن (پ:۲، البقرہ)

احکام طریقت

(۱) یایھا الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا (پ:۴، آل عمران: ۲۰۰)

(۲) فاذکرونی اذکر کم واشکروا لی ولاتکفرون

(پ:۲، البقرہ: ۱۵۲)

(۳) ولایغتب بعضکم بعضا (پ:۲۶، الحجرات)

(۴) یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم

(پ:۱۸، النور)

(۵) استغفروا ربکم ثم توبو الیہ (پ:۱۲، ھود: ۳)

شریعت کے احکام کے کچھ ثمرات ہیں اور احکام طریقت کے بھی کچھ اثرات ہیں انہی ثمرات و اثرات سے تصوف تربیت پاتا ہے۔ شریعت کو قانون عمل اور طریقت

کوتہذیب اخلاق بھی کہہ سکتے ہیں، سو طریقت نہ شریعت کا غیر ہے نہ اس کے متوازی یہ کوئی دوسری راہ ہے۔ احکام شریعت کے ثمرات کا ہی دوسرا نام تصوف سمجھ لیجیے۔ قرآن کریم کی مذکورہ دس آیات پیش نظر رکھیے۔ یہ دس احکام شریعت کے ہوں یا طریقت کے صیغہ امر کے پیرائے میں ہیں۔ قرآن کریم میں تہذیب اخلاق کے سبق کئی دوسرے پیرایوں میں تہذیب اخلاق کے یہ سب سبق بھی احوال طریقت ہیں مثلاً:

(۱) والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللّٰہ یحب المحسنین (پ:۴، آل عمران:۱۳۴)

(۲) یحبونھم کحب اللّٰہ والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ (پ:۲، البقرہ: ۱۶۵)

(۳) واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یراؤون الناس (پ: ۵، النساء:۱۴۲)

(۴) واخبتوا الی ربھم اولئک اصحب الجنہ (پ:۱۲، ھود)

(۵) والذین لا یشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما (پ:۱۹، الفرقان)

ان آیات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دین کا دریا بڑی فراوانی سے بہہ رہا ہے اور شریعت اور طریقت اس کے دو کنارے ہیں، فلاح وہی پائے گا جس نے تصدیق رسالت کے ساتھ تزکیۂ نفس پر بھی محنت کی اور اس کے لیے تمام احکام شرح صدر سے قبول کیے۔

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا (پ:۳۰، الشمس)

کیا اب بھی کوئی انصاف پسند کہہ سکتا ہے کہ قرآن تصوف کی تعلیم نہیں دیتا اور یہ کہ شریعت صرف ظواہر اعمال کا ایک ڈھانچہ ہے جس کے پیچھے حقائق کے سمندر نہیں بہہ رہے۔ قرآن کریم دنیا کا تعارف یہ دیتا ہے کہ یہاں کے جملہ اموال اور رشتے قیامت کے دن سلامتی قلب کے بغیر کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

یوما لاینفع مال ولا بنون الا من اتی اللّٰہ بقلب سلیم (پ:۱۹، الشعراء:۸۹)

ترجمہ: جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر (بے روگ دل لے کر)۔

سید نا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اسی قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وان من شیعته لابراهیم اذ جاء ربه بقلب سلیم

(پ:۲۳، صافات)

ترجمہ: اور اسی کی راہ والوں میں سے ہے ابراہیم بھی جو آیا اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر۔

یہ قلب سلیم کہاں بنے گا؟ اسی دارالعمل میں اور دارالعمل میں کوئی توبہ نہ کر پائے گا جب تک تصوف اس کے دل کی رگوں میں پیوست نہیں ہو جاتا۔ وہ دل جو اس طرح سلامتی والا بنا اس کی قدر اس دن معلوم ہو گی جو اس دل والا (یعنی صاحب طریقت) اللہ کے حضور حاضری دے گا۔

آخرت میں تزکیہ کے ایمان افروز جلوے

وہ خوش قسمت لوگ جو اس دنیا میں ایمان لائے اور عمل صالح کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو پاک کرنے (یعنی مقام احسان پانے) کی جدو جہد میں لگے ہوئے ہیں اور پورے اخلاص کے ساتھ اس دولت کو حاصل کرنے کا جذبہ لے کر آگے بڑھتے ہیں، آخرت میں انہیں کس اکرام سے نوازا جائے گا یہ بھی دیکھیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فاولٰئک لهم الدرجت العلی جنٰت تجری من تحتها الانهار خالدین فیها و ذالک جزاء من تزکیٰ (پ:۱۶، طہ:۷۶)

ترجمہ: سو ان لوگوں کے لیے ہیں بلند درجے کے باغ ہیں بسنے کے۔ بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہا کریں گے ان میں اور یہ بدلہ ہے اس کا جو پاک ہوا (یعنی جو مقام احسان پر آ گیا)۔

اس کے برعکس وہ بدنصیب لوگ جو آیات کو چھپاتے اور خدا کے پاک کلام کو معمولی قیمت پر بیچ دیتے ہیں ان پر خدا کی مار اس طرح پڑے گی کہ آخرت میں بھی یہ پاک نہ ہو سکیں گے۔

ولا یکلمهم الله یوم القیمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم

(پ:۱، البقرہ:۱۲۹)

ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیمۃ ولا یزکیھم

(پ:۳،آل عمران:۷۷)

خلدین فیھا وذلک جزاء من تزکی (پ:۱۶،طہ:۷۶)

ترجمہ: ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ بدلہ ہے اس کا جس نے تزکیہ کرلیا۔

نفس انسانی جو خواہشات کے تابع نہ رہا

یہ تزکیہ کا ایمان افروز جلوہ کب ملا؟ جب نفس انسانی خواہشات کے تابع نہ رہا، یہ بھی تزکیہ کی ہی شان ہے کہ نفس خواہشات کے پیچھے نہ چلے تو اس پر زنگ نہیں لگتا۔ نفس کو خواہشات پر عمل سے روکنا انسان کا اپنا مجاہدہ ہے، اس میں کامیابی ہو تو وہ مقام مشاہدہ پاتا ہے، یہ اللہ کی عطا سے ہوا۔ احسان کا اول درجہ ان تعبد اللہ کانک تراہ تو خدا کو دیکھنے کے درجے میں آتا ہے۔ قرآن کریم میں نفس کو خواہشات سے روکے رکھنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ خواہشات کی پیروی وہی دل کرتا ہے جو اللہ سے غافل رہے۔ خواہش کا دل میں پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے، شریعت اس پر مواخذہ نہیں کرتی ہاں ان خواہشات کو پورا کرنے کے درپے ہونا یہ بے شک گناہ ہے۔ نفس کو اس درجہ قابو میں لانا کہ وہ خواہشات پر عمل کرنے سے رکا رہے، یہ وہ راہ طریقت ہے جس کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور اس سے دل پر پہلے زنگ بھی دھلنے لگتے ہیں، اب گویا اس کا نفس ایسا ہو گیا کہ اس میں خواہش آنے ہی نہ پائے۔

واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی (پ:۳۰،النازعات:۴۰)

ترجمہ: اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اس نے اپنے جی کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانہ۔

نفس انسانی جو خواہشات کا تابع رہا

(۱) ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ و کان امرہ فرطا (پ ۱۵ الکھف ۲۸).

ترجمہ: اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خواہش کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔

(۲) اولٰئک الذین طبع اللّٰہ علی قلوبھم واتبعوا اھواء ھم
(پ:۲۶،محمد:۱۶)

ترجمہ: یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اللہ نے اور چلے ہیں اپنی خواہشوں پر۔

(۳) فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھواء ھم
(پ:۲۰،القصص:۵۰)

ترجمہ: پھر اگر نہ کرلائیں کہا تیرا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں صرف اپنی خواہشوں پر۔

(۴) ولاتتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل (پ:۶،المائدہ:۷۷)

ترجمہ: اور مت چلو ان کے خیالات پر جو گمراہ ہو چکے ہیں پہلے اور گمراہ کر گئے بہت سوں کو اور بہک گئے سیدھے راستے سے۔

نفس سے ہی گناہ کا پودا پھٹتا ہے

خواہشات نفس سے ہی پھوٹتی ہیں اور وہیں سے گناہ کا بیج پھوٹتا ہے۔قرآن کریم نے تمام روحانی بیماریوں کا محل دل کو ٹھہرایا ہے۔قرآن کریم متعدد مقامات پر احسان کا پتہ دیتا ہے۔ان روحانی بیماریوں کے دور کرنے کی تلقین کرتا ہے۔پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہی دل ان روحانی مرضوں کے علاج کے بعد شفاف بنتے ہیں، ان میں معرفت الٰہیہ کا نور اترتا ہے اور اس پر بھی قرآن کریم کی متعدد شہادتیں موجود ہیں جن میں سے دو ہم اوپر پیش کر آئے ہیں کہ جو نفس خواہشات کے تابع نہ رہا اس نے تزکیہ کا مقام پالیا اور جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔احادیث مبارکہ بھی اسی پیرایہ میں دل کو تمام روحانی امراض کا منبع بتاتی ہیں اور پھر اسی طرح نیک دلوں پر سکون و اطمینان اترنے کی خبر دیتی ہیں۔احادیث میں بھی انسان کو تزکیۂ قلب کی محنت پر متوجہ کیا گیا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم نے جو مضامین اس باب میں قرآن کریم سے پیش کئے ہیں ان کی تائید میں احادیث سے بھی کچھ شہادتیں پیش کردیں۔

وھو المستعان وعلیہ التکلان.

شهادة الرواية علی احادیث الولایة

مقام احسان احادیث کی روشنی میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

مسلمانوں پر آسمانی ہدایت جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں تین عنوانوں سے اتری: (۱)ایمان... (۲)اسلام... (۳)احسان۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور ﷺ کی خدمت میں سائل بن کر حاضر ہوئے اور اسی ترتیب سے حضور اکرم ﷺ سے سوال کئے۔ آپ ﷺ نے تینوں سوالوں کے علیحدہ علیحدہ جواب دیئے، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آپ ﷺ نے اسلام کے ضمن میں ذکر فرمائے اس کے بعد احسان کا سوال ہوا اور آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۲)

ترجمہ: احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے سو تو اگر اپنی خودی کھو دے تو اسے دیکھ پائے گا کیونکہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ خدا سے ملانے کا ایک بڑا عمل سلوک واحسان کی راہ ہے، یہ ہو تو نماز روزہ کی عبادت لائق قبول ہے ورنہ یہ صرف اعمال کے ڈھانچے ہیں جن میں جان سلوک واحسان سے آتی ہے۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا یہ ان راہوں میں سے ہے جن سے دلوں کے زنگ اترتے ہیں۔

(۱)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لکل شیء صقالة وصقالة القلوب ذکر اللہ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: ہر چیز کی ایک صفائی اور چمک ہے اور دلوں کی چمک اللہ کا ذکر ہے۔

آنحضرت ﷺ نے تصفیۂ قلب کی ایک راہ بتادی اور وہ اللہ کا ذکر بتلایا اس کی بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

(۲)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

فمن یرد اللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام

(پ:۸، الاعراف: ۱۲۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت دینے کا ارادہ کرے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ان النور اذادخل الصدر انفسخ.

ترجمہ: بے شک جب نور قلب میں داخل ہوتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس کشادگی کی کوئی علامت بھی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا:۔

التجافی من دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزولہ (مشکوٰۃ ص: ۴۴۸)

ترجمہ: اس دھوکے کے گھر سے (دل کی) علیحدگی آخرت کی طرف زیادہ توجہ اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری۔

عزیز طلبہ! آج جمعہ کے دن یا عید کے دن بھری مساجد پر ایک نظر کریں اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا ان لوگوں میں یہ مذکورہ علامات نظر آرہی ہیں؟ اس کا جواب آپکو نفی میں ملے گا۔ ایسا کیوں؟ یہ اس لئے کہ یہ نمازیں اُس معیار کی نمازیں نہیں ہیں جنہیں قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللّٰہ اکبر واللّٰہ یعلم ما تصنعون (پ:۲۱، العنکبوت: ۴۵)

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی سے روکتی ہے اور بری بات سے اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

اس سے معلوم ہوا وہی نماز بے حیائی سے روکتی ہے جس میں واقعی خدا کی یاد ہو اور نماز کے اعمال میں بھی سب سے بڑی چیز خدا کا ذکر ہے۔ ذکر نماز کے اندر بھی ہوتا ہے اور نماز کے باہر بھی، گن گن کر بھی ہوتا ہے اور بے گنے بھی اور اعمال کے ظاہری ڈھانچے ایک صنعت ہیں ایک عبادت نہیں اسی لئے آخر میں فرمایا واللہ یعلم ماتصنعون اور اللہ جانتا ہے تمہاری اس صنعت کو۔

(۳)۔ نماز کا صرف ظاہری ڈھانچہ کافی نہیں اور نماز میں روح تزکیۂ قلب کے بغیر نہیں آتی ان حالات میں مومن کے لیے تصفیۂ باطن کی محنت لازم ہو جاتی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا:۔

خمس الصلوات افترضھن اللہ عزوجل من احسن وضوءھن وصلاھن لوقتھن واتم رکوعھن وخشوعھن کان له علی اللہ عھد ان یغفرله ومن لم یفعل فلیس له علی اللہ عھد ان شاء غفرله وان شاء علبه (سنن ابی داود ج:۱ص:۹۱)

ترجمہ: اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو ان کا وضوء پوری توجہ سے کرے اور انہیں ان کے وقت پر پڑھے ان کے رکوع پورے کرے ان کا خشوع بھی پورا ہو تو گویا اسے خدا کا عہد مل گیا کہ اسے بخش دے گا اور جو ایسا نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی ذمہ نہیں دیا کہ اسے بخشے گا یا سزا دے گا۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نماز وہ ہی لائق قبول ہے جس میں خشوع پایا جائے اور حقیقت میں یہی نماز ہے جو بے حیائی سے روکتی ہے۔ یہ خشوع بدوں تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن پیدا نہیں ہو سکتا۔ آج ہماری نمازیں جو اپنا اثر نہیں دکھاتیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ بیشتر خشوع سے خالی ہوتی ہیں صرف ظاہراً انہیں ادا کر لیا جاتا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ لوگ خشوع نہیں چاہتے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ وہ خشوع حاصل کرنے کے لیے دلوں پر سلوک و احسان کی محنت نہیں کرتے اور خشوع کی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جو نماز میں رفع یدین

عند الرکوع کے عادی ہوں اور اس کے بغیر نماز ہی صحیح نہ سمجھیں انہیں عاجزی اور خشوع کی دولت نہیں ملتی۔ عاجزی کی یہ شان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لے گئے جو کبر سے پاک ہونے میں دربارِ رسالت سے سند لے چکے تھے۔ اور ترک رفع الیدین کی روایات میں پہلے انہی کا نام آتا ہے۔

(۴)۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے سے دور نہ سمجھو! آپ اسے دیکھ رہے یا وہ آپ کو دیکھ رہا ہے دونوں صورتوں میں اس کا قرب بے کیف ہے، نہ اس کو قرب ذاتی کہہ سکتے ہیں نہ قرب مکانی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے (وہ مدینہ کی واپسی کا سفر تھا) کہ ہم نے زوردار آواز میں اللہ اکبر کہا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون اصم ولاغائبا انکم تدعون سمیعا بصیرا وھو معکم والذی تدعونه اقرب الی احدکم من عنق راحلته (صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۴۶)

ترجمہ: اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے تم ایک سمیع و بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سواری سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف آسمانوں پر نہ سمجھو اسے ہر جگہ سمیع و بصیر یقین کرو۔ حضور ﷺ نے صرف یہ نہیں کہا کہ وہ اصم (بہرہ) نہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ غائب نہیں، غائب کا مقابل لفظ حاضر ہے سو خدا تعالیٰ کو ہر جگہ حاضر ماننے میں بدعت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کا آسمانوں پر ہونا ایک حقیقت ہے جس کی تفصیل ہم نہیں کر سکتے۔ ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض (پ:۲۹، الملک:۱۶) میں یہ بات آچکی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آسمان قبلہ دعا ہے اور حضور ﷺ اس کی طرف نظر اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے قد نری تقلب وجھک فی السماء (پ:۲، البقرہ:۱۴۴) تاہم کسی جگہ کے بارے میں یہ کہنا کہ خدا وہاں موجود نہیں ہے درست نہیں ہے، نہ اسلاف میں سے کبھی کسی نے یہ کہا کہ خدا یہاں موجود نہیں ہے، یہ بدعت صرف اِس دور میں دیکھی گئی ہے۔

جس طرح کعبہ قبلہ نماز ہے یہ نہیں کہ خدا صرف اس طرف موجود ہے، اسی طرح آسمان قبلۂ دعا ہیں یہ نہیں کہ وہ صرف آسمانوں میں ہے، یہاں نہیں... کسی جگہ کے بارے میں

یہ سمجھنا کہ خدا یہاں نہیں ہے، نا سمجھی ہے اور ایسا کہنا درست نہیں ہے۔قرآن کریم میں بے شک ''استواء علی العرش'' کی خبر دی گئی ہے مگر ہمیں اس کی تشریح اور کیفیت بیان کرنے سے روک دیا گیا ہے یہ اہل بدعت ہیں جو اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔عرش مخلوق ہے اور اللہ بے شک اس وقت بھی تھے جب اس نے عرش کو پیدا نہیں کیا تھا، اس وقت وہ کہاں تھا؟ اللہ کی ذات مکانی نہیں کہ اسے کسی جگہ بتلایا جائے۔ذات وصفات میں محدثین کا مسلک صحیح ہے کہ کسی کیفیت میں نہ جاؤ اس میں سوال کرنا بھی بدعت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا اگر تم ایک رسی سب سے نیچے کی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ پر جا اترے اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا وہاں بھی موجود ہے۔سو خدا کو کسی جہت، طرف اور مکان میں قید نہیں سمجھا جا سکتا نہ کسی جگہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہاں نہیں ہے۔سلف کا مسلک یہی ہے کہ صفات الٰہیہ میں تعیین نہیں کرتے نہ اس کی کسی صفت کی تاویل کرتے ہیں۔

والذی نفس محمد بیدہ لو انکم ولیتم بحبل الی الارض السفلی لهبط علی اللّٰہ ثم قرء هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بکل شیئ علیم (جامع ترمذی ج:۲،ص:۱۶۲)

اس حدیث کو بلا تاویل رہنے دیں۔سلف کا مسلک صفات الٰہیہ میں تاویل کرنے کا نہیں۔اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، اس میں صریح طور پر اس کی ذات سے جہت کی نفی ہوتی ہے۔(جامع الاصول ج:۴،ص:۲۲) وہ جہات ستہ سے بالا ذات ہے اور وہ اس وقت بھی تھا جب اس نے عرش کو پیدا نہ کیا تھا۔جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسی وقت سے ہے جب اس نے عرش پیدا کیا ان کی یہ بات غلط ہے۔یاد رکھئے وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اس کی کوئی انتہا نہیں۔

آئیے مقام احسان کے اخلاص ہونے کی بھی چند مثالیں لیجیے:

(۵)۔عن ابی ہریرۃؓ قال آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ پورے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسمان کے دوازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ (روحانی منازل میں) عرش تک جا پہنچے بشرطیکہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

اس حدیث میں کلمہ کے ساتھ اخلاص کی قید موجود ہے معلوم ہوا کہ کلمہ پڑھنا بھی سلوک واحسان کا ایک عمل ہے یہ اخلاص سے ہونا چاہئے اس کے بغیر کلمہ پر بھی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ کلمات طیبہ کی عرش تک پرواز منتہی ہے اسی طرح روح کی بھی منازل ہیں اور اس کی بھی بلندیوں میں ایک پرواز ہے جسے خوش نصیب پا لیتے ہیں۔

(۶) عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ ان المؤمن اذا اذنب كانت نكتة سوداء فی قلبه فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتی یعلو قلبه ذالک الرین الذی ذکر الله عزوجل فی القرآن کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون (جامع ترمذی ج:۲،ص:۱۶۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتﷺ نے فرمایا مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ کرلے اور استغفار کرے تو اس کا دل مانجھ لیا گیا اور اگر وہ گناہ کرتا جائے تو اس نقطے کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتی کہ اس کے سارے دل پر چھا جاتی ہے سو یہ وہی زنگ ہے جو قرآن پاک میں اس طرح مذکور ہے **کلا بل ران علی قلوبهم ما یکسبون.** خبردار ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ آگیا ہے اور وہ ان کا اپنا کمایا ہی ایک عمل تھا جس کا نتیجہ یہ ہے۔

یہ نکتے کیا اس گوشت کے لوتھڑے کی ظاہری علامات ہیں اور کیا یہ ایک حسی سیاہی ہے جو اس پر آتی ہے؟ نہیں، ایسا نہیں...اس عالم ظاہر کے ساتھ روح کے باطنی سلسلے بھی چلتے ہیں اور ان کا چمکانا اور سنوارنا انہی ذکر واذکار اور مجاہدات واعمال سے میسر آتا ہے جو اس راہ کے مسافر شروع سے بتاتے چلے آرہے ہیں۔

(۷)۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں کہ:

ادعوا الله وانتم موقنون بالاجابة واعلموا ان الله لایستجیب دعاء من قلب غافل لاه (جامع ترمذی ج:۲:ص:۱۸۶)

ترجمہ: خدا کو اس طرح پکارو کہ تمہیں اپنی پکار کے سنے جانے کا پورا

یقین ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے فکر دل کی دعا کبھی قبول نہیں فرماتے۔

دل کو اس غفلت سے کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟ وعظ سننے یا کتابوں کا مطالعہ کرنے سے؟ نہیں! اس کے لیے ذکر و اذکار کی منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے، اللہ والوں کی توجہات اور دعائیں لینی ہوتی ہیں پھر خدا جن پر مہربان ہو جائے یہ اس کا فضل اور اس کی نگاہِ کرم ہے:۔

(۸)۔ عن عبداللہ بن عمروؓ قال کان رسول اللہ ﷺ یقول اللّٰهم انی اعوذبک من قلب لایخشع ومن دعاء لایسمع ومن نفس لاتشبع ومن علم لاینفع اعوذبک من هولاء الاربعة (ایضاً ص:۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس طرح دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ میں اس دل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جس میں خشوع عاجزی نہ ہو اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے اور اس جی سے جو نہ بھرے اس علم سے جو نفع نہ دے۔ اے اللہ میں ان چار چیزوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں مجھے ان چاروں سے بچا۔

(۹)۔ حدیث میں اسلام کا لفظ نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کے یکجا عمل پر بھی بولا گیا ہے اور یہ کہیں کہیں احسان کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، اس صورت میں اس کے معنی اللہ کے حضور میں مکمل سپرداری کے ہوں گے یہ مقام احسان کی پہلی منزل ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے، جو بایں اعتقاد عبادت کرتا ہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ عبادت میں جو شخص اپنے آپ کو اللہ کی سپرداری میں دیتا ہے وہ کسی لمحہ بھی اس تصور سے نہیں نکلتا گو وہ اس وقت سو رہا ہے مگر اس کا سونا بھی عبادت ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا تلقین فرمائی:۔

اللّٰهم انی اسلمت وجهی الیک وفوضت امری الیک وألجات ظهری الیک رغبة و رهبة الیک لاملجاء ولامنجی منک الا الیک امنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت فان مت مت علی الفطرة (صحیح بخاری

ج:۲،ص:۹۳۴)

ترجمہ: اے اللہ میں نے اپنا رخ تیری طرف کردیا ہے اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے میں نے اپنی پشت رغبت و رہبت سے تیری طرف جھکادی تیرے سوا کوئی مقامِ التجاء نہیں اور تیری پکڑ سے تیرے سوا اور کوئی راہ نجات نہیں میں ایمان لایا اس کتاب پر جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جو تو نے بھیجا (آپ نے فرمایا) تو اگر فوت ہوا تو تو نے فطرت پر موت پائی۔

اس حدیث میں اسلام اور ایمان دونوں جمع ہیں اور مزید برآں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مکمل سپرداری ہے۔ جب تک بندہ اس مقام پر نہ آئے اسے اگلا مقام کہ بندہ خدا کو دیکھ رہا ہے شاید نہ مل سکے۔ اس حدیث میں لفظ رغبت وارد ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بندہ کی رغبت کسی اگلی منزل پر ہے اس مقام کے آگے مقام احسان اپنے اول معنی میں ملے گا۔ (وبہ تتم الصالحات)

شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا سید انور حسین نفیس شاہ صاحب اپنے روزانہ اجتماعی ختم میں یہ کلماتِ طیبات پڑھتے ہیں۔

لا ملجأ ولا منجی من اللّٰہ لا الیہ.

اور اس کی ہر روز کی پابندی اسے مسئلہ سمجھ کر نہیں کی جاتی، اپنے حلقۂ ارادت میں بطور علاج ایک اصلاح کی صورت اختیار کی جاتی ہے۔

بندہ اس حدیث لاملجأ ولا منجی من اللّٰہ الا الیہ. کے جملہ تقاضوں پر عمل پیرا ہو تو سمجھ لیجیے کہ وہ مقام احسان پا گیا۔ ولیس ذلک علی اللّٰہ ببعید.

حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصر الذی یبصرہ بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا.....الحدیث (صحیح بخاری ج:۲ص:۹۶۳)

ترجمہ: میرا بندہ نوافل سے میرا قرب برابر تلاش کرتا رہتا ہے یہاں

تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ قرب الٰہی کی کئی منزلیں ہیں اور راہِ سلوک کے مسافران میں منزل بہ منزل چلتے ہیں اور پھر ان پر ایسا وقت آجاتا ہے کہ ان کے اعمال بالکل اللہ کی رضاء کے تابع ہوتے ہیں اور ان کا سننا، دیکھنا، پکڑنا، چلنا انہی راہوں میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون میں ان کے لیے ٹھہرائے ہوں۔ اب ان کے لیے محال ہے کہ کوئی کام ان سے خلاف شریعت صادر ہو وہ معصوم تو نہیں لیکن محفوظ ضرور ہو جاتے ہیں۔

اس مقام تک پہنچنے کے لیے طالبین اور سالکین کو کچھ حالات، کلمات، کیفیات اور ذکر واذکار اور کاملین کی ہدایت اور توجہات سے گذرنا پڑتا ہے۔

یہ احادیث کی ایک مختصر شہادت ہے جس سے راہِ سلوک کے مسافر کے لیے تزکیۂ قلب اور مقاماتِ ولایت کی منزل کا پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے یہ دس ارشادات کسی ایک مجلس کے ارشادات نہیں، یہ احادیث کے مختلف ابواب کے مختلف مضامین ہیں جو عبادت کے مختلف پیراؤں اور دل کے مختلف احساسات کا پتہ دینے کے لیے طلبہ کے سامنے لائے گئے ہیں۔ ان کے گہرے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دین کی تمام مہمات کا حاصل اسی مقام کا حصول ہے، بندے کی عبادت کا یہی نقطۂ عروج ہے۔ ایمان واسلام کی تمام ذمہ داریوں سے انسان تبھی عہدہ برا ہوتا ہے کہ دل کے احساسات ہر لحہ ہر قدم اور ہر منزل بندوں کے اعمال کے ساتھ ساتھ رہیں۔ عبادت اس طرح کریں گویا وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں ایسا نہ ہو تو یہ بات تو ضرور ہے کہ وہ جانیں کہ میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ مسیح الامت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

قرآن میں یہاں اذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی ہے تو اس کے ساتھ ہی یراؤون الناس بھی موجود ہے اگر ایک مقام پر تارک نماز و تارک زکوٰۃ کی مذمت کی ہے تو دوسرے مقام پر تکبر و عجب کی برائی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح حدیث کی کتابوں میں ابوابِ نماز و روزہ، بیع وشراء، نکاح و طلاق پاؤ گے، ابوابِ ریاء و کبر وغیرہ بھی

دیکھو گے۔ اس بات سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں اسی طرح اعمال باطنیہ بھی حکم الٰہی ہیں۔ کیا اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ امر کا صیغہ ہے اور اصبروا اور واشکروا امر کا صیغہ نہیں۔ (شریعت وتصوف ص:۱۹)

مقام احسان قلب جاری ہونے اور وجد طاری ہونے کا نام نہیں

محدث شہیر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کشمیر سے آرہا تھا راستہ میں ایک صاحب مل گئے جو پنجاب کے ایک مشہور پیر کے مرید تھے، ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔

اتفاق سے وہ مقام میرے راستہ میں پڑتا تھا اس لیے میں نے بھی ارادہ کرلیا۔ ہم پیر صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑے اکرام کے ساتھ پیش آئے، کچھ باتیں ہوئیں پھر وہ مریدین کی طرف متوجہ ہوگئے اور ان پر توجہ ڈالنی شروع کی جس سے وہ بے ہوش ہو ہوکر لوٹنے اور تڑپنے لگے، میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا پھر میں نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہوسکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں، انہوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کرکے بیٹھ گیا، بے چارے نے بہت زور لگایا مگر مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا، کچھ دیر کے بعد انہوں نے خود ہی کہا کہ آپ پر اثر نہیں پڑسکتا۔

حضرت مولانا محمد نعمانی صاحب دامت برکاتہم بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے یہ واقعہ سنا کر غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا کہ کچھ نہیں، لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک کرشمہ ہے، ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں، اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہوسکتی ہے، قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے۔

(دارالعلوم دیوبند نمبر ص:۳۷۴)

جن پیروں کے ہاں سنت کا اہتمام نہیں اور اُنہیں بدعات سے کوئی نفرت نہیں وہ اپنے بعض عملیات کے ذریعہ مریدوں میں کچھ ایسے کرشمے ظاہر کرتے ہیں اور جاہل مرید اسے ان کی کرامات سمجھتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یاد رکھئے جو جلوہ نور سنت کا ہے وہ بڑے سے بڑے کرشمے میں بھی نہیں، شیطان نے ایسے پیروں کے گرد جمع کرنے کے لیے انہیں یہ

عمل سکھا رکھے ہیں۔ ہندو جوگیوں نے صدیوں انہی کرشموں اور بھارتوں میں خلقِ خدا کو گھیرے رکھا۔ کرنی والے جوگی انہیں کو کہا جاتا رہا ہے۔ مسلمان پیروں کے اس طرح کرشمے دیکھ کر ذرا اپنے تابناک ماضی کو آواز دیں اور پوچھیں کہ کیا یہ طور وطریق صحابہ کرام کے دور میں موجود تھے؟ صحابہ نے اسلام کی نشر و اشاعت میں کبھی ان کرشموں سے کام لیا؟ کیا اتباع سنت کا نوران بزگوں پر دیکھنے والوں نے بارہا نہ دیکھا؟ کیا ان کی کرامات حدیث کی کتابوں میں کھلے طور پر موجود نہیں؟ پھر ان سب سے رخ موڑ کر اللہ کے بندوں کو ہندوؤں کے انہیں قدیمی تصورات پر واپس لانا اور اپنے شعبدے دکھانا یہ علماء حق اہل السنہ والجماعۃ کا ہرگز ہرگز طریق نہیں رہا ہے۔

بعض پیشہ وروں نے قلب جاری کرنے کی ایسی مشق کی ہوئی ہے کہ جب وہ دوسروں کے گلے ملتے ہیں تو دل کی پھڑ پھڑاہٹ اس کے سینے سے لگا دیتے ہیں اور ان کا دھیان کبھی بھولے سے بھی اس طرف نہیں آتا کہ کیا صحابہ کرام اور سلف صالحین اہل طریقت نے کبھی عوام کو اس قسم کی شعبدہ بازی دکھائی تھی؟ ہمارے بزرگوں نے طریقت کا جو نور پایا وہ سنت کی شدید درجے میں پابندی سے صحابہ کرامؓ کی پیروی اور بدعتوں کی نفرت سے پایا ہے۔

خلافِ سنت پیروں کو معلوم کرنے کی آسان راہ

جس بزگ کے ظاہر سے آپ کچھ متاثر ہوں تھوڑی سی محنت کر کے اس کے کچھ معاملات بھی معلوم کریں، اگر اس کا لوگوں سے لین دین درست نہیں اور مالی امور میں وہ اپنے قرض وفرض یا نذرانوں میں اچھی شہرت نہیں رکھتا تو یقین کیجیے وہ آپ کو کتاب وسنت کے تجویز کردہ مقام احسان پر کبھی نہ لے جاسکے گا۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ وہ مریدوں کا مال خرچ کرانے میں اللہ کے خوف، سنت کے نور، سلف کی پیروی اور مسلمانوں کے مال کے تحفظ میں کہاں تک دین کے تقاضے پورے کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں سے بچنے کے لیے تصوف کے سلاسل اربعہ کے بزرگوں پر ایک طالب کی نظر رہے تو ان شاء اللہ وہ اپنے مطلوب کو پالے گا۔

قرآن وحدیث نے جس مقام احسان کی خبر دی ہے اس پر صحابہ کیسے پہنچے؟ یہاں سے مقام احسان کی تاریخ شروع ہوتی ہے، یہ ان سلوک وعرفان کی سیر ہے۔ اب ہم اس باب کو شروع کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو گلستانِ احسان میں لاتے ہیں۔ وما توفیقی الا

باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب.

نوٹ: افسوس ہے کہ سلفی عالم ناصرالدین البانی نے اس حدیث کی صحت سے جسے ہم نے صحیح بخاری کے حوالہ سے پیش کیا ہے انکار کردیا ہے۔ موصوف شرح عقیدہ طحاویہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ یہ شخص ہم پر مواخذہ کرتا ہے کہ ہم نے صحیح بخاری کی حدیث کو ضعیف کیوں کہہ دیا ہے لکھتا ہے:۔

اخذ عليّ ايضاً قولي في حديث (من عادى لي ولياً ...) رواه البخاري وفي سنده ضعف لكن لهٗ طرق لعله يتقوىٰ بها ولم يتيسر لي حتى الآن تتبعها وتحقيق الكلام عليها

(مقدمہ البانی ص:۲۴)

ہوسکتا ہے کہ شیخ البانی کو اس حدیث قدسی پر وحدۃ الوجود کا گمان گزر رہا ہو حقیقت یہ نہیں۔

سلوک واحسان تاریخ کے آئینہ میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد!

قرآن وحدیث میں جس طرح کتاب وسنت کی تعلیم پیغمبروں کی ذمہ داری میں دی گئی اسی طرح تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کا کام بھی ان کے سپرد کیا گیا۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد بابِ نبوت ورسالت مسدود تھا، کسی نبی کی بعثت نہ تھی، سو آئندہ کی علمی دینی رہنمائی فقہائے کرام کے ذمہ آئی۔ فقہ وحدیث کے قیمتی ذخیرے کتاب وسنت کے تاریخی نقوش بنے۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد تزکیۂ باطن کی محنت اس امت کے اہلِ سلوک واحسان کے ذمہ آئی وہ اس امت میں اس دوسری ذمہ داری کے سرانجام دینے والے بنے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات دلوں کی روحانی بیماریوں کے اسباب بیان کرتی ہیں اور پھر صحت پانے والے قلوب کا بھی پتہ دیتی ہیں۔ احادیث میں بھی اسی تصفیہ وتزکیہ کے نقوش دلوں کے گرد ملتے دکھائی دیتے ہیں سو اس بات میں کسی شک وشبہ کو راہ نہیں ملتی کہ کتاب و سنت میں جس ضرورت کی خبر دی گئی شاید اس نے امت میں کوئی عملی صورت اختیار نہ کی ہو، ایسا ہرگز نہیں... سلوک واحسان کی راہیں اس امت میں تسلسل سے چلی آرہی ہیں اور وہی اس سوال کا عملی جواب ہیں۔

ہم سب لوگ اہل ہند ہوں یا اہل پاکستان، اہل بنگلہ دیش ہوں یا اہل برما سب کی سند حدیث میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تک پہنچتی ہے، سو نا مناسب نہ ہوگا کہ ہم برصغیر کے اہلِ علم کے سامنے سلوک واحسان کے بھی حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ہی پوری امت میں متواتر چلے آنے کی شہادت پیش کریں۔

سب کے سب صحابہ تزکیہ کی دولت پائے ہوئے تھے

آنحضرت ﷺ کے علم کی بارش سب صحابہ پر برابر برسی لیکن علم ہر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنے ظرف کے مطابق دیا۔ حضور ﷺ تو صرف بانٹنے والے تھے دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جس نے سونے کی کانیں جہاں چاہا رکھیں اور علم کے پہاڑ جہاں چاہا ٹھہرائے۔

سو حضور ﷺ کے علم کا فیض تو مختلف پیمانوں میں ان کے اپنے اپنے ظرف کے مطابق رہا اور مختلف ادواروں میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے لیکن آپ ﷺ کی صحبت کا فیض سب صحابہ کو برابر پہنچا اور آپ ﷺ کے پاس آنے والے جملہ مومنین صحابیت کی دولت پا گئے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ اس نسبت میں بھی وہ اپنے اپنے مرتبہ پر تھے تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری تاریخ کے پہلے دور میں علم کی نسبت صحبت کا فیضان زیادہ عام رہا ہے۔ صحابہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے حضور ﷺ سے تزکیہ کی دولت نہ پائی ہو۔ محدثین نے تسلیم کیا ہے **الصحابۃ کلھم عدول** اور وہ محدثین جو ہر روایت میں راویوں کے اتصال پر زور دیتے ہیں، صحابہ کی مرسلات کو بلا اس واسطہ کو معلوم کئے معتبر مانتے ہیں جس سے کسی صحابی یا صحابیہ نے اس پر اطلاع پائی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اپنے دور میں کس طرح منبع فیض تھے۔

حکیم الامت حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے تزکیۂ قلب پانے کی یہ نسبت امت میں متوارث چلی آرہی ہے:۔

> **وھٰذا المعنی ھو المتوارث عن رسول اللہ ﷺ من طریق مشائخنا لا شک فی ذالک وان اختلف الالوان و اختلفت طریق تحصیلھا** (القول الجمیل ص:...)
>
> ترجمہ: یہ بات آنخضرت ﷺ سے ہمارے مشائخ کے طریق سے متوارث چلی آرہی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اگرچہ ان طریقوں کے رنگ اور ان کے حصول کے آداب آپس میں مختلف رہے۔

مجدد مأۃ چہاردہم، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

> نسبتِ باطنی رسول ﷺ سے متوارث چلی آتی ہے۔ علم کا مصداق حقیقی علم فی القلب ہے (دیکھئے التکشف فی مہمات التصوف ص:۳۳۶)

صحابہ میں اہل کرامت لوگ

گو ولایت کے لیے کرامت شرط نہیں لیکن کرامت ولایت کے لیے ایک دلالت ضرور ہے۔ ولایت کے آثار کبھی کرامات کی صورت میں ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی تزکیۂ قلب کی محنت سے بہت سے لوگوں کو ولایت ملی پھر ان سے خرق عادت امور بھی ظاہر ہوئے اور ایک دنیا نے ان کی کرامات کو دیکھا۔

صحابہ کی اس قسم کی کرامات مجموعی طور پر تواتر تک پہنچتی ہیں۔ خرقِ عادت زمانہ سب میں مشترک رہی ہے اس کے تواتر قدر مشترک کا انکار نہیں ہوسکتا۔

سب صحابہ بلند مقام اولیاء کرام تھے، کسی صحابی کی ولایت میں شک نہیں ہوسکتا، سب اہلِ کرامات تھے، خصوصاً خلفائے راشدین کی کرامات حد تواتر کو پہنچتی ہیں اور ان سے عام اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ ہم یہاں درمیانہ درجے کے صحابہ کی کرامات سے صرف دس کرامات نقل کرتے ہیں۔

(۱)۔ حضرت انس بن مالکؓ اپنے چچا انس بن نضرؓ کی بات نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے جنگِ احد کے دن حضرت سعد بن معاذؓ سے کہا:۔

یا سعد انی أجد ریح الجنۃ دون احد

(صحیح بخاری ج:۲، ص:۵۷۹، ج:۱، ص:۳۹۳)

ترجمہ: اے سعد مجھے احد کے دوسری طرف سے جنت کی ہوا آرہی ہے۔

ظاہر ہے کہ ابھی آپ شہید نہ ہوئے تھے اور نہ ان کے لیے یہ دنیا اور اگلا جہاں ایک تھا کہ آپ کو وہاں کی ہوا یہاں لگ رہی ہو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں:۔

فمضی فقتل فما عرف حتی عرفتہ اختہ لشامہ او بعیناہ فیہ بضع و ثمانون من طعنۃ وضربۃ و رمیۃ بسھم.

ترجمہ: آپ (انس بن نضرؓ) گئے اور شہید ہوگئے، آپ کی نعش کا پتہ نہیں لگ رہا تھا پھر آپ کی بہن نے آپ کو ناک سے یا انگلیوں سے پہچانا، آپ کو اسی (۸۰) سے زیادہ زخم لگے تھے۔

(۲)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سرحد کے حالات

کی نگرانی کے لیے ایک سریہ حضرت عاصم بن ثابتؓ کی قیادت میں روانہ فرمایا اور زید بن دثنہ، خبیبؓ بھی ان کے ساتھ تھے جب انہیں بنولحیان نے گھیر لیا تو انہیں اپنی امان میں آنے کو کہا، حضرت عاصمؓ نے انکار کیا اور سات افراد جام شہادت نوش کر گئے۔ قریش مکہ کو عاصمؓ کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے ایک آدمی کو بھیجا کہ ان کی لاش کا کوئی حصہ لائے، عاصمؓ نے بدر کے دن ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا یہ لوگ اس قتل اور کینہ کی آگ میں جل رہے تھے۔ قریش مکہ کے آدمی گئے، پھر کیا ہوا... اسے صحیح بخاری میں ملاحظہ فرمائیے:۔

فبعث اللہ علیہم مثل الظلة من الدبر فحمته من رسلهم فلم یقدروا منه علی شیء (صحیح بخاری ج:۲،ص:۵۸۶)

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے ان پر سائبان کی طرح بھڑوں کو بھیج دیا اور انہوں نے حضرت عاصمؓ کو قریش کے بھیجے ہوئے آدمیوں سے بچایا وہ لوگ ان پر (ان کی لاش پر) ذرا بھی قادر نہ ہو پائے۔

حضرت عاصمؓ کی یہ کرامت ان کی شہادت کے بعد دیکھی گئی اس یہ معلوم ہوا کہ کرامت فعل خداوندی سے عمل میں آتی ہے، یہ بندے کے عمل یا توجہ سے ظاہر نہیں ہوتی ورنہ سویا ہوا شخص تو کوئی توجہ نہیں دے رہا ہوتا اور نہ اس طرح میت کی کوئی تاثیر ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا فعل ہوتا ہے جس میں اپنے مقبولین کی عزت مقصود ہوتی ہے۔

(۳)۔ حضرت خبیبؓ، زید بن دثنہ اور ایک اور شخص تینوں کفار کے قابو میں آگئے حضرت خبیبؓ نے بدر کے دن حارث کو قتل کیا تھا، اب حضرت خبیب اور زید بنولحیان کے قیدیوں میں تھے۔ حضرت خبیب کو بنو حارث نے خرید لیا اور وہ ان کے قیدی تھے اس دوران حارث کی بیٹی نے حضرت خبیبؓ کو کس حالت میں دیکھا اسے صحیح بخاری میں دیکھیں، امام بخاری نقل کرتے ہیں:۔

لقد رأیته یأکل من قطف عنب و مابمکة یومئذ ثمرة وانه لموثق بالحدید وما کان الا رزق رزقه اللہ

(صحیح بخاری ج:۲،ص:۵۸۵)

ترجمہ: میں نے آپ کو انگوروں کا ایک خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا اور ان دنوں مکہ میں کوئی پھل نہ ملتا تھا اور آپ لوہے کی زنجیروں میں بندھے

ہوئے تھے اور یہ ایک ایسا رزق تھا جو اللہ کا دیا ہوا ہی ہوسکتا ہے۔
پھر وہ لوگ حضرت خبیبؓ کو حرم سے باہر لے گئے اور وہاں انہوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ آپ نے قتل ہونے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی پھر آپ کو عقبہ بن حارث نے قتل کیا۔ حضرت خبیبؓ کی یہ کرامت ان لوگوں نے بھی دیکھی جو آپ کے دشمن تھے اور آپ جن کی قید میں تھے ان کا یہ اعتراف بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کو کس فضل سے نوازتا ہے۔
(۴)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ کی شہ رگ پر تیر لگا، حضرت جابر کہتے ہیں **فحسمه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالنار** حضور ﷺ نے خون بہنے کو روکنے کے لیے زخم پر آگ کا داغ دیا اس سے خون بہنا رک گیا لیکن ان کے ہاتھ کو ورم آ گیا حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا تا کہ عبادت کرنے والے حضرت سعد کو قریب سے مل سکیں، اس دوران حضرت سعدؓ کی دعا ملاحظہ کیجیے:۔

> **اللّٰهم انک تعلم انه ليس احد احب الى من ان اجاهد هم فيک من قوم كذبوا رسولک و اخرجوه اللّٰهم فانى اظن انک قد وضعت الحرب بيننا وبينهم فان كان بقى من حرب شيء فابقنى لهم حتى أجاهد هم فيک وان كنت وضعت الحرب فافجرها واجعل موتتى فيها** (صحیح بخاری ج:۲،ص:۵۹۱)
>
> ترجمہ: اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ تیری رضا میں ان لوگوں سے جہاد کرنا محبوب تھا جنہوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور اسے مکہ سے نکالا اے اللہ میرا گمان ہے کہ تو نے ہمارے اور ان کے مابین جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا ہے، پس اگر قریش کی کوئی جنگ باقی ہے تو مجھے اس وقت تک زندگی دے یہاں تک کہ میں تیری رضا کے لیے ان سے جہاد کروں اور اگر تو نے ان سے ہمارا سلسلہ جنگ ختم کر دیا ہے تو میرے اس زخم کو جاری کر دے اور اسی میں مجھے موت نصیب فرما۔

پھر کیا ہوا؟..... صحیح بخاری میں دیکھیں:۔

فانفجرت من لبة فلم يرعهم وفي المسجد خيمة من بني غفار
الا الدم يسيل اليهم فاذا سعد يغذوا جرحه دما فمات منها
ترجمہ: سو اسی وقت زخم بہہ پڑا، مسجد میں بنی غفار کا ایک خیمہ لگا ہوا تھا
اور انہیں گھبراہٹ اس خون سے ہوئی جو ان کی طرف بہہ رہا تھا انہوں
نے کیا دیکھا کہ حضرت سعد کا زخم جاری ہے یہاں تک کہ آپ اللہ کو
پیارے ہو گئے۔

پھر جب حضرت سعد کا جنازہ اٹھایا گیا تو خرقِ عادت کے طور پر ہلکا تھا اور یہ بھی ان کی ایک کرامت تھی۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ان الملئكة كانت تحمله (جامع ترمذی ج:۲، ص: ۲۲۵)
ترجمہ: بیشک آسمان کے فرشتے آپ کے جنازے کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

حضرت سعد کی یہ کھلی کرامت بتلاتی ہے کہ آپؓ یقیناً ان اہلِ ولایت میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ کراماً خرقِ عادت فرماتے ہیں۔

(۵)۔ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کا دعویٰ کیا، چار گواہ نہ تھے، اب اس صورت میں حضرت ہلال پر قذف کی حد آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اربعة شهداء و الا حد في ظهرك يرد ذلك مرارا (نسائی ج: ۲، ص: ۱۰۸) حضرت ہلال کو اپنی سچائی پر یقین تھا گو قانوناً ان پر سزا آتی تھی۔ آپ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی:۔

والذي بعثك بالحق اني لصادق فلينزلن الله تعالىٰ مايبرئ
ظهري من الحد (صحیح بخاری ج:۲، ص: ۵۹۵)
ترجمہ: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے
میں سچا ہوں سو اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم اتارے گا جو میری پشت کو اس
حد سے بچالے۔

آنحضرت ﷺ پہلے یہ بھی فرما چکے تھے کہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسموں کو بھی پورا کر دیتا ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم ج:۲، ص:۳۸۲)

حضرت ہلال ایسا کہنے میں اس مقام حدیث پر تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کہنے کو واقع

کرتے ہیں یا یوں کہئے کہ ایک بات ہونے والی تھی اس کا پرتو (قبل از وجود) ان کے دل پر پڑا اور وہ اس پر ایک ایسے وقت میں بولے جب اس میں ان کا اپنا ایک اعزاز بھی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے لعان کا حکم اتارا اور اس حکم سے ہلال بن امیہ کے مقدمہ کی صورت دوسری ہوگئی اور وہ اس حد سے بچ گئے۔ یہ حضرت ہلال کی ایک کھلی کرامت ہے کہ قبل از وحی ایک بات کہہ دی اور اللہ تعالیٰ نے اس مقبول بندے کی لاج رکھی اور آپ کو سب کے سامنے سرخرو فرمایا۔

(۶)۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے دو صحابی حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ ایک سیاہ رات آپ کی بارگاہ سے واپس نکلے۔ رات سیاہ تھی روشنی کا کوئی نظام نہ تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کیسی روشنی دکھائی؟ اسے صحیح بخاری میں دیکھئے:۔

ان رجلین خرجا من عند النبی ﷺ فی لیلة مظلمة فلما تفرقا فتفرق النور معهما... صار مع کل احد منهما واحد

(صحیح بخاری ج:۱،ص:۵۳۷)

ترجمہ: دو شخص ایک سیاہ رات میں آنحضرت ﷺ کے پاس سے نکلے ان دونوں کے آگے دو نور تھے (مثل المصباحین یضیئان) جب وہ جدا ہوئے تو ان کے ساتھ کی روشنی بھی دو حصوں میں بٹ گئی اور ہر ایک کے آگے ایک حصہ چلا۔

کیا یہ ان دو صحابہ کی کھلی کرامت نہیں؟ اور کیا یہ ان کے عنداللہ مقبول ہونے کا اعلان نہیں؟ اندھیری رات میں روشنی کا آجانا اور ان کے آگے آگے چلنا پھر دونوں کے راستوں کے علیحدہ ہونے پر روشنی کا دو حصوں میں بٹ کر ان کے ساتھ ساتھ چلنا یہ فعل خداوندی ہے لیکن اس میں عزت اور منزلت آنحضرت ﷺ کے دو صحابہ کی ہے۔

(۷)۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ فتح قسطنطنیہ کے دوران فوت ہوئے آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے اُس سرحد پر دفن کیا جائے جہاں تک میری وفات کے وقت مسلمان پہنچ چکے ہوں، چنانچہ آپ کو اس سرحد پر دفن کیا گیا اور آپ کی اس وقت کی کرامت کو ہر اس شخص نے دیکھا جو وہاں موجود تھا۔ علامہ سرخسیؒ (۴۹۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ودفنوه لیلا فصعد من قبره نور الی السماء ورأیٰ ذالک من کان بالقرب من ذالک الموضع (شرح سیر کبیر)

ترجمہ: اور مسلمانوں نے آپ کو رات کے وقت دفن کیا آپ کی قبر سے
نور کا ستون اوپر کی طرف اٹھا اور اسے ان لوگوں نے بھی دیکھا جو اس
جگہ کے قریب تھے۔

(۸)۔ حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جب بھی میں جنت میں داخل ہوا میں نے بلالؓ کے چلنے کی آہٹ اپنے آگے سنی“۔ آپ کب جنت میں داخل ہوئے؟ معراج کی رات یا آپ نے کبھی یہ حالت کشفاً دیکھی ہوگی، حضرت بلالؓ ابھی اس جہاں میں تھے مگر ایک آنے والے وقت کا پرتو آپ نے اس جہاں میں دیکھا۔ اس وقت ہم روحی کمالات سے بحث نہیں کر رہے، بتلانا صرف یہ ہے کہ یہ حضرت بلالؓ کی کھلی مقبولیت ہے۔ آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا:۔

یا بلال بم سبقتنی الی الجنة فما دخلت الجنة الا سمعت خشخشتک امامی.

ترجمہ: اے بلالؓ تو اپنے کس عمل سے مجھ سے پہلے وہاں پہنچا ہوا تھا
میں جب بھی جنت میں داخل ہوا میں نے اپنے آگے تیرے چلنے کی
آہٹ سنی۔

حضرت بلالؓ نے عرض کی:۔

یا رسول اللہ ما اذنت قط الا صلیت رکعتین وما احدثت قط الا وتوضات عندہ ورایت ان للہ علی رکعتین (جامع ترمذی)

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے جب بھی اذان کہی دو رکعت
نفل پڑھے اور میرا جب بھی وضو ٹوٹا تو میں نے اسی وقت وضو کر لیا اور
اپنے لیے دو رکعت تحیۃ الوضوء کو ہمیشہ لازم جانا۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ ان دو عملوں یا ان دو رکعتوں ہی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

(۹)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو وفات کے بعد غسل دینے لگے تو صحابہ مشورہ کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے کپڑے اتاریں یا یہ کہ آپ ﷺ کو کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ ان سب پر یکا یک نیند کا غلبہ ہوا اور سب کی ٹھوڑیاں ان کے سینے سے جا لگیں پھر اس حجرے کے ایک کونے سے آواز آئی کہ

آنحضرت ﷺ کو کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے اس آواز سے سب جاگ اٹھے اور آپ ﷺ کو اسی طرح غسل دیا گیا۔ وہاں جو صحابہ موجود تھے ان سب نے فرشتے کی یہ آواز سنی۔ یہ ان حضرات کی اجتماعی کرامت کا ایک کھلا اظہار ہے کہ ہیں یہ سب اس جہاں میں (عالم ناسوت میں)، اور آوازیں عالمِ ملکوت کی سن رہے ہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات اللہ کے ہاں بہت اونچا مقام پائے ہوئے تھے اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد اپنے مقام کو چھوڑ نہ گئے تھے۔

فكلّمهم مكلم من ناحية البيت لا يدرون من هو اغتسلوا رسول الله وعليه ثيابه (سنن ابی داؤد ج:۲،ص:۲۹۲)

ترجمہ: گھر کے کسی کونے سے کسی کہنے والے نے آواز لگائی وہ (صحابہ) نہ جانتے تھے کہ کہنے والا کون ہے، اس آواز نے کہا کہ کپڑوں سمیت غسل دیا جائے۔

(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی قبر پر ان کے عمل کو ایک سائبان کی صورت میں دیکھا، آپ نے خادم سے فرمایا کہ یہ جو کسی نے ان کی قبر پر شامیانہ لگا دیا ہے اسے اتارو اس کا عمل اسے اپنے سایہ میں لئے ہوئے ہے۔

عن ابن عمر انه رأى فسطاطا على قبر عبد الرحمٰن فقال ياغلام انزعه فانما يظله عمله (اخرجہ البخاری تعلیقا ج:ص:۱۸۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ کی قبر پر ایک خیمہ لگا دیکھا تو آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ اسے اتار دے ان پر اپنے عمل کا خیمہ لگا رہے گا۔

ہم نے عام صحابہ کرامؓ سے یہ دس مثالیں آپ کے سامنے رکھیں ہیں ان میں خلفائے راشدین عشرہ مبشرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر سے کوئی بات نقل نہیں کی، ان حضرات کی کھلی کرامات اپنی جگہ بے شمار ہیں۔ یہ اس لئے کہ جانا جائے کہ یہ چند افراد کی بات نہیں عام صحابہ مقام ولایت رکھتے تھے اور روحانیت کی دولت سے مالا مال تھے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ان سب کی اس طرح روحانی تربیت فرمائی کہ جگہ جگہ ان کی روحانیت اور برکات پھیلی تھیں اور جگہ جگہ انکے نور کے جلوے اترے تھے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے صرف علم

کی دولت پائی تھی اور ان کی تراث حضور علیہ سے صرف کتاب وسنت تھی، حضور علیہ نے اپنے فرائض رسالت ادا کرتے ہوئے ان کا پوری طرح تزکیہ قلب کیا تھا اور یہ تزکیہ یافتہ جماعت تھی جن کو آپ علیہ نے اپنے سامنے کتاب وسنت کا امین بنایا تھا اور رہتی دنیا تک کے لیے انہیں آسمان روحانیت کے روشن چراغ بتلایا تھا۔ کتاب وسنت کا مجتہدانہ علم بے شک کسی کو ملا لیکن تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کا نور ان میں سے ہر ایک کے سینہ میں پایا گیا اور ان میں سے ہر ایک اپنی خلوت وجلوت میں سلوک واحسان کی راہوں پر گامزن تھا اور ان کی عبادت ہمہ تن مقامِ احسان کی آئینہ دار تھی اور مقام احسان کی خود حضور علیہ نشاندہی فرما گئے تھے۔

صحابہ کرام کی تزکیہ کی دولت پھر آگے چلی اور جو ان سے جڑتے گئے اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے گئے انہوں نے بھی اس دولت سے وافر حصہ پایا۔ اسلام میں انہیں تابعین کا نام دیا گیا ہے (یعنی تابعداری کرنے والے)۔ جن لوگوں نے صحابہ کو دیکھا مگر ان کی راہ پر نہ چلے وہ تابعین کے بابرکت دائرہ میں شمار نہ ہوں گے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ صحابہ پر سلوک و احسان کی محنت رکی نہیں یہ سلسلے آگے چلے اور بڑی روحانی قوت سے چلے۔

صحابہ کے بعد اہل ولایت تابعین

تابعین کرام میں بھی بہت سے حضرات سلوک واحسان میں معروف ہوئے، ان میں سے ہم علامہ ذہبی کے حوالے سے صرف دوسرے اور تیسرے طبقے کے حضرات کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلے گا کہ یہ حضرات سلوک واحسان میں کس طرح معروف تھے اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح انہیں زہد وتقویٰ سے نواز رکھا تھا، لوگوں نے ان کی کھلی کرامات دیکھیں تھیں۔ ان حضرات کے زہد وتقویٰ کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ کرام کا طبقہ اس وقت بھی خاصہ موجود تھا۔

حضرت ابو مسلم خولانی (۶۲ھ)، ربیع بن خثیم ثوری کوفی (۶۲ھ)، امام اسود بن یزید نخعی (۷۵ھ)، ابوبکر بن عبدالرحمٰن مخزومی (۹۴ھ)، ابوعثمان النہدی (۱۰۰ھ)، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ)، حضرت علی بن الحسین المعروف زین العابدین (۹۴ھ)، حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (۱۰۶ھ)، حضرت حسن بن حسن یسار حسن بصری (۱۱۰ھ)، امام ابن سیرین (۱۱۰ھ)، امام عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) نوراللہ مراقدھم۔

(۱) حضرت ابو مسلم خولانیؒ (۶۲ھ)

علامہ ذہبی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

آپ مشہور فقیہ، عابد، زاہد اور ملک شام کے پھول تھے۔ ان کو نبوت کے جھوٹے مدعی اسود عنسی نے آگ میں ڈلوا دیا تھا جس سے یہ صحیح سلامت بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کو اس امت کا حکیم کہا جاتا تھا۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے اور آپ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سایہ تھا۔

(۲) ربیع بن خثیم کوفیؒ (۶۲ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ سے فرمایا کرتے تھے:۔

ابو یزید! اگر تمہیں رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو ضرور تم سے محبت کرتے، میں جب تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے لوگ یاد آجاتے ہیں (ذہبی)۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع سے زیادہ لطیف العبادہ کسی کو نہیں پایا (طبقات ابن سعد ج ص: ۱۲۷)۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روحانی فیض پایا تھا (تہذیب ج: ۳، ص: ۲۴۳)۔ آپ ایک مرتبہ تہجد کے لیے کھڑے ہوئے تو ایسی رقت طاری ہوئی کہ ایک آیت پڑھتے پڑھتے ساری رات گذار دی (طبقات ج: ۲، ص: ۲۳)

(۳) امام اسود بن یزید النخعیؒ (۷۵ھ)

امام ابراہیم نخعیؒ کے ماموں تھے۔ حج اور عمرہ کے لیے تقریباً اسی سفر کیے ان میں دونوں کو جمع نہیں کیا۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

> لوگ کثرت عبادت اور ریاضت کی وجہ سے آپ کو جنتی کہتے تھے۔ آپ ولایت میں نہایت اونچے درجے پر تھے، آپ کا وجود اس بات کی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے بعد ولایت کا دروازہ بڑی شان سے کھولا ہوا ہے۔

(۴) ابوبکر بن عبدالرحمٰن الحضرمیؒ (۹۴ھ)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

آپ نیکوکار، عبادت گذار اور خدا تعالیٰ سے بے حد ڈرنے والے تھے، اسی بناء پر آپ کو راہب قریش کہا جاتا تھا۔ یہ رہبانیت نہ تھی اسلام میں اس کا ایک اپنا مقام ہے اور وہ دنیا اور آخرت کو ایک دین میں جمع کرنا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ طریقت ایک خاصی تعداد میں موجود تھے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں، ان کو راہب کہنا اس لئے تھا کہ آپ سلوک و احسان میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شریعت کی خلاف ورزی کرنے والا مقام احسان پا سکے یا اس مقام پر آسکے۔

(۵) حضرت ابوعثمان النہدیؒ (۱۰۰ھ)

حضرت سلمان فارسیؓ جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں رہ کر سلوک و احسان کے مقامات طے کئے تھے، آپ ان کی خدمت میں بارہ سال رہے (ذہبی)۔ رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنا آپ کا عام معمول تھا۔ نماز میں اس قدر خشوع تھا کہ کھڑے کھڑے آپ پر غشی طاری ہوجاتی۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا۔ یاد رکھئے گناہوں سے معصوم ہونا صرف انبیاء کرام کی شان ہے البتہ گناہوں سے محفوظ اولیاء کرام بھی ہوسکتے ہیں، انہی مقبولین میں سے آپ بھی تھے۔

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ)

علامہ ذہبی آپ کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت عبدالملک سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ مکحول کہتے ہیں کہ اگر میں قسم کھاؤں کہ میں نے ان سے زیادہ دنیا سے بے رغبت کسی کو نہیں دیکھا تو میں حانث نہ ہوں گا۔ عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے اور ساری ساری رات دعا میں لگے رہتے۔ خلافت سے پہلے حضرت خضر کی تربیت میں رہے (ذہبی)۔ رباح بن عبیدہ نے ایک دفعہ حضرت خضر کو ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے دیکھا، آپ نے انہیں دیکھا کہ یہ حضرت خضر تھے۔ آپ کے مقامات ولایت کا یہاں بیان نہیں ہوسکتا۔ آپ ایک مرتبہ سورہ القارعہ کی تلاوت کر رہے تھے کہ اچانک چیخ نکل کر گر پڑے۔ یزید بن حوشب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ کسی کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ (طبقات ابن سعد ج: ۵، ص: ۲۹۴)

(۷) عبداللہ بن محریزؒ (۹۹ھ)

شام کے مشہور محدث رجاء بن حیوہ کہا کرتے تھے کہ اگر اہل مدینہ اپنے عابد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وجہ سے ہم پر فخر کریں تو ہم اپنے عابد عبداللہ بن محریز کے ساتھ ان پر فخر کریں

گے، بخدا میں اہل زمین کے لیے ان کی زندگی کو امن کا باعث سمجھتا ہوں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں: "جس نے اقتداء کرنی ہو اسے ابن محریز جیسے کامل انسان کی اقتداء کرنی چاہیے"

(۸) حضرت امام زین العابدینؒ (۹۴ھ)

آپ خاندان رسالت کے مہکتے پھول تھے، آپ کو زہد وعبادت کا پیکر کہنا بجا ہے۔ امام سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو ان سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ آپ دن رات میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے اور وفات تک یہی معمول رہا۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سارے بدن میں لرزہ ہو جاتا، لوگ پوچھتے کہ آپ کو کیا ہو جاتا ہے تو آپ فرماتے کہ تم لوگ کیا جانو کہ میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے باتیں کرتا ہوں (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰)۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مقام احسان کے پہلے درجہ پر تھے کہ عبادت اس طرح کرتے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں، ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ۔ آپ کے سفر وحضر میں کبھی قیام لیل کا ناغہ نہیں ہوا (مختصر صفوۃ الصفوہ ص: ۱۴۷)

(۹) حضرت امام حسن بصریؒ (۱۱۰ھ)

آپ طبقۂ تابعین کے سرخیل ہیں۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ آپ بڑے عبادت گذار اور صوفی المشرب تھے۔ تصوف ان دنوں صوفی حضرات کے طریقہ سے پہچانا جاتا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ملیح الذکر بلیغ المواعظ رأس فی انواع الخیر (تذکرہ ج: ۱، ص: ۶۲)۔ پرتاثیر وعظ ونصیحت میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں کہ آپ ہر قسم کی نیکی میں کمال تک پہنچے ہوئے تھے (تذکرہ)۔ آپ کی والدہ محترمہ ام المومنین حضرت سلمہ کی کنیز تھیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: کان فصیحا رای علیا وطلحۃ۔ آپ ولایت میں حضرت علیؓ کے خلیفہ تھے۔ امام ابوزرعہ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر چودہ سال کی عمر میں بیعت کی (تاریخ مشائخ چشت ص: ۱۱۵)۔ امام باقر کے سامنے آپ کا ذکر کیا جاتا تو آپ فرماتے: ذاک الذی یشبہ کلامہ کلام الانبیاء (تہذیب ج: ۲، ص: ۲۶۵) کہ آپ وہ شخصیت ہیں کہ آپ کا کلام پیغمبروں کے کلام سے مشابہ ہے۔

حضرت عطا بن ابی رباح (۱۱۵ھ) فرماتے ہیں:۔

ذاک امام ضخم یقتدی بہ (ایضاً)

ترجمہ: آپ بہت بڑے امام ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔

چودہ سال کی عمر میں حضرت علی کی خلافت کا پانا اور ولایت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنا کیا کوئی معمولی بات ہے؟ دراصل یہ موہبتِ الٰہی تھی تاہم اس میں آپ کی ریاضت و عبادت اور اوراد و اشغال کا بھی بڑا دخل ہے۔ لیکن کاملین کی توجہ باطنی سے یہ کمالات جب دل پر اترتے ہیں تو لمحوں میں دل کی دنیا بدل جایا کرتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت حسن بصری نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کو دیکھا ہے۔ محدثین کو اس میں تو کلام ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے حدیث کی روایت کی یا نہیں۔ کوفہ میں محدثین عام طور پر بیس سال سے کم عمر میں روایت نہ کرتے تھے، ممکن ہے کہ اس کے کچھ اثرات بصرہ میں ہوں لیکن چھوٹی عمر میں فیض صحبت کے حاصل ہو جانے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے علم حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ سے حاصل کیا لیکن فیض صحبت حضور اکرمؐ سے پایا۔

(۱۰) حضرت سالم بن عبداللہؒ (۱۰۶ھ)

امام مالک کہتے ہیں کہ آپ کے زمانے میں زہد و پرہیزگاری اور علم و فضل میں صحابہ کرامؓ سے مشابہت رکھنے والا آپ سے زیادہ کوئی نہیں تھا۔ سالم دو درہم کا کپڑا خرید کر گزارا کر لیتے تھے۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ سالم اخلاق و عادات اور سادہ زندگی گزارنے میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نقشِ قدم پر تھے۔ اپنا سودا سلف خود خریدتے تھے۔ صوفیہ کرام کے ہاں جو موٹا لباس پہننے کا رواج ہے وہ آپ سے ہی چلا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

> ایک دفعہ آپ سادہ موٹے جھوٹے لباس میں خلیفہ سلیمان کے دربار میں چلے گئے خلیفہ نے برا منانے کی بجائے آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۸۹)

تواضع اور انکساری کی بناء پر اونی لباس پہنتے اور اپنے خارشی اونٹوں کو اپنے ہاتھ سے دوائی ملا کرتے تھے۔ (ایضاً)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:۔

يلوموننی فی سالم والومهم
وجلوة بين العين والانف سالم

سلوک و احسان کی راہ پر چلنے والے اب تک اس لباس کو اپنائے ہوئے ہیں۔

صوفی کا لفظ صوف سے نکلا ہو یہ بھی ایک رائے ہے۔ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وکان السلف یسمون اھل الدین والعلم والقراۃ فیدخل فیھم العلماء والنساک ثم حدث بعد ذلک اسم الصوفیۃ والفقراء واسم الصوفیۃ ھو نسبۃ الی لباس الصوف ھذا ھو الصحیح (فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۱۱، ص:۱۹۴)

ترجمہ: سلف صالحین اہل دین، اہل علم اور پڑھے ہوئے کے ناموں سے پہچانے جاتے تھے۔ انہی میں علماء بھی داخل تھے اور عبادت گذار سالکین بھی۔ اس کے بعد صوفیہ اور فقراء کے نام پیدا ہوئے۔ صوفیہ کی نسبت صوف کا لباس پہننے کی وجہ سے ہے۔ (اس نام کی وجہیں اور بھی بیان کی گئی ہیں) مگر صحیح یہی ہے۔

دوسری صدی میں یہ لفظ اہل علم میں آچکا تھا۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

وکذلک فی اثناء المائۃ الثانیۃ صاروا یعبرون عن ذلک بلفظ الصوفی لان لبس الصوف یکثر فی الزھاد (ایضاً ص:۲۵)

ترجمہ: اور اسی طرح دوسری صدی ہجری کے دوران اس راہ کے لوگوں کو لفظ صوفی سے یاد کیا جانے لگا کیونکہ پرہیزگاروں کے ہاں زیادہ صوف پہننے کا رواج تھا۔

اب یہ لغوی معنی میں نہیں عرفی معنی میں عبادت گذاروں راہ طریقت کے سالکوں اور فقراء سب کو شامل تھا۔

فالفقیر فی عرفھم عبارۃ عن السالک الی اللّٰہ تعالیٰ کما ھو الصوفی فی عرفھم (ایضاً ص:۷۰)

ترجمہ: سوان کے عرف میں فقیر سے مراد اللہ کی طرف چلنے والا سالک ہے جیسا کہ اس کے لیے صوفی کا نام لیا جاتا ہے۔

کتاب و سنت میں جن بزرگوں کو صدیقین اولیاء اللہ اور صالحین وغیرہ کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے اب سالکوں اور صوفیہ کے ذکر میں اسی مراد محمود کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

حافظ ابن تیمیہ اہل فقر اور اہل تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

والتحقیق ان المراد المحمود بھذین الاسمین داخل فی مسمی الصدیق والولی والصالح ونحو ذلک من الاسماء التی جاء بھا الکتاب والسنة (ایضاً ص:۷۰)

ترجمہ: اور تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں ناموں (فقیر اور صوفی) سے موسوم مراد محمود صدیق، ولی اور صالح اور ان جیسے دوسرے ناموں جو کتاب و سنت میں آئے ہیں داخل ہے۔

اکابر تابعین کے یہ دس اہل ولایت آپ کے سامنے ہیں ہم یہاں دو اور بزرگوں کا حوالہ بھی لکھے دیتے ہیں۔

(۱۱) امام بن سیرینؒ (۱۱۰ھ)

حضرت امام بن سیرین آنحضرت ﷺ کے مشہور صحابی حضرت انس بن مالکؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ سے بھی بہت فیض اٹھایا ہے اور تابعین میں حضرت امام حسن بصری کی صحبت میں بھی مدتوں رہے تھے (تہذیب ج:۹، ص: ۲۱۵)۔ حافظ ذہبی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: راسا فی الورع (تذکرہ ج:۱، ص: ۶۷)۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ آپ کثیر العلم اور متورع تھے (طبقات ج:۷، ص: ۱۴۰)۔ امام عجلی کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو ان سے بڑا فقیہ متورع نہیں پایا (تہذیب الاسماء ج:۱، ص: ۸۳)۔ امام ابن سیرین طبعاً خوش مزاج تھے لیکن آپ کا دل خوف الٰہی سے لبریز تھا۔ جو لوگ انہیں دن میں مسکراتا دیکھتے رات کی تاریکی میں انہیں روتے گڑگڑاتے ہوئے پاتے، موت کا ذکر آتا تو آپؒ کی حالت دگرگوں ہو جاتی۔ آپؒ اونچے درجے کے عابد تھے اور عبادت کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ رات کا اکثر حصہ یاد الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ ابن عماد حنبلی نے آپؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ علم اور عبادت دونوں میں آپؒ انتہائی کمال پر تھے (طبقات ابن سعد ج:۷، ص: ۱۴۳)

(۱۲) امام عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ)

حضرت عطاء سادات تابعین میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عطاء فقہ، علم بزرگی اور فضل و کمال کے لحاظ سے جلیل القدر تابعی ہیں (تہذیب ج:۷، ص: ۲۰۳)۔ علامہ ذہبی

کا کہنا ہے کہ عطاء کے علم، زہد اور خوف خدا کے مناقب بہت ہیں (تذکرہ ج: ا، ص: ۸۶)۔ آپ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ کامل بیس سال تک مسجد کا فرش ان کا بستر رہا (تہذیب ج: ۷، ص: ۲۰۳)۔ تہجد آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا کثرت عبادت سے آپ کی پیشانی پر سجدہ کا نشان بن گیا تھا (ابن سعد)۔ آپ کو ذکر الٰہی سے بہت محبت تھی اور فرماتے تھے کہ جو شخص اس مجلس میں بیٹھا ہے جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اس مجلس کو اس کی باطل مجلس کا کفارہ بنا دیتا ہے

(مختصر صفوۃ الصفوہ ص: ۱۸۵)

ائمہ طریقت صفِ محدثین سے

محدثین نے حفاظ حدیث میں کئی اور بزرگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو خشیت الٰہی سے سلوک و احسان کی راہ میں چلے۔ ان کے تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات عبادت و ریاضت میں پختہ کار صوفی تھے اور تصوف ان دنوں عملی طور پر موجود تھا۔ سلوک وحسان میں یہ حضرات بھی اپنے دور میں پوری فکر سے چلے، ان میں کئی بزرگ صاحب کرامات بھی ہوئے ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے صرف بارہ بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں جو شریعت کی محنت کے ساتھ ساتھ طریقت کے بحرِ عمیق کے بھی ماہر تیراک تھے۔

ا۔ امام مجاہد بن جبیرؒ (۱۰۳ھ)

آپ قرآن کریم کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کے شاگرِ رشید تھے۔ اعمش کہتے ہیں کہ مجاہد نہایت سادہ اور نہایت کم قیمت لباس پہنتے تھے، چھپے اسرار معلوم کرنے کا بہت شوق رکھتے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں آپ برہوت کا کنواں دیکھنے حضرموت گئے (جو یمن میں واقع ہے) اور ہاروت ماروت سے ملنے بابل گئے اور وہاں عجیب و غریب حالات دیکھے۔ ظاہری انداز درویشوں کا سا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اونچے درجے کے اصحاب علم بھی خوف آخرت سے صدیقوں کے پیرایہ میں رہتے تھے۔

۲۔ امام خالد بن معدان (۱۰۴ھ)

خالد بن معدان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ ستر صحابہ کرام سے ملاقات کی شہرت سے بہت بچتے تھے۔ صفوان کہتے ہیں کہ آپ کے مستفیدین زیادہ ہو گئے تو آپ ان سے روپوشی اختیار کرنے لگے۔ ہر روز ستر ہزار مرتبہ تسبیح پڑھتے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر موت کے لیے

کوئی حد مقرر ہوتی تو اس کی طرف صرف وہی شخص سبقت کرتا جو مجھ سے طاقت میں زیادہ ہوتا (تذکرہ)۔ اس قدر للّٰہیت اہل طریقت کو ہی میسر آسکتی ہے۔

۳۔ امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ ایک دن رات میں ایک سو پچاس رکعت نفل پڑھتے تھے۔ سید الساجدین امام زین العابدین کے بیٹے تھے اور آئمہ اہل بیت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان اثرات سے آپ نے روحانی قدروں میں بہت بلندی پائی اور ایک عالم کے مرشد عام ٹھہرے۔

۴۔ حضرت ثابت بنانیؒ (۱۲۳ھ)

بکر بن عبداللہ کہتے ہیں جو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عابد دیکھنا چاہے تو وہ ثابت کو دیکھ لے (تذکرہ)۔ شعبہ کہتے ہیں کہ ایک دن رات میں آپ قرآنِ کریم ختم کرتے، ہمیشہ روزہ رکھتے۔ حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے ثابت کو اس طرح پایا کہ آپ کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔ جعفر بن سلیمان کا بیان ہے کہ ثابت اس قدر روتے کہ آپ کی آنکھیں ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ کسی نے سمجھایا تو آپ نے فرمایا اگر آنکھیں نہ روئیں تو ان کا فائدہ ہی کیا ہے۔ بیماری میں علاج نہیں کراتے تھے۔ یہ صوفیہ کرام میں اہل توکل کی ایک منزل ہے۔

۵۔ محمد بن المکندر القریشیؒ (۱۳۰ھ)

آپ نہایت ممتاز تزکیۂ قلب کی دولت رکھتے تھے۔ سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ آپ صدق و صفا کی کان تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ نیک لوگوں کی آپ کے پاس بھیڑ لگی رہتی تھی۔ یہ کس لئے؟ معلوم ہوا کہ ان دنوں لوگ بڑی تعداد میں بزرگوں کے پاس اصلاحِ باطن کے لیے حاضری دیتے تھے۔ ایک رات آپ تہجد میں بہت روئے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا کہ میں نے یہ آیت پڑھی اور مجھ پر اس وقت اس کا خوف طاری ہوگیا، جب وہ حساب کی گھڑی آپہنچے گی:

وبدا لهم من الله ما لم يكونوا يحتسبون (پ:۲۴، الزمر:۴۷)

ترجمہ: ان کے سامنے ان کے وہ وہ اعمال آئے جن کے بارے میں انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس سے چالیس سال جنگ کی ہے تب کہیں جا کر طبیعت درست ہوئی۔ صوفیہ کرام کے ہاں سب سے کڑی محنت اصلاحِ نفس کی ہے۔ آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں اہل حق جس طرح فقہ و حدیث کی تعلیم میں کوشاں رہے اسی طرح اہل حق اصلاحِ نفس اور تصفیۂ باطن کی ضرورت بھی پوری طرح محسوس کرتے اور تعلیم کتاب و سنت کے ساتھ تزکیۂ قلب پر بھی برابر محنت کی جاتی تھی۔

۶۔ حضرت ایوب سختیانیؒ (۱۳۱ھ)

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی تابعی ہیں۔ امام ابن سیرین کے شاگرد تھے۔ بصرہ میں مقیم رہے۔ اتباعِ سنت میں بہت سخت تھے۔ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک فرماتے ہیں:۔

كان من العالمين العاملين الخاشعين و كان من عباد الناس و خيارهم

ترجمہ: آپ علم و عمل اور عاجزی رکھنے والوں میں سے تھے اور لوگوں میں سب سے زیادہ عابد تھے اور بہترین لوگوں میں تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی کے شروع میں علماء کرام صرف علم سے نہیں عبادت و ریاضت سے بھی پہچانے جاتے تھے۔ یہ پیرایہ عمل بدوں اس کے متصور نہیں کہ ان کے ہاں سلوک و احسان اور نیک صحبت سے تزکیۂ قلب کی محنت برابر جاری تھی۔

۷۔ ابوحازم سلمہ بن دینار مخزومیؒ (۱۴۰ھ)

آپ کی تقریباً ہر بات حکمت اور فکرِ آخرت سے بھرپور ہوتی تھی۔ درویشوں کی ادا میں کلام کرتے تھے۔ حافظ ذہبی یعقوب بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں ابوحازم کہا کرتے تھے:۔

جس عمل کی سزا سے بچنے کے لیے تم موت کو ناپسند کرتے ہو اسے چھوڑ دو پھر جب بھی تم مرو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

ایک دفعہ فرمایا جو بندہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق درست کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اور دوسرے بندوں کے درمیان تعلقات درست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے تعلق بگاڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیان تعلقات بگاڑ دیتا ہے۔ سو بہت سے بندوں کو خوش رکھنے کی نسبت ایک ذات کو خوش کر لینا زیادہ آسان ہے۔ (تذکرہ)

یہ انداز کلام واضح کرتا ہے کہ سلوک واحسان کی محنت اور تزکیۂ قلب کی دعوت اُن دنوں عام موجود تھی یہی فکر آخرت اور تصفیۂ باطن کی محنت اور استقامت ہے جس نے آگے چل کر تصوف کا نام پایا۔ یہ ہرگز کوئی غیر اسلامی فکر نہیں جسے بدعی انداز میں اسلام میں داخل کر لیا گیا ہو۔

(۸)۔ حضرت امام جعفر بن صادقؒ (۱۴۸ھ)

حضرت عمر المقدام کا بیان ہے کہ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبوت کے خاندان سے ہے (تہذیب الاسماء ج:۱، ص:۱۵۰)۔ آپ کا کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا یا نماز میں ہوتے یا روزے میں یا تلاوت میں۔

آپ فرماتے کہ جو دوسروں کے مال کی طرف نظر اُٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے، جو شخص دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے خدا اس کے خفیہ حالات کھول دیتا ہے، جو بغاوت کی تلوار کھینچتا ہے وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے۔ جو اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔

درویشوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ صوف یا اون پہنتے ہیں، ان کا لباس بہت عام اور سادہ ہوتا ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ حضرت امام اپنے اچھے لباس کے نیچے اون کا لباس پہنتے تھے، آپ نے امام سفیان ثوری کو اوپر کا لباس اُٹھا کر اندر کا لباس دکھایا اور فرمایا:۔

> نیچے کا لباس ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے اور اوپر کا لباس تمہارے لیے پہنا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے اور آپ سے ملتے رہتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا آپ کو ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے پایا۔

۹۔ ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائیؒ (۱۶۰ھ)

آپ حضرت امام ابو حنیفہ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ کان یجالس اباحنیفه (ذکرہ ابن حبان)۔ عطاء بن مسلم کہتے:۔

> کنا ندخل علی داود الطائی فلم یکن فی بیته الا باریة ولبنة یضع رأسه علیها واجانة فیها خبز و مطهرة یتوضأ منها ویشرب (تہذیب ج:۳، ص:۲۱۳)

ترجمہ: ہم امام داؤد طائی کے پاس جایا کرتے تھے آپ کے گھر میں
ایک بوریئے اور ایک اینٹ کے سوا جس پر آپ سر رکھتے کچھ نہ تھا اور
ایک توشہ دان تھا جس میں وہ روٹی رکھتے تھے ایک لوٹا جس میں وضو
بھی کرتے تھے اور اس میں پانی بھی نوش کرتے۔

محارب بن دثار کہتے ہیں کہ اگر امام داؤد طائی کسی پہلی امت میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان کی بات نقل کرتے۔

لو كان داود فى الامم الماضية يقص الله علينا من خبره (ايضاً)

امام نسائی کتاب الجہاد کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

اخبرنا احمد بن يحى قال حدثنا اسحق بن منصور قال حدثنا داود يعنى الطائى عن عبدالمالك بن عمير.

پھر ج:۲، ص:۴۶ اور ص:۱۲۹ پر بھی حضرت داود طائی کی امام اعمش سے روایات مذکور ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی میں تصوف اپنی ان علامات میں خاصا معروف ہو چکا تھا۔ یہ حضرات صرف تصوف میں ہی معروف نہ تھے ان کی علمی حیثیت بھی اپنی جگہ خاصی معروف تھی۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں جن علماء کو شامل کیا ان میں ایک ایک وقت کا سکندر اور علم کا سمندر تھا۔ حدیث میں امام ابویوسف، فقہ و قیاس میں امام زفر اور عافیہ اور ادب وعربیت میں امام محمد اور سلوک واحسان میں داود الطائی جیسے حضرات اس شورائی فقہ کو مرتب کرنے میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چلتے تھے۔ اور خود امام ابوحنیفہ ان سب کے شیخ تھے، ان کی رہنمائی میں یہ فقہ حنفی مرتب ہوئی۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء.**

۱۰۔ خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ (۱۷۰ھ)

سلوک واحسان کی راہ سے جن علماء نے امتیاز پایا ان میں حضرت حسن بصری کے بعد حضرت خواجہ عبدالواحد کا نام سرفہرست ہے۔ اس دور میں یہ حضرات زاہدین کے نام سے معروف تھے۔ کتب رجال میں جہاں ان کے تذکرے ملتے ہیں وہاں یہ لفظ زاہد عام طور پر ساتھ ملتا ہے۔

حافظ ابن حجر آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

عبدالواحد بن زید البصری الزاھد شیخ الصوفیه واعظم من لحق الحسن وغیرہ (لسان المیزان:۴،ص:۸۰)

ترجمہ: آپ بصرہ کے رہنے والے تھے زاہد بزرگ تھے اہل تصوف کے شیخ ہیں اور حضرت حسن بصری اور ان کے اقران سے جو لوگ وابستہ تھے ان میں یہ سب سے بڑے تھے۔

علم میں یہ مرتبہ تھا کہ امام وکیع اور امام مسلم اور ابو سلیمان درانی جیسے محدثین نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ فقہ میں امام ابو حنیفہ سے بھی فیض پایا ہے اور عمل میں یہ حالت تھی کہ آپ نے چالیس سال صبح کی نماز عشاء کے وضوء سے پڑھی۔ (ایسا متواتر اور متصل نہ ہوا ہوگا بلکہ کل دفعہ جب ایسا ہوا اس کی مجموعی مدت چالیس سال بنتی ہے) آخر میں آپ کی یادداشت محدثین کی سی نہ رہی اس لئے انہوں نے آپ کی روایت لینا ترک کر دیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مقامات ولایت میں آپ اپنے وقت میں سلوک و احسان کے سالکین میں شیخ وقت نہ رہے تھے، روحانی منزلوں میں کبر سنی سے فیض باطنی منقطع نہیں ہوتا۔ آپ سے بہت کرامات منقول ہیں۔ آپ کے بڑے خلفاء میں خواجہ فضیل بن عیاض، خواجہ ابوالفضل بن رزین اور خواجہ ابوایوبؒ سوی زیادہ معروف ہیں۔

۱۱۔ خواجہ فضیل بن عیاض ۱۸۷ھ

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

الزاھد الخراسانی روی عن الاعمش و منصور و عبید اللہ بن عمر و ھشام بن حسان و یحی بن سعید الانصاری... وقال النسائی ثقة مأمون رجل صالح و قال الدار قطنی ثقة.. عن ابن المبارک اما اورع الناس فضیل بن عیاض

(تہذیب ج:۸،ص:۲۹۶)

امام عجلی کہتے ہیں کہ آپ ثقہ اور بڑے عابد اور رجل صالح تھے (ایضا)۔ آپ کے سلوک و احسان میں چلنے والے شاگردوں میں ابراہیم بن ادھم، خواجہ بشر حافی، شیخ ابو رجاء

عطاردی اور خواجہ عبیداللہ زیادہ معروف ہوئے (دیکھئے خزینۃ الاصفیاء)۔ آپ شیخ الحرم کے لقب سے ملقب تھے۔ عبداللہ بن مبارک، یحیٰ بن سعید القطان، امام شافعی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ امام مالک سے زیادہ بارعب اور فضیل سے زیادہ پرہیزگار ہم نے نہیں دیکھا (تذکرہ)۔ یہ امام طریقت صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں (دیکھئے صحیح بخاری ج:۲،ص:۱۱۰۰،ص:۱۱۰۲)

۱۲۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ (۱۶۰ھ)

حضرت ابراہیم بن ادہم بلخ کے رہنے والے تھے، زیادہ دیر شام میں قیام پذیر رہے۔ امام نسائی آپؒ کے بارے میں فرماتے ہیں احد الزھاد (آپ آئمہ طریقت میں سے ایک تھے) (البدایہ ج:۱۰،ص:۱۳۵)۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں دوسری صدی ہجری میں سلوک واحسان کے راہ نورد زہد وتقوی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ ابراہیم بن ادہم بھی انہیں میں سے تھے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:۔

وروی قتیبة عن ابراهیم بن ادهم عن مقاتل بن حیان

(جامع ترمذی ج:۱،ص:۱۴)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:۔

قال ابن حبان فی الثقات کان صابرا علی الجهد والفقه والورع الدائم والسخاء الوافر الی ان مات (تہذیب ج:۱،ص:۱۰۳)

ترجمہ: ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کو ذکر کیا ہے۔ آپ ریاضت وعبادت، فقہ وپرہیزگاری اور فیاضی وسخاوت میں آخر دم تک کوشاں رہے۔

حضرت امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) سے نقل کیا ہے:۔

رحم الله ابا اسحق یعنی ابراهیم بن ادهم قد یکون الرجل عالما بالله لیس یفقه امر الله (ایضاً)

اللہ تعالیٰ ابو اسحٰق پر رحم فرمائے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی ولی تو ہو جائے پر فقیہ نہ ہو پائے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقیہ کا درجہ ولی سے بہت آگے کا ہے، پھر یہ بھی معلوم ہوا

کہ ولی وہ ہوتا ہے جو اللہ کو پہچاننے والا ہو اور یہ وہی مقام ہے جسے حدیث میں احسان کہا گیا ہے، پھر اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ان دنوں سفیان بن عیینہ جیسے محدثین بھی سلوک و احسان کی راہ پر چلنے والوں کو پہچانتے تھے اور انہیں اہل اللہ میں سے سمجھتے تھے۔ سو سلوک و احسان اس عہد میں بدعی راہ نہ سمجھی جاتی تھی جس کی اصل انہیں صحابہ سے نہ ملی ہو اور صحابہ کرام تو سب اللہ کے حضور میں حضوری پائے ہوئے تھے۔

سفیان نے جو آپ کے فقیہ ہونے کی نفی کی ہے تو وہ ان کے اپنے معیار کے مطابق ہے۔ جنہوں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہو وہ جلدی کب کسی کو فقیہ مانیں گے۔ یعقوب بن سفیان آپ کے علم کے بہت قائل تھے۔

شاہ بلخ نے آپ کو متبنیٰ بنا لیا تھا پھر آپ اس کے بعد وہاں کے بادشاہ ہو گئے۔ آپ نے پھر درویشی کی راہ میں تاج و تخت چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے خواجہ فضیل بن عیاض سے خلافت پائی تھی اور اپنے شیخ کی زندگی ہی میں آپ نے وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

ہم نے اہل تصوف کی تیسری صف کے یہ چند اکابر آپ کے سامنے ذکر کئے ہیں۔ کتاب و سنت کا جتنا علم اُن دنوں پھیل چکا تھا، اہل طریقت بھی اُن دنوں کچھ کم نہ تھے۔ یہاں تک علم و عمل ساتھ ساتھ رہے ہیں اور شریعت و طریقت ساتھ ساتھ چلی ہیں۔ محدثین کا ذہن ان سالکانِ راہِ طریقت کے بارے کیا تھا اور فقہاء کرام ان کے اس زہد و ورع کو کس آنکھ سے دیکھتے رہے؟ اس پر بھی ہم کچھ مباحث پیش کئے دیتے ہیں تا کہ ان اہل طریقت کا تاریخی پس منظر اور واضح ہو جائے۔ اس کے بعد ہم اس پر بحث کریں گے کہ صوفیہ کرام کا مسلمانوں کی قومی زندگی کی تعمیر میں کیا حصہ ہے؟ اس سے یہ بات اور واضح ہو جائے گی کہ اسلام میں تصوف ہرگز رہبانیت کے پیرائے میں نہیں یہاں شریعت اور طریقت کے کنارے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ دین ایک دریا ہے جس کے ایک کنارے کا نام شریعت ہے اور دوسرے کنارے کا نام طریقت ہے اور یہ وہ بحر ناپیدا کنار ہے کہ جب تک یہ دنیا رہے گی اسلام کا چشمۂ صافی جاری رہے گا۔ مسلمان اس کرۂ ارضی میں آخری قوم ہیں ان کے بعد یہ دنیا باقی نہ رہے گی۔

صوفیہ کرام محدثین کی نظر میں

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی امابعد!

محدثین کا دور روایت (جب حدیث اپنی سند سے روایت ہوتی رہی) امام بغوی (۵۱۶)، رزین بن معاویہ (۵۲۵ھ)، حافظ ابن عساکر (۵۷۱ھ) سے آگے نہیں بڑھتا۔ ان سے پہلا دور حافظ ابونعیم (۴۳۰ھ)، امام بیہقی (۴۵۸ھ)، خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)، حافظ عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کا تھا۔ اس دور میں علم حدیث ایک فن کی صورت میں آچکا تھا۔ خطیب بغدادی کی کتاب الکفایہ فی علم الروایہ اس دور کی معروف کتاب ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس موضوع پر پہل حضرت امام مسلم (۲۶۱ھ) کر چکے تھے۔ امام بخاری (۲۵۶) اور امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اصول حدیث پر کچھ اپنے نظریات ضمناً لکھے ہیں۔ تاہم یہ فن ایک مستقل موضوع کی صورت میں پانچویں صدی میں سامنے آیا اس دور کے دوسرے ممتاز اہل حدیث (باصطلاح قدیم) میں حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) بھی آتے ہیں۔

محدثین کا وہ دور جب حدیث قاطبۃً روایت ہو چکی اور اصول حدیث بھی مستقل کتابوں میں مدون ہو چکا چھٹی صدی سے سامنے آتا ہے۔ اس دور میں اسماء الرجال پر کتابیں لکھی گئیں اور چار صدیوں تک رواۃ حدیث کے تراجم آگے لکھے جاتے رہے۔ امام سیوطی (۹۱۱ھ) صاحب طبقات الحفاظ ہیں۔

ان چار صدیوں کی کتابوں میں بعض رواۃِ حدیث کے ناموں کے ساتھ صوفی، صاحب خانقاہ، ورع، متعبد، ناسک کے الفاظ بھی کہیں کہیں ملتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کرام صوفیہ کرام کو اپنے ساتھ لے کر چلے ہیں اور انہوں نے صاحب ولایت اور خرقہ پوشوں کو کبھی اپنا غیر نہیں جانا اور ان صوفیہ میں بھی ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے اپنے ممتاز

مقام سلوک واحسان کے ساتھ اپنی عالمانہ ذمہ داریوں سے حدیث کی بھی باقاعدہ روایت کی ہے۔ فہم حدیث کی مجلسوں میں وہ پورے اہتمام کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ امام داود طائی (۱۶۱ھ) اپنے سلسلے کے ایک قوی النسبت بزرگ تھے، کیا آپ امام ابوحنیفہؒ کی علمی مجلس میں سالہا سال تک نہیں بیٹھتے رہے؟ محدثین نے سلوک واحسان کی منزلیں طے کرنے والے ان بزرگوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا ہے بلکہ خود بھی بہت سے حضرات اہل احسان میں سے تھے۔ امام داؤد الطائی (۱۶۰ھ)، سفیان الثوری (۱۶۱ھ)، خواجہ عبدالواحد بن زیاد (۱۷۰ھ)، ابراہیم بن ادھم (۱۶۲ھ)، شیخ فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ)، شیخ شفیق بلخی (۱۹۵ھ) وغیرہم کو دیکھئے کس طرح محدثین انہیں عابد زاہد لکھ کر ان کے اہل تصوف میں سے ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ ناقدِ فن رجال امام یحیٰ بن معین انہیں حدیث میں ثقہ لکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ، داود طائی کو اپنی علمی مجلس میں جگہ دیتے ہیں۔ فضیل بن عیاض سے امام بخاری ج:۲، ص: ۱۱۰۰ اور ص: ۱۱۰۲ اور امام مسلم اپنی صحیح میں ج: ۱، ص: ۱۸۰، ص: ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۵۶، ۳۷۰ پر روایت لیتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے اُن حضرات کے تذکروں میں آئے گی یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ سلف میں کئی حضرات معرفت الٰہی اور معرفت شریعت کا مجمع البحرین گذرے ہیں۔

صوفیہ کرام اور اہل احسان کی فہرست بہت طویل ہے اسے ہم دوسری صدی ہجری سے ایک تسلسل کے ساتھ پیش کریں گے، یہاں ہم صرف اس پر کچھ حوالہ جات پیش کریں گے کہ مذکورہ چار صدیوں کے اہل سیر محدثین نے ان اہلِ احسان کو کبھی مختلف پیرایہ میں ذکر نہیں کیا ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا ہے۔

پہلی صدی ہجری تو صحابہ اور تابعین کے خیار امت سے بھرپور تھی اس میں شریعت کا علم بھی پوری طرح روشن تھا اور اسلام کی روحانیت بھی پوری طرح جاگتی تھی۔

دوسری صدی ہجری کے اہل سلوک کے محدثین میں تذکرے

حضرت امام حسن بصری (۱۱۰ھ)، امام داود طائی (۱۶۰ھ)، ابراہیم بن ادھم (۱۶۲ھ)، امام سفیان الثوری (۱۶۲ھ)، عبدالواحد بن زید (۱۷۰ھ)، عافیہ بن یزید (۱۸۰ھ)، خواجہ فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ)، شفیق بلخی (۱۹۵) رحمہم اللہ کے تذکرے صوفیہ کرام کے ہاں عام ملیں گے۔ محدثین کی کتب رجال میں بھی ان کے بارے میں زاہد و عابد ہونے کا ذکر ملے گا

اور کتب حدیث میں ان کے محدث اور رواۃ حدیث میں سے ہونے کی روشن کڑیاں بھی صاف نظر آئیں گی۔

(۱)۔حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں امام حسن بصری کے بارے میں طبقات کبریٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

دین وشریعت کے امین عبادت گذار، صوفی المشرب، کثیر العلم۔۔۔
حافظ حدیث اور علم کا سمندر۔(تذکرہ ۱/۶۷)

صوفی المشرب کا لفظ بتارہا ہے کہ ان دنوں یہ لفظ موجود تھا اور یہ مشرب بھی موجود تھا۔اب صحیح مسلم کی مختصر ورق گردانی کیجیے تقریباً ہر جگہ حسن کا نام ملے گا۔امام بخاری نے آپ کی فقہی آراء بھی بہت جگہ نقل کی ہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے۔آپ کی ایک تالیف کتاب الاخلاص بھی مفسر شہیر حافظ ابن کثیر نے حلاج کے ترجمہ میں اس کا ذکر کیا ہے (البدایہ والنھایہ ج:۱۱، ص:۱۴۱) تصوف پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔

(۲)۔امام داود طائی کو لیجیے۔شیخ عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں:۔

آپ پہلے طبقہ یعنی درجہ اول کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں، بڑے درجے کے مشائخ سادات اہل تصوف سے ہیں، اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے، حضرت فضیل ابراہیم بن ادھم اور دوسرے حضرات کے ہم عصر بزرگ تھے (حیات صوفیہ ص:۱۲۹)

حافظ ابن حجر آپ کو الکوفی الفقیہ الزاھد کہہ کر ذکر کرتے ہیں (تہذیب ج:۳، ص: ۲۰۳) اور اس کے حاشیہ میں ہے:

كان داود من الفقهاء و ممن كان يجالس اباحنيفة ثم عزم على العبادة ولزمها.

یہاں عبادت اس خاص معنی میں ہے جیسے صوفیہ اپنے ہاں ذکر کرتے ہیں ورنہ مطلق عبادت تو ہر بندہ میں موجود ہے۔

امام نسائی (۳۰۳ھ) السنن الصغریٰ جلد:۲ میں اس طرح اس سے سند لائے ہیں:۔

اخبرنا احمد بن يحى قال حدثنا اسحق بن منصور قال حدثنا داود يعنى الطائى عن عبد الملك بن عمير (آخر کتاب الجہاد)

اخبرنا القاسم بن زکریا قال حدثنا مصعب بن المقدام عن داود عن الاعمش (ج:۲،ص:۱۲۹)

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں محدثین ہرگز اہل تصوف کا غیر نہ تھے اہل تصوف میں کئی حضرات جامع شریعت وطریقت ہوئے ہیں۔

(۳)۔ابراہیم بن ادہم کو لیجئے شیخ عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں:۔

شام کے علاقہ میں حلال رزق کے لیے باغبانی کرتے تھے محدث یعنی علم حدیث کے جاننے والے صاحب کرامت وولایت تھے۔

(حیات صوفیہ ص:۱۳۰)

ہم جامع ترمذی ج:۱،ص:۱۴ کی یہ روایت کہیں پیچھے لکھ آئے ہیں:۔

وروی بقیة عن ابراهیم بن ادهم عن مقاتل بن حیان عن شهر بن حوشب عن أبی هریرة وهذا حدیث مفسر

امام نسائی آپ کو ثقہ مامون اور احد الزھاد کہتے ہیں (البدایہ ج:۱۰،ص:۱۳۵)۔ حافظ ابن کثیر آپ کو احد مشاہیر العباد واکابر الزھاد فرماتے ہیں (ایضاً)۔ یہاں عباد وزہاد کا ذکر اسی پیرایہ میں ہے جس طرح آج یہ لوگ صوفی اور باعمل سمجھے جاتے ہیں۔

(۴)۔خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ کو لیجئے۔حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

عبد الواحد بن زید البصری الزاهد شیخ الصوفیة واعظم من لحق الحسن وغیره (لسان المیزان ج:۴،ص:۸۰)

(۵)۔ابوبکر بن ابی عاصم احمد بن عمرو (۲۸۷ھ) آپ کس پائے کے محدث تھے، اسے حافظ ابن کثیر سے سنیں:۔

کان حافظا و قد ولی قضاء اصفهان بعد صالح بن احمد و قد طاف البلاد قبل ذلک فی طلب الحدیث و صحب ابا تراب النخشی وغیره من مشائخ الصوفیة (البدایہ ج:۱۱،ص:۸۴)

ترجمہ: آپ حافظ حدیث تھے، اصفہان میں صالح بن احمد کے بعد قاضی بنے اور اس سے پہلے طلب حدیث میں کئی ملکوں میں گھومتے رہے آپ نے ابوتراب نخشی اور دوسرے مشائخ صوفیہ کی صحبت پائی۔

له مصنفات فی الحدیث کثیرة منها کتاب السنة فی احادیث الصفات علی طریق السلف.

حدیث میں آپ کی بہت سی تالیفات ہیں، ان میں کتاب السنہ سلف کے طرز پر احادیث صفات پر مشتمل ہے۔

(۶)۔محمد بن عبداللہ ابوبکر الدقاق (۲۹۰ھ) کا ذکر کس طرح ہوا ہے، اسے دیکھئے:

احد الائمة الصوفیة و عابدهم روی عن الجنید (ایضاً ج:۱۱،ص:)

(۷)۔حضرت جنید بن محمد الجنید ابوالقاسم الخزار (۲۹۸ھ)

سمع الحدیث من الحسین بن عرفة و تفقه بابی ثور ابراهیم بن خالد الکلبی و کان یفتی بحضرته وعمره عشرون سنة .... و تکلم علی طریقة الصوفیة (ایضاً ج:۱۱،ص:۱۱۳)

ترجمہ: آپ نے حسین بن عرفہ سے حدیث سنی اور ابوثور ابراہیم بن خالد سے فقہ پڑھی اور آپ ان کی موجودگی میں فتوی دیتے تھے درانحالیکہ آپ بیس سال کے تھے اور صوفیہ کے طریق پر تربیت کرتے تھے۔

(۸)۔احمد بن عبدالمومن ابوجعفر الصوفی (۲۵۹ھ)۔محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم ان کی بہت تعظیم کرتے تھے (لسان المیزان ج:۱،ص:۲۱۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اور صوفیہ ہرگز دو متوازی لائن کے بزرگ نہیں، بیشتر وہ تھے جو شریعت وطریقت ہر دو کا مجمع البحرین تھے۔

(۹)۔ابوعبداللہ الصوفی احمد بن الحسن بن عبد الجبار (۳۰۶) حضرت عثمان بن ابی شیبہ اور امام یحیٰ بن معین کے شاگردوں میں سے ہیں۔ حافظ ابن عبد البر حدیث وقبلوا الهدیة کی سند اس طرح لائے ہیں:۔

حدثنا احمد بن عبد الجبار الصوفی حدثنا بن ابی شیبة

(کتاب التمهید ج:۴،ص:۲۹۷،فیض القدیر شرح جامع صغیر ج:۱،ص:۱۶۴)

حافظ ابن عبدالبر نے کتاب التمهید ج:۸،ص:۱۷۶ پر ان صوفیوں کی تردید کی ہے جو قطع الاکتساب کے قائل ہوئے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل تصوف غیر معروف حضرات ہرگز نہ تھے اور یہ کہ ان میں کئی خیال کے لوگ موجود تھے۔

حضرت امام بخاری کے تین سال بعد احمد بن عبدالمومن ابوجعفر الصوفی (۲۵۹ھ) کا انتقال ہوا، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ (ذکرہ الحافظ فی لسان المیزان ج:۱،ص:۲۱۷)

(۱۰)۔محمد بن احمد بن القاسم الرودباری (۳۲۲ھ) کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

صحب الجنید وسمع الحدیث وحفظ منه کثیرا وتفقه بابی الحوبی (البدایہ ج:۱۱،ص:۱۸۰)

آپ حضرت جنید کی صحبت میں بیٹھے اور حدیث سنی اور اس میں بہت سی احادیث اپنی یادداشت میں لیں اور آپ نے فقہ ابراہیم حربی سے پڑھی۔

(۱۱)۔ابو محمد جعفر المرتعشی (۳۲۸ھ)

احد المشائخ الصوفیة کذا ذکره الخطیب (ایضاً)

(۱۲)۔علی بن محمد ابوالحسن المزین الصغیر (۳۲۸ھ)

احد مشائخ الصوفیة وصحب الجنید وسهلا التستری (ایضاً)

(۱۳)۔ابوجعفر احمد بن حمدان الحیری حافی (۳۱۱ھ)۔علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

الحافظ الزاهد... کان الجنید یکاتبه (تذکرہ ج:۲،ص:۷۶۱)

(۱۴)۔ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد بن بشیر بن درہم البصری الصوفی (۳۴۵ھ)، طبقات النساک کے مصنف ہیں۔حافظ ذہبی انہیں الحافظ الزاهد لکھتے ہیں۔

(۱۵)۔محمد بن داود بن سلیمان (۳۴۲ھ) الحافظ الزاهد الحجه شیخ الصوفیة کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔آپ امام نسائی کے شاگرد اور امام حاکم کے استاد ہیں۔دارقطنی انہیں ثقہ فاضل کہتے ہیں (تذکرہ ج ۳ ص ۹۰۱)۔

(۱۶)۔ابوبکر محمد بن جعفر غندر بغدادی (۳۵۷ھ)

آپ ممتاز حافظ حدیث ہیں۔امام طحاوی (۳۲۸ھ) اور امام ابویعلی الموصلی کے شاگرد تھے۔آپ امام دارقطنی اور امام حاکم کے استاد تھے۔ هو صوفی محدث حوال لقی الجنید (تذکرۃ ج:۳،ص:۹۶۱)

(۱۷)۔محمد بن داود ابوبکر الصوفی (۳۶۰ھ) کے تذکرہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

سمع الحدیث من محمد بن جعفر الخرائطی
(البدایہ ج:۱۱،ص:۲۷۱)

(۱۸)۔ حافظ ابوالفضل نصر بن محمد الطوسی (۳۸۳ھ) کا تذکرہ دیکھئے:۔
اماما فی علوم الصوفیة و اخبارھم (تذکرہ ج:۳،ص:۱۰۱۶)
آپ علم تصوف اور صوفیہ کرام کے حالات جاننے میں اپنے وقت کے امام تھے۔
ابوعمرو الزاہد محمد بن جعفر (۳۶۰ھ) کے ذوق حدیث اور قبرستانوں میں وقت گذارنے پر نظر فرمادیں:

سمع الکثیر ورحل الی الافاق المتباعدة وسمع منه الحفاظ الکبار کان فقیرا متقللا یضرب اللبن بقبور الفقراء ویتقوت برغیف وجزرة او بصلة ویقوم اللیل کله (البدایہ ج:۱۱،ص:۲۷۱)

ترجمہ: آپ نے بہت حدیث سنی اور دور دراز کا سفر کیا اور آپ سے بڑے بڑے حفاظ حدیث نے حدیث کی سند لی۔ آپ بہت تنگ دست درویش تھے، درویشوں کی قبروں کے پاس جھونپڑیاں بنائے رکھتے تھے، ایک روٹی اور ایک ٹکڑا گوشت یا ایک روٹی اور پیاز پر گذارا کرتے اور ساری ساری رات قیام کرتے۔

(۱۹)۔ امام بیہقی کے استاد منصور بن عبدالوہاب صوفی کے نام سے ہی معروف تھے۔ امام بیہقی (۴۵۸ھ) کہتے ہیں کہ میں نے صوفی صاحب کو ابوعمرو محمد بن حمدان بخاری سے روایت کرتے سنا:۔

حدثنا منصور بن عبدالوهاب الصوفی قال اخبرنا ابو عمرو محمد بن احمد بن حمدان البخاری قال اخبرنا ابو اسمعیل الترمذی (دلائل النبوۃ ج:۲،ص:۵۵۹)

آیئے اب پانچویں صدی میں چلیں۔

(۲۰)۔ حافظ ابوسعد احمد بن محمد الانصاری الہروی الصوفی (۴۱۲ھ) آپ امام بیہقی اور خطیب کے استاد تھے۔ حافظ ذہبی آپ کو من کبار الصوفیة وله کتاب اربعین الصوفیة کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔

(۲۱)۔ شیخ الاسلام عطیہ بن سعید ابومحمد الاندلسی المغربی القصی الصوفی (۴۰۸ھ)
آپ سماع کے حق میں تھے۔ آپ نے اس پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔

حدث الصحیح البخاری بمکۃ و کان یتکلم علی الرجال
واحوالھم و کان صوفیا (تذکرۃ ج:۳، ص:۱۰۱۶)

(۲۲)۔ ابونعیم الصوفی (۴۳۰ھ) آپ تاریخ اصفہان کے مؤلف ہیں۔ آپ کی ایک تالیف المستخرج علی البخاری وعلی مسلم بھی ہے۔

(۲۳)۔ احمد بن عبدالمالک ابوصالح (۴۷۰ھ)

الحافظ محدث وقتہ فی خراسان ھو صوفی حافظ متقن
(تذکرہ ج:۳، ص:۱۱۶۲)

(۲۴)۔ ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد شیخ الاسلام الانصاری الہروی (۴۸۱ھ) حضرت ابوایوب انصاری کی اولاد میں سے تھے۔ القعود مع الصوفیۃ فی الخانقاہ (تذکرہ ج:۳، ص:۱۰۸۳) صوفیہ کرام کے ساتھ خانقاہوں میں بیٹھنا آپ کا معمول رہا۔

(۲۵)۔ ابومحمد عبدالعزیز احمد الدمشقی الصوفی الکتانی ثقۃ امین (ایضاً ص:۱۱۷۰)
اب چھٹی صدی ہجری میں چلیں۔

(۲۶)۔ ابویعقوب یوسف بن احمد الصوفی مفید بغداد وشیخ الصوفیۃ بالرباط الارجوانی (۵۸۵ھ)۔ (ایضاً ج:۴، ص:۱۳۵۶)

(۲۷)۔ عثمان بن مرزوق ابوعمرو (۵۹۲ھ)

سمع الحدیث ورواہ .... لہ کرامات واحوال و مقامات و
کلام حسن علی لسان اھل الطریقۃ
(الذیل علی طبقات الحنابلہ ج:۱، ص:۳۰۶)

آپ نے حدیث کی سماعت کی اور اسے روایت کیا.... آپ صاحب
کرامات، صاحب احوال اور صاحب مقامات تھے اور اہل طریقت
کے مطابق آپ کے کلماتِ نصائح بہت معروف ہیں۔

(۲۸)۔ امام العصر وسید اہل الطریقۃ فی وقتہ الشیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) امام الحنابلہ و شیخھم (ایضاً ص:۲۹۱)

ساتویں صدی کے اہل سیر محدثین میں امام ابن الصلاح (۶۵۳ھ)، امام نوی (۶۷۶ھ)، ابن اثیر الجزری (۶۰۶)۔ آٹھویں صدی کے علماء حدیث میں تاج الدین سبکی (۷۷۷ھ)، حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)، حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)، حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)، علامہ ذہبی (۷۴۷ھ) اور نویں صدی کے محدثین میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)، علامہ عینی (۸۵۵ھ)، حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) اور حافظ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) سرفہرست ہیں۔

آیئے اب ساتویں صدی کے علماء حدیث میں صوفیہ کرام کو بیٹھے دیکھیں۔

(۲۹)۔ عبدالواحد الصوفی (۶۳۹ھ) کا مقابر صوفیہ میں دفن کا ذکر ملتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں صوفیہ کرام کثیر تعداد میں پائے جاتے تھے اور عوام میں صوفی کا لفظ اور اس کا مصداق کوئی ڈھکے چھپے لوگ نہ تھے پھر زین لامراء کے ترجمہ میں بھی اس مقابر صوفیہ کا ذکر موجود ہے (البدایہ ج: ۱۳، ص: ۱۲۸)۔ جمال الدین علی بن حدید (۶۳۶ھ) مقابر صوفیہ میں الصوفی کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

لقد كان قسا راهبا فى كنيسة مريم سبعين سنة اسلم قبل موته بايام ثم توفى شيخا كبيرا بعد ان اقام بخانقاه السميسساطية اياما و دفن بمقابر الصوفية (البدايه ج: ۱۳، ص: ۱۵۸)

ترجمہ: آپ گرجا میں ستر سال درویش اور راہب کے طور پر رہے اپنی موت سے کچھ دن پہلے آپ ایمان لائے اور خانقاہ سمیساطیہ میں کئی دن ٹھہرے اور بڑے بوڑھے ہو کر وفات پائی اور مقابر صوفیہ میں مدفون ہوئے۔

(۳۰)۔ محمد بن احمد عبداللہ بن عیسیٰ (۶۵۸ھ) ایک بڑے محدث گذرے ہیں۔ حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

كان حفظ كثيرا من الحديث النبوى مشهورا بذالک

(الذیل علی طبقات الحنابلہ)

ترجمہ: آپ نے بہت احادیث نبویہ یاد کر رکھی تھیں اس بات میں مشہور تھے۔

آپ تصوف کے کس اونچے مقام پر تھے اسے دیکھیں:۔

وكان ذا احوال وكرامات و اوراد و كان لايرى اظهار

الكرامات ويقول كما اوجب الله على الانبياء اظهار المعجزات اوجب الله على الاولياء اخفاء الكرامات

ترجمہ: آپ بہت احوال وکرامات والے بزرگ تھے آپ کے کئی اوراد تھے اور آپ اظہار کرامات کو جائز نہیں سمجھتے تھے، آپ فرماتے... جیسا کہ اللہ نے انبیاء پر معجزات کا اظہار ضروری قرار دیا ہے اولیاء پر کرامات کا اظہار نہ کرنا ضروری ٹھہرایا ہے۔

(۳۱)۔الشیخ عبداللہ الیونینی (۶۱۷ھ) آپ اسد الشام (ملک شام کے شیر) کے لقب سے مشہور تھے اور صاحب احوال ومکاشفات تھے۔ كانت له احوال و مكاشفات صالحة (البدایہ ج:۱۳،ص:۹۳)

آپ امام طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے مجاہد بھی تھے۔ حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

وكان لا ينقطع عن غزوة من الغزوات وله احوال و كرامات كثيرة جدا.

ترجمہ: آپ غزوات میں سے کسی غزوہ سے کبھی پیچھے نہ رہتے تھے اور آپ کے بہت سے احوال اور کرامات مروی ہیں۔

(۳۲)۔امام طریقت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد عبداللہ (۶۳۰ھ) صاحب العوارف المعارف.... شیخ الصوفیہ ببغداد۔

(۳۳) شیخ عبداللہ الارمنی (۶۳۱ھ) آپ نے پوری قدوری حفظ کر رکھی تھی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

حفظ كتاب القدورى على مذهب ابى حنيفة (البدایہ ج۱۳)

طریقت میں اس درجہ کے بزرگ تھے کہ اقطاب وابدال سے ان کا عام ملنا ہوتا تھا۔

اجتمعوا بالاقطاب والابدال والاوتاد وممن كانت له الاحوال و المكاشفات و المجاهدات (ایضاً)

(۳۴)۔شیخ محمد الفقیہ الیونینی الحنبلی (۶۵۸ھ) آپ موفق بن قدامہ الحنبلی کے شاگرد تھے۔علم حدیث میں بہت اُونچے درجے کے آدمی تھے۔

برع فی علم الحدیث وحفظ المجمع بین الصحیحین وحفظ قطعة من مسند احمد وکان یعرف العربیة (البدایہ ج:۱۳)

ترجمہ: آپ علم حدیث میں کمال تک پہنچے۔ جمع بین الصحیحین حفظ کی اور مسند احمد کا بھی ایک حصہ یاد کیا اور آپ عربیت کا بھی خاصا شوق رکھتے تھے۔

(۳۵)۔ ابوالعباس عزالدین شیخ الفاروقی (۶۹۴ھ)

حدث بالکثیر وسمع منه البرزانی کثیرا صحیح البخاری وجامع الترمذی و سنن ابن ماجه ومسند شافعی و مسند عبد بن حمید ومعجم الطبرانی و مسند الدارمی.

اور طریقت میں آپ نے شیخ سہروردی سے خرقہ خلافت پہنا:۔

کان قد لبس خرقة التصوف من السهروردی

(ایضاً ج:۱۳، ص:۳۴۲)

(۳۶)۔ علی بن مسعود ابوالحسن الموصلی ثم الحلی (۷۰۴ھ)

الصوفی المحدث الحافظ الزاهد ... فقیهاعلی مذهب احمد (الذیل ج:۲، ص:۳۵۱)

(۳۷) محمد بن عبداللہ بن عمر البغدادی المقری المحدث الصوفی:

لبس خرقة التصوف من السهروردی وحدث بالکثیر

(الذیل ج:۲، ص:۳۵۳)

ترجمہ: آپ نے خرقۂ تصوف شیخ سہروردی سے پہنا اور بہت حدیث روایت کی۔

(۳۸) علی بن محمد الشہرانی ثم البغدادی

الفقیه المحدث الزاهد.... سمع من الشیخ المعارف الیعقوبی ولبس منه الخرقة (الذیل ج:۲، ص:۲۸۲)

(۳۹)۔ فخرالاسلام صدرالدین ابراہیم بن محمد الخراسانی الجوینی (۷۲۲ھ) شیخ الصوفیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ (تذکرہ)

(۴۰)۔ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم فخرالدین الفارسی (۶۲۲ھ)

كان صوفيا محققا فاضلا بارعا فصيحا بليغا سمع وحدث...
له مصنفات في الاصول والكلام (طبقات ج:۲،ص:۱۴۰)

(۴۱)۔ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالصغار (۳۳۹ھ)

قال الحاكم كان محدث عصره بخراسان زاهدا مجاب الدعوة لم يرفع رأسه الى السماء نيفا و اربعين سنة

(طبقات الشافعیہ لعبدالرحیم الاسنوی ج:۲،ص:۴۲)

ترجمہ: امام حاکم کہتے ہیں کہ آپ خراسان میں اپنے وقت کے بڑے محدث تھے اور زُہد اختیار کیے ہوئے تھے، آپ کی دعا قبول تھی۔ (حیا میں یہ حال تھا کہ) چالیس سال سے زیادہ آپ آسمان پر دیکھ نہ پائے۔

یہ سات صدیوں کا سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے لا رکھ دیا ہے۔ آٹھویں صدی کے بھی کچھ بزرگ آپ کو ان میں ملیں گے۔ سو یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کی ان آٹھ صدیوں میں اہل شریعت (محدثین) کبھی اہل طریقت سے کٹے نہیں رہے نہ طریقت کو ان صدیوں میں کبھی بدعت کی کوئی راہ سمجھا گیا ہے۔

نہایت افسوس ہے کہ اس دور میں کوئی اہلحدیث (باصطلاح جدید) تصوف کا کھلے بندوں انکار کرتے ہیں اور اپنی بات کو پرزور بنانے کے لیے کچھ بدعتی پیروں کے قصے انہیں یاد ہوتے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ کھوٹے سکے وہیں بنتے ہیں جہاں کھرے سکے پہلے سے چلے آرہے ہوں اس سلسلے میں یہ سات صدیوں کا سرمایہ آپ کے سامنے ہے۔
وكفى بالله شهيدا

فقہاء عظام اور صوفیہ کرام

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

فقہاء بحر شریعت کے شناور، علمی دریاؤں کی گودی میں چلنے والے اور استنباط اور استخراج سے شریعت کے موتیوں کو چننے والے ہیں۔ ختم نبوت کے بعد یہ حضرات (فقہاء) ہیں جو علم دین کو ہر دور کے نئے تقاضوں میں اپنے اجتہادات کے ساتھ آگے لاتے رہے، یہی حضرات ہیں جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے لائے دین کو انسان کی ہر ضرورت میں کافی و وافی اور ایک مکمل ضابطہ حیات ثابت کرنے کے ذمہ دار رہے ہیں اور ہماری علمی تاریخ اس پر ناز کرتی ہے کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری ادا کی۔

اولیاء اللہ لوگوں کو اصلاح باطن کی محنت سے براہ راست اللہ تعالیٰ کی محبت کی گود میں لا بٹھاتے ہیں، انہیں نہ آئندہ کسی بات کا خوف ہوتا ہے اور نہ یہ پہلے کے قضاء و قدر کے کسی فیصلے پر غمگین ہوتے ہیں، رضاء بالقضاء ان کا امتیاز ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت دلوں میں بھڑکانا اور اللہ تعالیٰ کی آغوشِ محبت میں انہیں لا بٹھایا۔ ان کی سب سے بڑی سعادت ہوتی ہے، ان کی بڑی آرزو یہ سننے میں آتی ہے:۔

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوشِ محبت میں بٹھا

اس میں کچھ شک نہیں کہ فقہاء کا میدانِ عمل علم فقہ ہے اور اولیاء اللہ کا میدان عمل ذکر واذکار سے دلوں پر محنت کرنا اور انہیں گرمانا ہے۔ وظائف و اوراد سے دلوں کو جگانا اور

سلوک واحسان کی منزلوں میں منزل بہ منزل لے چلنا ہے۔ اعمال فقہ میں تدریج نہیں سب پر بیک وقت عمل مطلوب ہے۔ سلوک واحسان میں تدریج ہے، یہاں منزل بہ منزل چلنا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں نسبتوں میں تباین ہے، ایسا ہرگز نہیں فقہاء بھی اولیاء اللہ ہیں لیکن ان میں نسبت ولایت کا رنگ شوخ نہیں ہوتا، کسی کو پتہ چلتا ہے کسی کو نہیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب اولیاء کرام فقہاء بھی ہوں، اس صورت میں انہیں فقہاء کے ماتحت رہنا پڑتا ہے اور مسائل میں وہ انہیں کی تقلید کرتے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

صوفیاء کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں ہے، اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں اس معاملہ (حلت و حرمت) میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل۔ (مکتوبات دفتر اول ص:۲۰۲)

محدثین اس بحث میں کہ کیا پیغمبر سے کوئی بھول ہوسکتی ہے، صوفیہ کا یہ قول لکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا پھر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی اقتداء امت میں ہوتی آئی ان میں سے کسی نے یہ نہیں لکھا اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مسائل میں صوفیہ کی بات حجت نہیں ہے۔ اور یہ بات ان میں سے جن کی امت میں پیروی چلی آتی ہے کسی نے نہیں کہی۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

قال بعض الصوفية و متابعيهم لايجوز السهو عليه اصلا فى شيئ... ولم يقل بهذه احد ممن يقتدى به

(شرح صحیح مسلم ج:۱، ص:۲۶۷)

اس سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اُن دنوں صوفیہ کرام عالمی سطح پر موجود تھے گو ان کی بات مسائل میں دوسروں پر حجت نہ سمجھی جائے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ایک بحث میں حضرت بابا فرید شکر گنج اور حضرت محبوب سبحانی نظام الدین اولیاء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

یہ اکابر طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں علم فقہ اور شریعت کے امام نہیں، اس کے امام حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام محمد اور امام ابو یوسف اور فقہاء کرام ہیں۔ اس بارہ میں ان کا قول وفعل حجت ہو

گا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور جنید بغدادی، حضرت خواجہ بہاء
الدین نقشبندی، حضرت معین الدین کے اقوال اور فتویٰ اور اعمال
حجت نہ ہوں گے۔ اگر چہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے
پہاڑ ہیں لکل فن رجال رحمهم اللہ تعالیٰ (مکتوبات شیخ الاسلام
ج:۳، مکتوب نمبر:۸۹)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

جب فقہ کا مسئلہ آئے تو دریں جا محمد بن الحسن الشیبانی می باید اور جب
تصوف کا مسئلہ آئے تو دریں جا شبلی و بایزید۔ یہ تو حدود ہیں لہٰذا ہر حد
میں جو اس فن کا ماہر ہوگا اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ نظم شریعت
کی ذمہ داری علماء اور فقہاء کے ذمہ عائد ہوتی ہے۔

(مجالس حکیم الاسلام ص:۱۲۸)

فقہاء ولایت کے اونچے مقام پر

مجدد مأۃ دہم امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) حضرت علامہ کردری سے نقل کرتے ہیں:۔

**ان لم تكن في الدنيا والآخرة العلماء والفقهاء اولياء الله تعالىٰ
فليس لله ولي قال الله الله ولي الذين آمنوا والعلماء والفقهاء
اشد معرفة بالله تعالىٰ** (مرقات شرح مشکوۃ ج:۱، ص:۳۰۴)

ترجمہ: دنیا اور آخرت میں اگر علماء اور فقہاء اللہ کے ولی نہیں تو پھر سمجھ لو
کہ کوئی شخص اللہ کا ولی نہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ ایمان والوں کا
ولی ہے تو علماء اور فقہاء تو بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء کرام اور علماء عظام کو بظاہر بزرگ نہ دکھائی دیں لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت میں وہ بہت آگے ہوتے ہیں اور مقام ولایت میں بھی کچھ کم نہیں ہوتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں:۔

**فضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر الكواكب ان
العلماء ورثة الانبياء**

(جامع ترمذی ج:۲، ص:۹۳. باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، سنن دارمی ج:۱، ص:۱۱۰)

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند ستاروں پر ممتاز ہے۔

بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔

یہاں امام ترمذی کے نزدیک عالم سے مراد فقیہ ہے جیسا کہ امام ترمذی کی تبویب سے ظاہر ہے۔ چاند کی روشنی اپنی نہیں ہوتی سورج سے مستفاد ہوتی ہے، فقیہ کی دینی بات بھی اس کی اپنی نہیں ہوتی وہ اپنی ہر اجتہادی بات کو علم نبوت سے کشید کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ آفتاب علم ہیں تو فقہاء اس امت کے چاند ہیں اور عابد وہ ستارے ہیں جو طلوع وغروب میں چاند کے تابع ہو کر چلتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

تدارس العلم ساعة من الليل خير من احيائها رواه الدارمی

مشکوۃ ص: ۳۶)

ترجمہ: ایک گھڑی علم کا پڑھنا پڑھانا ساری رات جاگتے رہنے سے بہتر ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک فقہ جاننے والا شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک ہزار نمازیوں پر شیطان کا داؤ چل سکتا ہے مگر ایک فقیہ پر نہیں۔ آپ تجربتاً اس بات کی تصدیق کریں گے کہ شیطان کا وار زیادہ تر انہی لوگوں پر چلتا ہے جو فقہ جاننے والے نہیں، نہ وہ کسی فقیہ کے ماننے والے ہوتے ہیں۔

یہ صرف عالم اور عابد کی بات تھی رہا مقام ولایت کا سالک جسے صوفیہ کی اصطلاح میں ولی کہتے ہیں تو وہ شریعت کی سب منزلوں کو علماً اور عملاً طے کر کے ولایت کے درجات پر آتا ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت امام ملاعلی قاری قدس سرہ لکھتے ہیں:۔

ان بدايته ان يكون متصفا بنهاية ما ثبت بالنبوة علما و عملاً وتعليما على شريطة الاخلاص واما نهايته فالذی يمكن ان يعبر عنه وهو ان يصير مستغرقا فی مشاهدة مولاه وفانيا عما سواه (مرقات ج:۱، ص:۳۰۴)

ترجمہ: راہ نبوت سے جو چیزیں علما عملا اور تعلیما آخری درجے میں ملیں ان سے وہ شروع میں ہی پورے اخلاص سے متصف ہوئے اور اس کی انتہا یہ ہے جسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مولا پروردگار کے

مشاہدہ میں ڈوبے رہے اور اس ایک کے سوا باقی ہر چیز کو کالعدم سمجھے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلوک و معرفت ہرگز شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ نہیں، عارف شریعت کے تقاضے پورے کر کے ہی اس مقام میں قدم رکھتا ہے اور پھر تازیست شریعت کی پابندیاں اس پر قائم رہتی ہیں۔

شریعت کا درجہ حقیقت سے اُونچا ہے

شریعت تو ایک راہ ہے اللہ کے قرب میں بڑھنے کی، اس میں اہل سلوک میں عملی اختلاف بھی ہوسکتا ہے مگر شریعت وہ چیز ہے جس میں دو قول نہیں ہوسکتے۔ شریعت کا درجہ اتنا اونچا ہے کہ اسے حقیقت پر بھی غالب کیا جائے گا۔

ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء سے زنا کا دعویٰ کیا حضور ﷺ نے اس پر گواہ طلب کیے گواہ ان کے پاس نہ تھے اب ان پر حد قذف آتی تھی، ہلال بن امیہ نے کہا خدا کسی طرح میری مدد ضرور فرمائے گا اس دوران قرآن کریم کی آیت لعان اتری۔ ہلال بن امیہ نے آپ کے پاس آکر اپنے دعویٰ پر قسم اٹھائی پھر اس کی بیوی اٹھی اور اس نے بھی چار دفع قسم اٹھالی جب وہ پانچویں دفعہ کہنے پر آئی تو وہ کچھ رک رہی تھی لوگوں نے اس بار اُسے روک دیا اس نے کہا کہ آج میں اپنے خاندان کو رسوا نہ ہونے دوں گی۔ وہ پانچویں بار کہنے کے لیے تیار تھی اور اس نے وہ کہہ دی اور چلی گئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

ابصروها فان جاءت به اکحل العینین سابغ الالیتین خدلج الساقین فهو لشریک بن سمحاء فجاءت به کذلک فقال النبی ﷺ لولا ما مضیٰ من کتاب اللّٰه لکان لی ولها شان رواه البخاری (مشکوٰۃ ص:۲۸۶)

ترجمہ: تم دیکھتے رہنا اگر بچہ سرگیں آنکھوں والا۔ ابھرے سرینوں والا اور ابھری پنڈلیوں والا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کا ہے۔

بچہ جب پیدا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کی شکل وصورت والا تھا، حقیقت ظاہر تھی مگر حضور ﷺ نے شریعت کو حقیقت پر غالب قرار دیا اور اسے فرمایا:۔

لولا ما مضی من کتاب اللّٰه لکان لی ولها شان

(صحیح بخاری ج:۲، ص:۷۹۸، مشکوٰۃ ص:۲۸۶)

ترجمہ: اگر اللہ کی کتاب کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ لعان کرنے والوں پر تعزیر نہیں تو آج اس عورت پر کیا گذرتی اور اپنی بات تو میں کہہ چکا تھا۔

جو کچھ قرآن نے کہا وہ شریعت ہے اور جو بات علامات سے ظاہر ہو رہی تھی وہ حقیقت تھی، شریعت میں اور کئی حکمتیں ہو سکتی ہیں جن تک ہمارے ذہن نہ پہنچ سکے ہوں۔ حضورﷺ نے شریعت کو حقیقت سے بھی آگے جگہ دی اور بات کھول دی کہ شریعت کا درجہ حقیقت سے بھی اُونچا ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں:۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور وحی سے حقیقت حال منکشف ہو گئی تھی باوجود تیقن حقیقت کے آپ نے بوجہ اس کے کہ قانون شرعی (لعان کا قانون) اس حقیقت پر عمل کرنے سے مانع تھا، مقتضائے حقیقت مکشوفہ کو ترک فرما دیا اس میں بہت بڑا مسئلہ ثابت ہو گیا۔ جس میں اصلاح ہے عقیدہ وعمل کی کہ شریعت کو حقیقت پر ہمیشہ ترجیح دی جائے

(التکشف ص: ۲۸۴)

پس جب حقیقت بھی شریعت کے مقابلہ میں نہیں آسکتی تو جو لوگ طریقت کی آڑ میں شریعت کے خلاف چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء کے مقابل ہم اہل طریقت ہیں، وہ سمجھ لیں کہ آخرت میں ان کا کیا مقام ہو گا۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ اپنی نسبت یہ کہتے ہیں کہ **نحن وصلنا فلاحاجة الى الصلوة والصوم** یعنی اب ہم پہنچ گئے اس لئے اب ہم کو نماز، روزے وغیرہ کی ضرورت نہیں، آپؒ نے جواب میں فرمایا **صدقوا فی الوصل ولکن الی السقر** پہنچنے میں تو سچے ہیں لیکن وہ جہنم میں پہنچے ہیں (وعظ مضار المعصیت ص: ۳۰ للشیخ حکیم الامہ التھانوی)

کیا اہل فقر اور کیا اہل تکوین، کیا اہل ولایت اور کیا اہل طریقت، شریعت کی بالا دستی کا ہر ایک نے اقرار کیا ہے۔ تاہم اس سے بھی ہم انکار نہیں کر سکتے کہ روح کے نقشوں نے روحانیت کے گرد ہمیشہ پہرہ دیا ہے اور یہ دنیا ہمارے احساسات کی دنیا سے بہت بالا ہے۔ انشاء اللہ اس پر ہم آگے کسی جگہ تفصیل سے بات کریں گے۔ یہاں فقہاء میں اہل طریقت ملاحظہ فرمائیں۔

فقہاء احناف میں اہل طریقت

یہ بات جاننے کے بعد کہ طریقت ہرگز شریعت کا غیر نہیں یہ بات خود بخود ذہن میں آجاتی ہے کہ محدثین اپنے علمی موضوع میں صرف روایات کے امین رہے لیکن خدا کی محبت تزکیۂ قلب اور سیر وسلوک کی جہت سے ان میں بھی اچھے خاصے صوفی موجود رہے ہیں اسی طرح فقہاء کرام ہیں ان کا علمی موضوع فہم حدیث اور استنباط مسائل رہا ہے لیکن زہد وتقوی، صفائی قلب اور سیر سلوک میں بھی ان میں سے بہت اہل طریقت ملتے ہیں گو ان حضرات کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے لیکن اس باب کی مناسبت سے ہم یہاں بھی ان اہل ولایت کی مختصر فہرست پیش کئے دیتے ہیں۔

(۱)۔امام داؤد طائی (۱۶۱ھ) سنن نسائی کے راویوں میں سے ہیں، آپ امام اعظم ابوحنیفہ کی مجلس شوریٰ کے رکن ہونے کی حیثیت سے اونچے درجے کے فقیہ بھی ہیں۔آپ کا اہل طریقت میں سے ہونا صوفیہ کرام کے ہاں متواترات میں سے ہے، اس پر کوئی حوالہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں بایں ہمہ اس میں بھی کوئی شک نہیں آپ امام اعظم ابوحنیفہ کی فقہی مجلس کے مشیروں میں سے ایک تھے۔

(۲)۔اب ذرا آگے چلئے۔امام ابوالحسن الکرخی (۳۴۰ھ) فقہ میں امام طحاوی کے اقران میں سے ہیں۔امام جصاص رازی اور امام قدوری کے اساتذہ میں سے ہیں ان کے بارے میں مراۃ الجنان میں لکھا ہے:۔

كان اماما قانعا متعففا عابدا صواما كبير القدر

(الفوائد البہیہ ص:۱۰۹)

ترجمہ: آپ امام تھے اور بہت قناعت پسند، پرہیزگار، عبادت گذار، روزہ دار اور بڑی قدر کے آدمی تھے۔

(۳)۔شیخ علی بن محمد بن عبدالکریم البزدوی (۴۹۳ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

فقيه ماوراء النهر واستاذ الائمة وصاحب الطريقت (ایضاً ص:۱۲۵)

یہاں طریقت کا لفظ صریح پیرایہ میں موجود ہے۔

(۴)۔شیخ احمد بن اسعد البخاری دو واسطوں سے صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں، وہ

بھی اہل طریقت میں سے تھے۔

سید العلماء منبع الزهد والتقوىٰ معدن الفقه والفتوىٰ
صاحب الكرامات العلية والمقامات السنية (ایضاً ص:۱۵)

(۵)۔ ابن ملک کس مقام کے فقیہ تھے، کون نہیں جانتا۔ آپ کی حدیث کی کتاب مبارق الازہار اُونچے پائے کی کتاب ہے، مشارق الانوار کی عمدہ شرح ہے۔ مولانا ابوالحسنات عبدالحي لکھنوی نے طبقات حنفیہ میں ان کا نمایاں ذکر کیا ہے، مولانا لکھنوی آپ کے اہل طریقت میں سے ہونے کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

وقال في الشقائق رايت له رسالة لطيفة في علم التصوف تدل
على ان له حظا عظيما من معارف الصوفية (ایضاً ص:۱۰۷)

ان حضرات کے علم تصوف پر مستقل رسائل اور معارف صوفیہ میں دلچسپی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ تصوف ہرگز کوئی ایسا موضوع نہیں جو صرف درویش ہی جانیں، اس درجے کے بلند پایہ فقہاء بھی صوفیہ کرام میں سے ہوتے تھے۔

(۶)۔ عمر بن اسحٰق بن احمد ابوحفص (۷۷۳ھ) زاہد شہیر علامہ وجیہ الدین دہلوی کے شاگرد ہیں۔ مولانا عبدالحي آپ کی تالیفات کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

شرح تائيه ابن الفارض وكتاب في الخلاف وكتاب التصوف
وذكر القارى من تصانيفه شرح المنار وشرح المختار
ولوائح الانوار في الرد على من انكر على العارفين لطائف
الاسرار (ایضاً ص:۱۴۹)

ابوحفص عمر ابی الحسن علی بن المرشد ابن الفارض (۶۳۲ھ) کے قصیدہ تائیہ کی عمر بن اسحٰق (۷۷۳ھ) نے شرح لکھی ہے۔ عمر بن اسحٰق نے تصوف پر یہ دو کتابیں لکھیں (۱) شرح کتاب التصوف (۲) لوائح الانوار فی من انکر لطائف الاسرار۔

(۷)۔ شیخ عبداللہ الٰہی (۸۹۶ھ) اناطولیہ کے معروف فقہاء میں سے ہیں، آپ خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مزار کے پاس مدتوں معتکف رہے۔ الشقائق النعمانیہ فی الدولہ العثمانیہ میں ہے:۔

ذهب باشارة شیخه الی بخاری واعتکف هناک عند قبر خواجه بهاء الدین نقشبند و تربی من روحه ثم ذهب باشارة شیخه الی بلادالروم (ایضاً ص: ۱۴۵)

ترجمہ: آپ اپنے شیخ طریقت کے حکم سے بخارا گئے اور وہاں خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مزار کے پاس اعتکاف فرمایا اور آپ کی روح سے تربیت پائی۔ پھر شیخ کے حکم سے بلاد روم پہنچے۔

(۸)۔علی بن احمد الجمالی (۹۳۲ھ) آپ ارونہ اور روس میں سلطان محمد خان بایزید خان کے دور میں فقہ وحدیث کے استاذ اور مفتی رہے۔آپ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ صاحب کرامات تھے۔(الفوائد ص ۱۱۸)

(۹)۔محدث شہیر علامہ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں محدث شہیر اور بے مثال فقیہ گذرے ہیں۔صحیح بخاری کی شرح کے ساتھ ساتھ آپ نے ہدایہ کی شرح بھی لکھی۔ آپ وقت کے صاحب دل بزرگوں میں سے بھی تھے۔آپ کی تالیفات میں ایک تالیف منحہ السلوک کا بھی پتہ چلتا ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ طریقت کے بھی درویش ہوئے ہیں اور سیر سلوک میں بھی آپ کی پرواز بڑی اُونچی تھی۔

(۱۰)۔جلیل القدر فقیہ یوسف بن عمر الصوفی کا تذکرہ ملاحظہ کریں:۔

صاحب جامع المضمرات شرح مختصر القدوری شیخ کبیر و عالم نحریر جمع علمی الحقیقة والشریعة وهو استاذ فضل الله صاحب الفتاویٰ الصوفية (قال الجامع) هو شرح جامع للتفاریع الکثیرة حاو علی المسائل العزیرة طالعته (الفوائد ص: ۲۳۰)

یہ ہم نے دس مثالیں آپ کے سامنے رکھ دیں ہیں۔ یہ صوفیاء کرام فقہائے احناف میں سے ہیں۔اسی طرح طبقات شافعیہ میں آپ کو کثیر تعداد میں صاحب دل ملیں گے، حنابلہ میں بھی آپ کو بہت سے اہل طریقت ملیں گے اسی طرح فقہاء مالکیہ میں ان حضرات کی کمی نہیں جو فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیاء کرام کی صف میں نظر آتے ہیں۔

فقہائے شافعیہ میں اہل طریقت

۱۔شیخ ابوسہل الصعلوکی (۳٦۹ھ)

هو الامام فی الفقه والتفسير والحديث والعلوم اللغوية كلها فی التصوف

(طبقات الشافعیہ لعبدالرحیم الاسنوی ج:۲،ص:۳۵)

ظاہری علوم کے اتنے بڑے عالم کی تصوف پر کتابیں کیا علوم باطنی کی تصدیق نہیں؟

۲۔ابوالعباس احمد زکریا النسوی الصوفی (۳۹٦ھ) آپ نے کتاب تاریخ الصوفیہ تحریر فرمائی طبقات میں ہے۔

صاحب كتاب تاريخ الصوفية كان عالما زاهدا و كتابه جليل مفيد فی بابه (ایضاً ج:۲،ص:۴۳)

۳۔ابوالقاسم القشیری عبدالکریم بن ہوزان (۴٦۵ھ)

الامام الفقيه الاصولی المتكلم المفسر النحوی الاديب الشاعر الكتاب الصوفی لسان عصره وسيد وقته وسر الله فی خلقه استاذ الجماعة و مقدم الطائفة ومقصود سالک الطريقة

(ایضاً ص:۱۵۷)

پھر ان کے صاحبزادے عبیداللہ ابوالفتح کے بارے میں لکھا ہے:

وله تصانيف فی الطريقة ايضاً (ایضاً ص:۱٦۰)

۴۔زین الدین ابوحامد الطوسی الغزالی (۵۰۵ھ)

نظام الملک کے بیٹے فخر الملک نے آپ کے وطن طوس میں آپ کے لیے خانقاہ بنائی عبدالرحیم الاسنوی (۷۷۲ھ) نے آپ کے بہت اُونچے حالات بیان کئے ہیں:

وهو قطب الوجود والبركة الشاملة لكل موجود يتقرب الی الله تعالٰی به كل صديق ولايبغضه الا ملحد او زنديق.

۵۔محمد بن حاتم ابوالحسن الطائی الطوسی (۵۱۲ھ)

كان فقيها خيرا صوفيا تفقه علی امام الحرمين ورحل فی

سماع الحدیث الی بلاد کثیرة (ایضاًج:۲،ص:۶۴)

۶۔طاہر صاعد بن سعید الطوسی (.....)

کان اماما فاضلا فقیها صوفیا (ایضاً ص:۶۷)

۷۔احمد بن عمر بن محمد النجم الکبریٰ

کان اماما زاھدا صوفیا فقیھا مفسرا (ایضاً ص:۱۸۶)

۸۔محمد بن عبدالرحمٰن ابوالفتح الخطیب الکشیھمنی (۵۴۸ھ)

وکان شیخ الصوفیة بمرو ولم ار من مشائخنا مثله تفقه علی ابی المظفر السمعانی (ایضاً ص:۱۸۳)

۹۔محمود بن محمد ابوالخوارزمی (۵۶۸ھ)

جامع بین الفقه والتصوف من بیت الصلاح والعلم (ایضاً ص:۱۸۳)

۱۰۔محمد بن عبدالرحمٰن ابوسعید المسعودی (۶۸۴ھ)

قال بن خلکان کان فقیھا شافعیا صوفیا ادیبا فاضلا شرح المقامات شرحا مطولا (ایضاً ۲۵۴)

۱۱۔ابوالفضل عطاء المقدسی

کان شیخ الشافعیة بالمسجد الاقصیٰ فقھا وعلما وشیخ للصوفیة طریقة (ایضاً ص:۲۲۱)

۱۲۔شیخ ابوالحسن علاء الدین القونوی (۷۲۹ھ)

آپ شیخ شرف الدین الدمیاطی اور شیخ تقی الدین ابن دقیق العید کے شاگرد تھے۔

کان اماما عالما ضابطا متثبتاً صالحا حافظا لاوقاته لایصرف شیئا منها الا فی عمل صالح (ایضاً ص:۱۷۰)

آپ کے بیٹے محب الدین محمود (۷۵۸ھ) کے بارے میں لکھا ہے:۔

کان عالما بالفقه واصوله فاضلا فی العربیة صالحا مجتھدا فی العبادة والتلاوة... مشیخة الخانقاہ النجمیعة الدویداریة بظاھر القاھرة وسکنھا وصارت الخانقاہ المذکورة مھوی

هوانا مجمع مرادنا ومنانا ولم یزل مواظبا بها من انواع الخیرات (ایضاً ص:۱۷۳)

ترجمہ: آپ فقہ اور اصول فقہ کے بہت بڑے عالم تھے، عربیت کے فاضل تھے، عمل میں صالح تھے، عبادت و تلاوت میں بہت کوشش کرنے والے تھے۔ خانقاہ نجمیہ قاہرہ میں شیخ کے منصب پر فائز رہے اور یہ خانقاہ ہماری محبتوں کا مرکز، مرادوں کا مجمع اور ہماری امیدوں کی آماجگاہ تھی اور آپ وہاں برابر ہر طرح کی نیکیوں پر عمل پیرا رہے۔

یہ ہم نے فقہاء شافعیہ میں حضرات صوفیاء کے کچھ نام اور ان کے کچھ حالات پیش کئے ہیں، آیئے ہم فقہ حنابلہ میں سے بھی کچھ حضرات صوفیاء کی نشاندہی کریں، سینکڑوں میں سے یہ چند نام حافظ ابن.... حنبلی (۷۹۵ھ) کی کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ سے نقل کرتے ہیں۔

فقہائے حنابلہ میں اہل طریقت

۱۔عبداللہ بن عبدالحلیم (۔۔۔ھ)

فقیه الامام الزاهدالعابد.

وكان كثير العبادة والتاه والمراقبة والخوف من الله ذاكرامات وكشوف حمل الى مقابر الصوفية لدفن بها

(الذیل ج:۲،ص:۳۸۲)

۲۔عبدالعزیز ابی القاسم بن عثمان (۔۔۔ھ) الفقيه الاديب الصوفى

(ایضاً ص:۳۳۸)

۳۔علی بن عثمان بن عبدالقادر المقری الصوفی احد اعيان بغداد فی زمنه

(ایضاً ص:۲۸۴)

۴۔یوسف بن علی بن احمد البغدادی الصوفی له تصانيف فی السلوک (ایضاً)

۵۔ابوالقاسم بن یوسف بن یحیٰ الفقیہ الادیب

حفظ الفقه واللغة ويقال انه يحفظ صالح الجوهری بكماله..... كان محبا لطريقة الفقراء ومخالطتهم وكان

یحضر معھم السماع ویرخص فی ذلک (ایضاً ص:۲۶۲)

۶۔ابوالقاسم بن یوسف بن ابی القاسم الصوفی

الزاھد المشھور... له اتباع واصحاب و مریدون فی کثیر

(ایضاً ص:۲۷۷)

۷۔حضرت الشیخ الامام عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ)

آپ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔آپ گروہِ اولیاء کے سرتاج ہیں۔

۸۔محمود بن عثمان (۶۰۹ھ)

کان رباطه مجمعا للفقراء واھل الدین والفقھاء الحنابلة

(ایضاً ص:۶۳)

ترجمہ: آپ کی خانقاہ فقراء اور اہل دین کا مجمع تھی اور فقہاء حنابلہ بھی یہاں ٹھہرتے تھے۔

۹۔موفق بن قدامہ (۶۲۰ھ)

امام نووی ان سے اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

حدثنا الشیخ الامام العالم المتفق علی امامته وفضله وجلالته الفقیه (ایضاً ص:۳۰۴)

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی کے یہ مصنف ہیں۔آپ اور حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (۶۰۰ھ) دونوں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ قدس سرہ کے مرید تھے۔

۱۰۔شیخ عماد الدین المقدسی (۔۔۔)الفقیه الزاھد الورع العابد.

آپ ایک مرتبہ بازار میں جارہے تھے کہ راستے میں طنبور کی آواز کان میں پڑی آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم پڑھا اور آستین جھاڑی کیا دیکھتے ہیں کہ اسی وقت طنبور بجانے والا گر پڑا اور اس کا طنبور ٹوٹ گیا۔ فرایت صاحب الطنبور قد وقع وانکسر طنبورہ (ایضاً ج:۲،ص:۹۳)

مالکیوں کے ہاں تصوف کی پذیرائی

حافظ بن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کی تالیف کتاب التمہید بیس جلدوں میں مراکش

سے شائع ہوئی ہے، اس میں بھی کئی جگہ صوفی راویوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ ابوعبداللہ احمد بن الحسن (۳۰۶ھ) امام یحیٰ بن معین (۲۳۳ھ) کے شاگردوں میں سے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر اس طرح ان سے سند لائے ہیں:۔

حدثنا احمد بن عبدالجبار الصوفی حدثنا عثمان بن ابی شیبة (کتاب التمہید ج:۴، ص:۲۹۷)

ان کے ہاں بعض صوفیہ کرام صواف کے نام سے بھی معروف ہوئے ہیں۔

۲۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی یزید خالد ازدی کے بارے میں محمد بن تادیت الطلحی لکھتے ہیں یعرف بالصواف (ترتیب المدارک ج:۱، ص:۸۷ للقاضی عیاض)

۳۔ ابوجعفر احمد بن وازن الصوفی (۲۸۲ھ) کس درجے کے صوفی تھے اسے ابن حارث کے ان الفاظ میں دیکھئے:۔

کان من الفضلاء المتقدمین والعباد المجتهدین کان من اصحاب سحنون وغلبت علیه العبادة والخیر ویقال انه مستجاب الدعوة (ترتیب المدارک ج:۴، ص:۲۹۵)

ان حضرات کے لیے زہد وورع تبتل وتعبد کے الفاظ بھی عام ملتے ہیں۔ یہ ان کے اہل طریقت میں سے ہونے کی خبر عام ہے۔

۴۔ عبدالجبار بن فتح بن مختصر کون تھے؟ فقیه زاهد ان کے بارے میں ابن لبابہ کہتے ہیں:۔

ما رایت بقرطبة زاهدا غیره (ایضاً ص:۲۶۴)

مسلمہ بن محمد مسلمہ ابومحمد کے بارے میں ہے یعرف بالزاهد (ایضاً ج:۱، ص:۷۴)

۶۔ ابومحمد حماد بن عمار کو الزاہد القرطبی کہتے تھے، کیا یہ ان کے اہل طریقت میں ہونے کا بیان نہیں؟

۷۔ جبلہ بن محمود بن عبدالرحمٰن کے بارے میں ابن حارث کا بیان ہے:۔

کان من اهل الخیر والعبادة الطاهرة والورع والزهد وکان الغالب علیه النسک والزهد (ایضاً ج:۴، ص:۳۷۱)

۸۔ محرز العابد ابومحمد محرز بن خلف بن ابی رزین التونسی (۔۔۔ھ) یہ عابد کے نام

سے مشہور تھے قاضی عیاض لکھتے ہیں: المعروف بالعابد (ایضاً ج:۱،ص:۸۴)

۹۔ ابوعیاش احمد بن موسیٰ بن مخلد...ابو العزا تمیمی آپ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

کان شیخاً صالحاً ثقة فقیهاً عاقلاً ثبتاً زاهداً ورعاً ضابطاً

(ایضاً ج:۴،ص:۳۹۳)

۱۰۔ عبدالجبار بن محمد بن عمران...حارث آپ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:۔

کان من اهل الروایة الکثیرة والفتیا والعلم والورع والعبادة

(ایضاً ج:۴،ص:۲۷۲)

فقہاء ہند میں اہل طریقت

ہندوستان میں بارھویں صدی میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)، پھر تیرھویں صدی میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ)، امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)، مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) کس مرتبہ کے محدث اور فقیہ تھے؟ اس سے کون بے خبر ہوگا۔ یہ حضرات جس درجے کے محدث اور فقیہ تھے طریقت اور سلوک میں ان کا پایہ اس سے بھی بہت آگے تھا۔ ان حضرات کی تصانیف عالیہ میں فقہ و حدیث کے مسائل پر جو محققانہ طرز نظر آتا ہے تصوف و سلوک کی تکمیل اور روحانی امراض کے علاج و ازالہ کی بھی ان کے ہاں عظیم مہمات عمل ملتی ہیں۔

فقہاء دیوبند میں اہل طریقت حضرات

۱۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند (۱۳۰۲ھ)

۲۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ)

۳۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی نقشبندی (۱۳۴۷ھ)

۴۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

۵۔ مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (۱۳۷۲ھ)

۶۔ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (۱۳۶۲ھ)

۷۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ)

۸۔ صوفی باصفا حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی (۔۔۔۱۳ھ)

۹۔ حضرت مولانا سید بدر عالم نقشبندی مہاجر مدنی (۱۳۸۵ھ)
۱۰۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی (۱۴۰۲ھ)
۱۱۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (۱۳۹۶ھ)
۱۲۔ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم العالیہ۔
۱۳۔ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم۔
۱۴۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب مدظلہ العالی۔
۱۵۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ العالی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند۔

وغیرہ اُونچے درجے کے فقیہ ہیں مگر یہ سب قادری، نقشبندی اور چشتی صابری سلسلوں کے اہل سلوک اور مشائخ میں سے ہیں۔

المہند عقائد علماء دیوبند کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس پر ۴۴ اکابر علماء دیوبند کی تصدیق ثبت ہے اس میں ہے:۔

> ومنتسبون من طريق الصوفية الى الطريقة العلية المنسوبة الى السادة النقشبندية والطريقة الزكية المنسوبة الى السادة الجشتية والى الطريقه البهية المنسوبة الى السادة القادرية والٰى الطريقه المرضية المنسوبة الى السادة السهروردية رضى الله عنهم اجمعين. (المہند ص:۲۱۳)
>
> ترجمہ: اور طریقہ ہائے صوفیہ میں انتساب رکھتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ حضرات نقشبندیہ اور طریقہ زکیہ مشائخ چشتیہ اور سلسلہ بہیہ حضرات قادریہ اور طریقہ مرضیہ مشائخ سہروردی رضی اللہ عنہم اجمعین سے۔

ان شواہد کی روشنی میں اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ طریقت ہرگز شریعت کے متوازی کوئی دوسری لائن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو منہاج اور رابطہ مقرر فرمایا وہ شریعت ہے اور اس پر پابندی سے جو خوش قسمت اللہ تعالیٰ سے رابطہ کر گئے ان کی یہ سیر سلوک طریقت ہے اور یہ دونوں سلسلے ایک حقیقت کے دو پہلو اور ظہر وبطن

ہیں اور دونوں کا منبع ایک ہی ہے اور وہ ذات الٰہی ہے۔

طریقت میں شیخ سے وابستگی امام ابوحنیفہؒ سے انحراف نہیں

مشائخ دیوبند کی سلاسل اربعہ سے وابستگی صرف قلبی اصلاح اور روح کی بیماریوں کے دور کرنے کے لیے ہے۔ شیخ اسی پر اپنے وابستگان سے محنت کراتا ہے لیکن مسائل میں جو فقہی وسعتِ نظر فقہاء کو حاصل ہے وہ ان مشائخ کو نہیں لہٰذا مسائل غیر منصوصہ میں فقہاء دیوبند حضرت امام ابوحنیفہ کی پیروی کے پابند ہیں، ان کے ہاں کسی ایک شیخ سے بیعت حضرت امام ابوحنیفہ سے انحراف نہیں ہے۔

اسی طرح عقائد میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کی پیروی صرف ان کے طریق کی پیروی ہے جو یہ حضرات فرقِ باطلہ (مثل روافض، معتزلہ اور خوارج وغیرہ) کے خلاف اختیار کرتے ہیں اور انہیں کے ہتھیاروں (عقلی پیرائے) سے اُنہیں جواب دیتے ہیں، اپنے عقائد میں یہ سنت کے دائرہ سے نہیں نکلتے۔ حافظ ابن تیمیہ نے اسی پہلو سے امام ابوالحسنؒ الاشعری کی تعریف کی ہے، لکھتے ہیں:۔

وکان الاشعری وائمة اصحابه يقولون انهم يحتجون بالعقل لما عرف ثبوته بالسمع فالشرع هوالذی يعتمد عليه فی اصول الدين والعقل عاضد له ومعاون

(کتاب العقل بھامش منہاج السنہ ج:۲،ص:۷)

ترجمہ: امام اشعری اور ان کے ائمہ فن شاگرد کہتے ہیں کہ وہ عقل سے ان باتوں پر استدلال کرتے ہیں جن کا ثبوت سمعی طور پر (کتاب وسنت سے) ہو چکا ہے، سو شریعت ہی وہ چیز ہے جس پر اصول دین میں اعتماد کیا جاسکتا ہے اور عقل تو صرف اس کی قوت بازو اور معاون ہے۔

اس سے واضح ہے کہ عقل سے مسائل طے نہیں کئے جاتے اس سے صرف کتاب و سنت کے خادم کی حیثیت سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی عقل سے نقل کے گرد پہرہ دیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے! اشعری یا ماتریدی ہونے میں ان کے کسی عقیدے کی پیروی کا اظہار نہیں، ان کے پیرایہ جواب کی پیروی ہے جو انہوں نے معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ کے خلاف

اختیار کیا۔ سوان سے وابستگی سنت کی پیروی سے ہرگز متصادم نہیں۔

وھذا مما مدح به الاشعری فانه بین فضائح المعتزلة وتناقض اقوالھم وفسادھا ما لم یبینه غیره لانه کان منھم وکان درس الکلام علی ابی علی الجبائی اربعین سنة وکان ذکیا ثم رجع عنھم وصنف فی الرد علیھم.

(منہاج السنہ ج:۳، ص:۷۱)

ترجمہ: یہ بات ان باتوں میں سے ہے جن کی وجہ سے امام اشعری کی تعریف کی گئی ہے، اس لئے کہ آپ نے معتزلہ کے فضائح اور ان کے اقوال کی خرابیاں اور فساد اس طرح واضح کئے ہیں کہ کوئی اور نہ کرسکا۔ یہ اس لئے کہ آپ ان میں رہے تھے اور ابوعلی جبائی سے چالیس سال علم کلام پڑھا پھر اس مذہب سے رجوع کیا اور معتزلہ کے رد میں کتابیں لکھیں۔

سو جس طرح کسی شیخ کی طریقت کی بیعت امام ابوحنیفہ یا امام مالک کی تقلید سے انحراف نہیں اسی طرح فرقِ باطلہ کے رد میں اشاعرہ کے پیرایۂ استدلال سے کام لینا بھی آئمہ کی تقلید سے ہرگز انحراف نہیں ہے۔

مشہور مفسر محمد بن عبداللہ بن سلیمان السعدی سے کون واقف نہ ہوگا، آپ کی تفسیر مجتبیٰ التفسیر، الجامع الصغیر فی مختصر التفسیر اور کتاب المہذب فی التفسیر اہل علم سے مخفی نہیں۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ ابوعلی الصواف المحدث الحجہ (۳۵۹ھ) محدث ابو بکر الشافعی، محدث ابوعبداللہ المحاملی (۳۳۰ھ)، محدث دعلج بن احمد السجزی (۳۵۱ھ)، جیسی شخصیات ہیں۔ امام سیوطیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وکان شافعیا اشعریا کثیر الاتباع للسنة حسن التکلم فی التفسیر (طبقات المفسرین ص:۸۹ دارالکتب العلمیہ)

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مقلد ہونا کبھی بھی اتباع سنت کے مقابل کوئی دوسری راہ نہیں سمجھا گیا۔ اس دور میں اہل حدیث (باصطلاح جدید) کہیں بطور ایک فرقہ کے موجود نہ تھے۔

ولایت کی راہ میں چلنے والے فقہ سے بے تعلق نہیں ہوتے

یہ نہ سمجھا جائے کہ ولایت کی راہ میں چلنے والے مسائل کو کشفی نگاہ سے دیکھ لیتے ہیں! ایسا نہیں ہے۔ کشفی نگاہ صرف حقائق کو کھولتی ہے مسائل کو نہیں، مسائل وسعت عمل کی جہت سے مختلف ہونے کے باوجود حقائق میں سے ہیں سو حقائق کی مختلف جہات میں کشفی نظر کام نہیں کرتی یہاں فقہی نظر درکار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راہ ولایت کی سیرگاہوں میں ہمیں وہ حضرات بھی ملتے ہیں جو طبقات فقہاء میں اُونچی شہرت رکھنے والے ہوتے ہیں، یہ بات نہ ہوتی تو امام داود طائی، حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہی مجلس شوریٰ میں اس پابندی سے نہ بیٹھتے۔

ہاں کبھی یہ ہوتا ہے کہ راہ سلوک کے راہی کبھی کسی چیز پر از راہ علاج عمل کراتے ہیں اور اس میں وہ اعتدال نہیں ہوتا جو شریعت بتلاتی ہے۔ سو یہ بات ایک حیلے کے درجے میں ہے جسے قانون نہیں بنایا جاسکتا، اسے علاج کہتے ہیں جس میں صرف فرد پر نظر ہوتی ہے۔ محققین اس پر یوں قابو پاتے اور کھل کر کہتے ہیں کہ صوفیہ کے اس عمل کو سند نہ بنایا جائے، اسے حجت سمجھنا شریعت سے جان چھڑانے کا اک بہانہ ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

صوفیان خام ایں وقت عمل پیران خودرا بہانہ ساختہ ...الخ

(مکتوب: ۲۶۶ دفتر اول ص: ۳۳۵)

ترجمہ: اس وقت کے کچے صوفیوں نے اپنے پیروں میں بعض عمل دیکھے اور انہیں بہانہ بنا کر اس پر عمل پیرا ہو گئے۔

آپ نے اسی نقطہ نظر سے اس سے قبل تصریح کی ہے کہ مسائل میں حضرت ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کے عمل کو حجت نہ سمجھا جائے (دیکھئے مکتوبات دفتر اول ص: ۲۰۲) اس تفصیل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ فقہاء عظام اور صوفیاء کرام باعتبار اصول کبھی ایک دوسرے کی مختلف سمتوں میں نہیں چلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محدثین اور فقہاء کے بعد اسلام میں ایک بڑا طبقہ مجاہدین اور اہل عزیمت کا ہے۔ قومی تعمیر میں ان کا بڑا کردار ہے۔ اس طبقے میں بھی آپ تصوف کے گہرے اثرات

دیکھیں گے۔ اہل تصوف ہر وقت میدانِ جہاد میں نہیں نکلتے، وہ اہل سیاست ہونے
بجائے مصلحین سیاست بننے میں ایک بڑی خدمت محسوس کرتے ہیں۔ تاہم وقت اگر ک
آواز دے تو حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید مجاہدین کی کمانڈ کرتے بھی ن
آتے ہیں۔

صوفیہ کرام قومی زندگی کی تعمیر میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

دنیا میں انسان ہمیشہ قوموں کی صورت میں رہے ہیں اور قوموں کو اپنی بقاء کے لیے کبھی جہاد میں بھی نکلنا پڑتا ہے، صوفیہ کرام ایسے قومی تقاضوں میں ہمیشہ قوم کے ساتھ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس امت میں صدیقوں کے پیشوا تھے، آپ نے فرمایا کہ ''جو قوم جہاد چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتا ہے''۔

تصوف ترک دنیا کا نام نہیں ہے (اور نہ جہاد سے کنارہ کشی کا) اور نہ ہی یہ خدا کی یاد کا کوئی ایسا طریقہ ہے جو اس راہ کے سالکین کو امت کی قومی زندگی سے یکسر کنارے پر کر دے اور نہ ہی یہ کوئی ایسا نشہ ہے جو اس راہ کے مسافروں کو پلا کر ان کی قومی متاع کو لوٹ لیا جاتا ہو، یہ اسلام کے ہر عمل میں ایک روحانی کیفیت پیدا کرنے کا نام ہے اور یہ ایک چھپے ہوئے احساس کو بروئے کار لانا ہے جس کا بیج عہد الست میں جملہ بنی آدم کے دلوں میں بویا گیا تھا، اسے اخلاص بھی کہتے ہیں اسے ظاہر و باطن کو ایک کرنے کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ اسلام کے کسی ایک جز کا نام نہیں ہے یہ پورے اسلام کی روح ہے جس نے اس کے ہر عمل کو ایک زندگی دی ہے۔ یہ وہ حسن نیت ہے جس سے اسلام کے ہر عمل میں نکھار آتا ہے۔ مذہب اور دنیا کو ساتھ لے کر چلنا کوئی ایسا آسان مسئلہ نہ تھا کہ ہندو اور عیسائی اسے حل کر سکتے، یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے زندگی کے ہر مسئلہ کو حل کیا اور امارت کو ایسی شرح مہیا کی کہ اس میں درویشی بھی سما جائے۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
ساتی کہاں اس فقیری میں میری

سیاست سے مذہب نے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا
بشیری ہو آئینہ دار نذیری

آج کی مجلس میں ہم اس کا کچھ تذکرہ کریں گے کہ اہل تصوف اپنے مجاہدات کے ساتھ ساتھ اسلام کی قومی زندگی سے کبھی کنارے پر نہیں رہے، نہ یہ حضرات جہاد کی ضرورت اور اس کی اہمیت سے کبھی بے خبر رہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان حضرات نے اس میدان میں خودنمائی کی بجائے وقت کی سیاسی قوتوں کی اصلاح پر زیادہ زور لگایا ہے۔ یہ حضرات بادشاہوں وزیروں اور دوسرے قومی سربراہوں کو مشورے دیتے رہے ہیں۔ ان کا بیشتر موقف یہ رہا کہ خود اقتدار حاصل کرنے میں شاید وہ اخلاص اور قوت عمل باقی نہ رہ سکے جو تصوف کا جوہر ہے اس لیے خود اہل سیاست بننے کی بجائے مصلحین سیاست کے پیرائے میں یہ سیاسی خدمت کی جائے۔ یہ حضرات اسی میں زیادہ اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں لیکن اگر کبھی خود بھی قومی تعمیر میں سبقت کرنا پڑی تو بھی ان کی راہ میں تصوف نے کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی۔ حضرت سید احمد شہید کا قافلہ جن راہوں سے گزرا وہ راہیں آج بھی ان اہل تصوف کو یاد کرتی ہیں اور ان اہل تصرف کو سلام کرتی ہیں۔ ہماری تاریخ قومی زندگی کی تعمیر میں ان حضرات کی قربانیوں سے ہرگز خالی نہیں ہے۔

شام کے مشہور اہل احوال بزرگ شیخ عبد اللہ الیونینیؒ (۶۱۷ھ) اسد الشام کے لقب سے مشہور تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

کانت له احوال و مکاشفات صالحة (البدایہ ج:۱۳، ص:۹۳)

بایں درجہ ولایت آپ قومی زندگی کے تقاضوں سے غافل نہ تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

وكان لاينقطع عن غزوة من الغزوات وله احوال و کرامات کثیرة جدا (ایضا)

ترجمہ: اسلامی غزوات میں سے کوئی غزوہ نہیں جس سے آپ کبھی پیچھے رہے ہوں۔

البتہ کچھ لوگ ان حلقوں میں ایسے ضرور رہے ہیں جو دراصل غیر اسلامی طاقتوں کی ایجنسیاں تھے انہوں نے مسلمانوں کی جرأت و ہمت کو دبانے کے لیے انہیں جہاد سے باز رکھنے کے سبق ترتیب دیئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تفریق پیدا کر ڈالی کہ جب تک معروفات قائم نہیں ہو جاتی منکرات کو نہ چھیڑو اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے حالانکہ قرآن نے ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا تھا اور جب بھی اسلام میں فتنہ اٹھا مسلمان مردانِ غیرت کسی تدریج کے انتظار میں نہ رہے کہ پہلے یہ ہولے تو پھر وہ کرلیں گے۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اگر کچھ لوگ صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو قومی زندگی کی تعمیر سے روکتے دیکھے یا سنے گئے ہیں تو اسے یہ نہ سمجھیں کہ تصوف قومی زندگی کی تعمیر میں واقعی کوئی رکاوٹ بنتا ہے۔ مجاوروں اور ملنگوں کی اس قسم کی باتوں سے صوفیہ کرام کی عظیم قومی خدمات اور قربانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستان میں صوفیہ کرام کی آمد

ہندوستان میں مسلم فاتحین کی آمد شہاب الدین غوری اور سلطان محمود غزنوی سے شروع ہوئی۔ آئمہ تصوف میں ابوالحسن خرقانی (۴۲۵ھ) کا نام نامی عالمی شہرت پر ہے۔ دیکھتے دیکھتے ذکر الٰہی کی ضربیں لگانے اور دلوں کو گرمانے والے صوفیہ کرام بھی کفر و شرک کی اس سر زمین میں آخیمہ زن ہوئے، فاتحین کفر کی شوکت توڑنے کے درپے رہے اور یہ لوگ یہاں کے لوگوں کے دلوں کی دنیا بدلتے رہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود فتح ہند کی خبر دی تھی۔

عن ابی ھریرۃؓ قال وعدنا رسول اللہ ﷺ غزوۃ الھند.. الحدیث، و عن ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ عصابتان من امتی حررھما اللہ من النار عصابۃ تغزو الھند وعصابۃ تکون مع عیسیٰ بن مریمؑ

(سنن نسائی ج:۲،ص:۶۳)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت کے دو گروہ جہنم کی آگ

سے مخلصی پا چکے ہیں ایک وہ جو ہند سے غزوہ کریں گے اور دوسرے وہ جو حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔

صحابہ کرام کی شروع سے ہی اس طرف توجہ تھی۔ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے یہاں کے عام حالات معلوم کرنے کے لیے لوگوں کو بھیجا۔ ہندوستان کی فتح عملاً گو بہت بعد میں ہوئی مگر فکری طور پر خلافت راشدہ میں ہی ادھر آنے کی راہیں ہموار ہوئی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں حکیم بن جبلہ العدوی، حضرت علی مرتضیٰؓ کے دور میں حارث بن مرہ العبدی اور حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں امیر مہلب بن ابی صفر یہاں آوارد ہوئے۔

ابوحفص ربیع بن صبیح (۱۶۰ھ)، امام حسن بصری (۱۱۰ھ) اور عطاء بن ابی رباح (۱۱۷ھ) کے شاگرد ہیں۔ آپ سندھ آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ ہندوستان میں پہلی مسلم سلطنت شہاب الدین نے قائم کی۔ سلاطین اسلام کے ساتھ اہل طریقت بھی یہاں جوق در جوق آفروکش ہوئے۔ سلاطین راجاؤں کا دم توڑتے رہے اور صوفیہ کرام جوگیوں کی زندگی کا رخ موڑتے رہے۔ یہ ان حضرات کے ذکر وفکر کی مار تھی کہ ہندوستان میں ظلمت کے بادل چھٹے، مطلع کچھ صاف ہوا اور ہزار ہا ہندو ان درویشوں کے قدموں میں آگرے۔ ہندوؤں نے اپنے سادھو بھی دیکھے تھے اب وہ مسلمان درویشوں کے گرد بیٹھے اسلام کی کھڑکی میں جھانک رہے تھے جب کسی کا وقت سعادت آجاتا وہ کلمہ پڑھ لیتا تھا۔

صوفیہ کرام کا قومی زندگی میں حصہ

کون نہیں جانتا کہ صوفیہ کرام کا ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی زندگی میں بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کا پتہ آپ کو اس سے چلے گا کہ یہاں ان کے سلاطینِ اسلام کے ساتھ کس طرح کے تعلقات رہے۔ برصغیر پاک و ہند کے آئمہ تصوف ان تمام علاقوں کو جو سلاطین اسلام کے زیر پرچم آئے سلطنت خداداد سمجھتے تھے اور اسے دار اسلام کہتے تھے، ان فاتحین نے ہندوستان پر اسلام کا پرچم لہرایا تھا اور اسلام کے نام سے قبضہ پایا تھا۔ اُن دنوں اِن علاقوں کے لیے محروسہ اسلام کا نام عام استعمال ہوتا تھا، مسلمان حکمران گو آپس میں ادلتے بدلتے رہے مگر ہندوستان سلطنت اسلامی ہی رہا، کوئی ہندو اپنی سلطنت کو دوبارہ نہ پا سکا، ہندوستان پر ہندو اقتدار کا دور ختم ہو چکا تھا۔

(نوٹ) جو خطہ صدیوں تک اور ایک طویل دور تک محروسہ اسلام رہے وہ کبھی دارالاسلام کے حکم سے نہیں نکل سکتا۔ الاسلام یعلو ولا یعلی.

اس پر اگر کفار قبضہ کرلیں (جیسا کہ انگریزوں نے مسلم انڈیا پر کیا تھا) تو مسلمان پر لازم آتا ہے کہ جب بھی وہ طاقت جمع کر پائیں اس محروسہ اسلام کو قبضہ کفار سے نکال لیں۔ اس پر کفر کا قبضہ مستقل طور پر کبھی تسلیم نہ کیا جائے ورنہ ماننا پڑے گا کہ اسلام مغلوب بھی ہو سکتا ہے۔

جب یہ نہیں تو وہ نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے جو ہندوستان کو دارالحرب کہا تھا تو وہ صرف حکومت کی نسبت سے کہا تھا خطہ زمین کی نسبت سے نہ کہا تھا ورنہ ہندوستان کی پوری آزادی کے لیے حضرت شاہ صاحب کے خلفاء اور تلامذہ اس گرم جوشی سے نہ تڑپتے جس طرح وہ بالاکوٹ میں تڑپے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی نسبت مسلمان آزادیٔ ہند کے لیے اسی لئے زیادہ پیش پیش رہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اس محروسہ اسلام کو کفر کے قبضہ سے چھڑایا جائے۔

حکمران بدلتے رہے مگر ہندوستان سلطنت اسلام ہی رہا

ہندوستان میں مسلم دور حکومت تو متفقہ طور پر آیا لیکن مسلمانوں کی سیاسی قوتیں آپس میں بہت پنجہ آزمار ہیں، تاہم غوری ہوں یا غزنوی، تغلق ہوں یا خلجی، سوری پٹھان ہوں یا مغل ایک بات پر متفق رہے کہ ہندوستان کا اقتدار اب کسی غیر مسلم کے پاس نہ جائے۔ حالات کچھ بھی ہوں ہندوستان دارالاسلام رہے۔ مسلمانوں میں ایسا ذہن پیدا کرنے میں یہاں کے اہل تصوف کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مسلم سلاطین جب ان درویشوں کے پاس جاتے تو یہ حضرات ان سے صرف اصلاح کا تعلق رکھتے انہیں دین پر آنے کی تلقین کرتے اور بس، ان سے ذاتی تعلقات اور دوستی قائم نہ کرتے، ان کے سیاسی اختلافات میں مداخلت نہ کرتے اور ان کی باہمی جنگوں میں ازراہ بیان کبھی فریق نہ بنتے، ان کا موضوع بس ایک ہی ہوتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت زیادہ سے زیادہ اتاری جائے۔

آشنا ہو یا کوئی نہ آشنا   ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

درویشوں کی درویشانہ سیاست

ایک فاتح اگر ایک درویش کے پاس دعا کے لیے جاتا تھا یا وہ اس کے حلقہ ارادت

میں آتا تو اگر کل سلطنت بھی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی تو اس درویش کے آستانہ عقیدت سے تعلق نہ توڑتا۔ اس کے آستانہ عقیدت پر کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سب کی آمد اسی طرح رہتی۔ یہ درویش اپنے دائرۂ طریقت سے باہر نہ نکلتے، نہ کسی سیاست میں الجھتے نہ سیاست دانوں میں سے کسی کے پاس اُٹھتے بیٹھتے، فقیر کا آستانہ عقیدت یہی بوریئے کا فرش ہوتا تھا۔ صوفیہ کرام کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ رہتا کہ دوسرا فاتح بھی ان بوریہ نشینوں کے پاس حاضری دیتا۔ یہ صورتِ حال بتلاتی ہے کہ صوفیہ کرام کا ان حکمرانوں سے تعلق صرف اللہ کے لیے ہوتا۔ حدیث میں اسے الحب للّٰہ والبغض للّٰہ سے بیان کیا گیا ہے۔ ان درویشوں کا تعلق امراء کے ساتھ اپنے ذاتی مراسم بڑھانے کے لیے نہ ہوتا تھا نہ وہ لوگوں میں اس بات کی کوئی عزت سمجھتے تھے کہ ہمارے ان سے فیملی تعلقات ہیں۔

ہندوستان کے ائمہ تصوف کی اس پالیسی نے لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام کی گود میں لا بٹھایا اور بیسیوں حکمرانوں نے جانا کہ دنیا کا اقتدار اور اس کی دولت فقیر کی نگاہ میں پرکاہ کے برابر نہیں۔ صوفیہ کرام کا مسلمانوں کی قومی تعمیر میں وہ حصہ ہے کہ اس کے برابر کی دینی محنت نہ ہمیں علماء میں ملتی ہے نہ بیشتر حکمرانوں کے ہاں۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ علم کے چراغ ہمیشہ علماء کی محنتوں سے ہی جلے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دلوں کے چراغ راہِ طریقت کے ان درویشوں نے ہی جلائے ہیں۔

ہندوستان میں ائمہ طریقت کس طرح پھیلے

قطب البلاد لاہور میں حضرت خواجہ علی ہجویری غزنوی (۴۶۵ھ) نے ڈیرہ لگایا۔ خواجہ خواجگان حضرت معین الدین اجمیریؒ (۶۲۷ھ) نے یادِ الٰہی کے لیے اجمیر کو چنا۔ آپ کے خلیفہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (۶۳۳ھ) دہلی میں خیمہ زن ہوئے۔ ان کے بڑے خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ (۶۷۵ھ) نے دریا کے پورے پتن کو پاک کر کے پاکپتن کو اپنا مستقر بنایا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے دوسرے بڑے خلیفہ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر (۶۶۵ھ) کلیر کے علاقے میں جا بیٹھے۔ حضرت بابا صاحب کے خلیفہ شاہ نظام الدین اولیاءؒ (۷۲۵ھ) دہلی میں مقیم ہوئے اور ان کے خلفاء آئینہ ہند سراج الدین عثمانیؒ (۷۵۸ھ) بنگال میں اور جناب خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی (۷۵۷ھ) دہلی میں تشریف فرما رہے۔

مخدوم صابر کلیر شریف کے خلیفہ شمس الدین ترک (۷۶۵ھ) ہوئے اور ان سے خلافت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی (۷۶۵ھ) نے پائی۔ حضرت شاہ نظام الدین کے خلیفہ امیر خسرو (...ھ) شیخ کمال مالوہ میں، حسام الدین گجرات میں، شیخ برہان الدین دکن میں، شیخ غیاث الدین (...ھ) میں فروکش ہوئے۔

یہ صورت حال بتاتی ہے کہ صوفیہ کرام کس قومی فکر اور روحانی تصرف سے پورے ظلمت کدہ ہند میں ایجابی کام کر رہے تھے۔ یہ ہم نے صرف خواجگان چشت کا ذکر کیا ہے۔ قادری سلسلہ کے بزرگ بھی اپنی اپنی جگہ اس کفرستان میں نعرۂ توحید کی صدا لگا رہے تھے۔ مسلمانوں کی قومی تعمیر اور کفر کی شوکت توڑنے میں صوفیہ کرام کا یہ حصہ ہے کہ تاریخ اسلام اس پر جتنا فخر کرے کم ہے، یہ ان حضرات کی مجموعی مساعی تھیں جنھوں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت خداداد ہند کو نکلنے نہ دیا، اسے ہم ہندوستان میں صوفیہ کرام کی اجتماعی روحانی زندگی کا تاریخی کارنامہ کہہ سکتے ہیں۔

یہ کہنا انتہائی حق ناشناسی ہوگی کہ تصوف کی تعلیم افیون کا اثر رکھتی ہے اور یہ نسخہ قوموں کو جگانے کے لیے نہیں سلانے کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ **سبحانک ھذا بھتان عظیم۔**

انگریزوں نے بلطائف الحیل مسلمانوں سے ہندوستان کی حکومت چھینی لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ کوئی ہندو راجہ مسلمانوں سے ہندوستان کا اقتدار نہ چھین سکا حالانکہ ہندو بڑی بھاری اکثریت میں تھے اور انگریز بھی تب کامیاب ہوئے جب مسلمانوں میں میر جعفر اور میر صادق جیسے لوگوں نے اپنی صفیں الٹائیں اور عبداللہ بن سبا کی یاد تازہ کردی۔

برصغیر پاک و ہند کے آئمہ تصوف

سلسلہ چشتیہ کے بہت سے اکابر کے نام ابھی آپ پڑھ آئے ہیں۔ ان کے خلفاء آگے بہت پھیلے، بنگال میں شیخ سراج الدین عثمانی کے خلیفہ علاء الدین لاہوری (۸۰۰ھ) ہوئے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شاہانِ طریقت نے کس طرح لاہور اور سلہٹ کے فاصلے مٹائے ہوئے تھے۔ حضرت علاء الدین لاہوری کے خلیفہ جناب نور قطب عالم (۸۵۱ھ) ہوئے۔ وہ بنگال کے تھے۔ دہلی میں خواجہ نصیر الدین (۷۵۷ھ) کے خلیفہ حضرت محمد گیسو دراز

ہوئے۔ پنجاب میں تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان، سیال شریف ضلع شاہ پور اور گولڑہ یہ بھی چشتی خانقاہیں تھیں۔ سندھ کے آئمہ تصوف اپنی جگہ لوگوں کو محبت الٰہی کا سبق دے دے کر صف اسلام میں داخل کرتے رہے۔ چشتیہ کا سلسلہ صابریہ کے حضرت شمس الدین ترک کے خلیفہ جلال الدین محمود پانی پتی (۷۶۵ھ) سے شیخ احمد ولی (۸۳۶ھ) نے اور ان سے خواجہ شیخ عارف نے اور ان سے ان کے صاحبزادہ محمد عارف نے خرقہ خلافت پہنا، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۹۴۵ھ) جو حضرت امام ابوحنیفہ کی اولاد میں سے تھے آپ کے روحانی جانشین بنے۔ آپ سے شیخ جلال الدین تھانیسری (۹۸۶ھ) نے خلافت پائی۔

ہم نے یہاں تک چشتی سلسلہ کا ذکر کیا ہے سو نامناسب نہ ہوگا کہ سرخیل چشتیہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا تعارف ذرا تفصیل سے کرادیں اس سے ان کا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے تعلق بھی واضح ہو جائے گا۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ

مولانا صدر الدین احمد نے روائح المصطفیٰ میں اور جناب اصغر علی چشتی نے جواہر الفریدی میں آپ کو امام حسن عسکری کی اولاد سے بتایا ہے۔ آپ حسینی سید ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رشتہ میں آپ کے ماموں ہوتے ہیں۔ آپ کی والدہ ام وارع حضرت پیران پیر کی چچا زاد بہن تھیں۔ آپ کے چچا کا نام داؤد اور والد کا نام ابوصالح تھا۔

حضرت اجمیری کے والد محترم کا نام غیاث الدین تھا اور آپ کے مرشد خواجہ عثمان ہارونی (۶۰۷ھ) تھے، آپ ہرات بلخ اور غزنی سے ہوتے ہوئے چالیس درویشوں کے ساتھ ہندوستان آئے تو لاہور میں حضرت ہجویریؒ کے مزار پر بھی چند ماہ معتکف رہے آپ کا وہ حجرہ آج بھی موجود اور محفوظ ہے۔

قادری اور نقشبندی سلسلوں کا اجمالی ذکر

ہندوستان میں قادری سلسلہ کے بزرگوں میں جگد یو خورد ضلع امرتسر کے حضرت شاہ رحمٰن دیوان، دین پور شریف کے خواجہ غلام دین صاحب دین پوری اور لاہور کے حضرت مولانا احمد علی قادری اس سلسلے کی نمایاں شخصیتیں رہی ہیں۔ یہ اہل طریقت حضرات انگریزوں کے خلاف بڑی جوانمردی سے لڑے۔ یہ وقت کی ایک قوی شہادت ہے کہ اہل طریقت حضرات

مسلمانوں کی قومی تعمیر میں ہمیشہ فعال بیدار رہے ہیں۔ قادری سلسلہ کی برصغیر پاک و ہند میں اور بیرون ہند میں بھی اور بہت سی خانقاہیں بنیں، یہاں قادری حضرات اپنے طریق سے اپنے ارادت مندوں کو راہ سلوک پر لے جاتے رہے۔

نقشبندی حضرات اپنی جگہ اپنے طریق سے سالکین کو منزل بہ منزل آگے لے جاتے رہے۔ اکابر دیوبند میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، محدث شہیر مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم المدنی نقشبندی سلسلے کے ممتاز بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کے خلفاء و متوسلین بھی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ شرقپور کے میاں شیر محمد صاحب بھی نقشبندی نسبت کے امین رہے اور علمائے دیوبند کے بہت قریب رہے۔

روحانی سلسلوں کی باہمی نسبت

جب سے شریعت کی جرنیلی سڑک قائم ہوئی ہے اہل طریقت اس کے دونوں طرف اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے علم کے موافق ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ شریعت عمل کا ایک ڈھانچہ ہے اور طریقت اس کی روح ہے، روح کے بغیر جسم کہیں چلتے نہیں دیکھے گئے۔ ان طریقوں کی آپس میں نسبت تضاد کی نہیں ایک تنوع کی ہے۔ ان میں سے ایک ایک راہ ان بزرگوں سے منقول ہے جنھیں قوم میں مسلم طور پر شناوران بحر طریقت کہا جاتا ہے۔

یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کا پورا احترام کرتے رہے ہیں۔ ان میں بیشتر وہ رہے جو چاروں سلسلوں کی اجازت دیتے تھے اور خود بھی وہ چاروں سلسلوں میں مجاز تھے۔ طالبِ اصلاح قادری، چشتی اور سہروردی سلسلوں میں خود زیادہ محنت کرتا ہے اور نقشبندی سلسلہ میں توجہ کی محنت زیادہ شیخ کے سر آتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سلسلہ کے سرخیل ہیں۔ دوسروں کا غم اپنے پر لینا آپ کی طبیعت تھی۔ والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ لاتحزن ان اللہ معنا۔ نیز نقشبندیوں کے ہاں سنت کے اہتمام پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

روحانی تصرف مختلف علاقوں میں اہل اللہ کے سپرد

حضرت خواجہ خواجگان ایک خط میں حضرت بختیار کاکیؒ کو لکھتے ہیں:۔

شما در دہلی مقیم باشید بحکم ایزدی کار ولایت دہلی متعلق بہ شما است وصال روحانی پیوستہ میسر است بعد چند ما خود در دہلی خواہیم رسید ملاقات

ظاہری نیز حاصل کردد۔ (سیر الاقطاب)

ترجمہ: تم دہلی میں قیام کرو بحکم الٰہی ولایت کا کام تمہارے سپرد ہے۔ روحانی وصال ہمیشہ میسر ہے کچھ عرصہ بعد ہم خود دہلی آئیں گے، ظاہری ملاقات بھی انشاء اللہ ہوجائے گی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل طریقت کے ذمہ مختلف علاقوں میں روحانی خدمت لگا دی جاتی ہے، وہ ذکر اللہ کی کثرت سے اس علاقے میں گناہوں کی امڈتی ظلمتوں کو روکتے ہیں اور مجاہدات وعبادات سے قریب آنے والوں کو سرمدی انوار میں کھینچتے ہیں۔ شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کی محنتیں اسلام پھیلانے میں بہت کام کرتی رہی ہیں، کار ولایت سے یہی کام مراد ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے شیخ حمید الدین ناگوری (۶۷۲ھ) کو ناگور میں، شیخ احمد کابلی کو بنارس میں، شیخ فقیر محمد (۶۱۱ھ) کو جمرود میں، شیخ احمد خان غازی کو قنوج میں، شیخ یعقوب خان (۶۵۲ھ) شیخ وجیہ الدین کو ملتان میں اور شیخ شمس الدین فوقانی (۶۷۴ھ) کو احمد آباد (علاقہ گجرات) میں لوگوں کو اللہ کی طرف لگانے اور تزکیہ کی محنت کے لیے مقرر کیا۔

درویشانِ طریقت جہاد کے خلاف کبھی نہیں رہے

جو لوگ اہل طریقت کے وقائع حیات سے آشنا نہیں وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ درویشی رہبانیت اور ترک دنیا کا نام ہے اور تصوف کی لائن افیون کی طرح لوگوں کے جذبات کو دبانے اور ٹھنڈا کرنے کے لیے عمل میں آئی تھی... ایسا ہرگز نہیں۔ ہم یہاں ہندوستان کے چند مشہور اہل طریقت سے اس کام کی شہادتیں پیش کریں گے۔

ا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی ملکی سطح کی حکومت سلطان شہاب الدین غوری اور اس کے نائب قطب الدین ایبک سے شروع ہوئی۔ شہاب الدین دو مرتبہ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خواب میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سے ملاقات کرائی اور پھر حضرت نے اسے ہندوستان آنے کی دعوت دی، سلطان پھر تیسری بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور پرتھی راج کو فیصلہ کن شکست دی۔ اس جنگ میں حضرت خواجہ معین

الدین اجمیری بھی سلطان کے ہمراہ تھے۔ تاریخ ہند کا مولف محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے:۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کہ سر چشمہ اولیاء کبار و مشائخ عظام در دیار ہند است در ایں نوبت بہ سلطان ہمراہ بود و ایں فتح بموجب راندن نفس مبارک آں قطب ربانی بود۔

ترجمہ: خواجہ معین الدین چشتیؒ جو مشائخ کبار اور اولیاء کرام کا سر چشمہ ہیں اب کی بار (اس دفعہ) سلطان کے ساتھ تھے اور یہ فتح اس قطب ربانی کے دم سے ہوئی۔

۲۔ سلطان شمس الدین حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے حلقہ عقیدت میں سے تھا۔ قاضی منہاج سراج طبقات ناصری میں لکھتے ہیں کہ درویشوں سے حسن اعتقاد رکھنے اور دیدہ پرنم رہنے میں اب تک کوئی ایسا بادشاہ مادر گیتی نے نہیں جنا۔

اب آپ ہی بتائیں یہ درویشان طریقت رہبانیت کا پرچار کرتے تھے یا بادشاہ کو چلاتے تھے کہ وہ کس طرح زیادہ سے زیادہ اسلام کی خدمت کر سکیں۔ حق یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت لانے والے بھی درویش تھے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ دلیل العارفین میں لکھتے ہیں:۔

عارفاں آفتاب صفت اند بر جملگی عالم مے تابند کہ از انوار ایشان ہمہ عدد باقی ماند۔

ترجمہ: عارفانِ الٰہی آفتاب کی مانند ہیں وہ تمام عالم پر اس طرح چمکتے ہیں کہ ان کے انوار سے تمام موجودات کا وجود باقی رہے۔

شیخ محمد راغب الطباخ اپنی کتاب الثقافۃ الاسلامیہ میں لکھتے ہیں:۔

امتِ اسلامیہ میں صوفیہ کرام کے عظیم اعمال اور شاندار کارناموں میں سے یہ بھی ہے کہ بادشاہ اور حکام نے جب جہاد کا ارادہ کیا تو ان صوفیہ کی اکثریت خواہ وہ صراحتاً اشارہ نہ بھی کریں تب بھی یہ حضرات اپنے متبعین مریدین کو جہاد میں نکلنے پر ابھارتے تھے اور چونکہ مریدین اپنے پیروں کے بڑے غالی معتقد اور فرمانبردار ہوتے ہیں اس لئے وہ مجاہدوں کی صفوں میں شریک ہونے میں سبقت لے جاتے تھے اور اسی طرح مملکت کے اطراف سے ایک بڑی تعداد اکٹھی ہو جایا کرتی تھی اور بسا اوقات یہ صوفیہ پیر حضرات خود بھی لشکر کے ساتھ

نکلتے اور لڑتے اور اپنے مریدوں کو ابھارتے تھے جو فتح و نصرت کا سبب بنتا تھا۔

عظیم اسلامی مصنف امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب حاضر العالم الاسلامی میں افریقہ کی ترقی اور ان کے اسباب کے تحت لکھتے ہیں۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں قادری اور شاذلی طریقے کے متبعین میں ترقی کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا تیجانی اور سنوسی کے نام سے دو اور سلسلے وجود میں آئے۔

سلسلہ قادریہ کے پیروکار مغربی افریقہ میں سنغال سے بنین جو حصہ دریائے نجیر کے ڈیلٹا کے قریب واقع ہے اس تمام خطہ میں دین اسلام کے بہادر مبلغ اور اس کے داعی ہیں اور یہ حضرات نہایت پرسکون انداز سے تجارت و تعلیم کے ذریعہ اسلام پھیلا رہے ہیں چنانچہ یہ حضرات تعلیم و تدریس کے دوران حبشی بچوں کو دین اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور اپنے شاگردوں میں سے سمجھ دار طلبہ کو خانقاہوں کے خرچ پر طرابلس اور قیروان کے مدارس اور فارس کی جامع القیروان اور مصر کے جامع ازہر بھیجتے ہیں، یہ طلبہ وہاں سے مجاز و مستند بن کر نکلتے ہیں اور پھر ان شہروں میں آکر سوڈان میں عیسائی مشنری کی مدافعت و سد باب کرتے ہیں۔

قادریہ سلسلہ کے ایک شیخ کے بارے میں لکھتے ہوئے کہا ہے:۔

اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو فارس کے شہر جیلان کے تھے وہ بڑے عظیم صوفی اور ذکی شخص تھے ان کے لا تعداد پیروکار پائے جاتے ہیں، ان کا سلسلہ تصوف اسپانیا تک پہنچ چکا ہے، پھر جب غرناطہ سے عربوں کی حکومت ختم ہوگئی تو اس سلسلہ کا مرکز فارس منتقل ہوگیا اور اس سلسلہ کے برکات و انوارات کے سبب بربر والوں میں سے بدعات کا وجود ختم ہوگیا۔ اسی سلسلہ کی وجہ سے پندرھویں صدی میں مغربی افریقہ کے بہت سے حبشیوں نے ہدایت حاصل کی۔

سلسلہ شاذلیہ کے سلسلہ گفتگو میں لکھتے ہیں:۔

شاذلی سلسلہ کی نسبت شیخ ابوالحسن شاذلی کی طرف ہے، جنہوں نے شیخ عبدالسلام بن مشیش سے اور اُنہوں نے شیخ ابومدین سے یہ نسبت حاصل کی اور یہ سلسلہ شاذلیہ ان ابتدائی و اساسی سلسلوں میں سے ہے جس نے تصوف کو مغرب میں پہنچا دیا، اس سلسلہ کا مرکز مراکش میں ہے۔ اس کے مشائخ میں سیدی الشیخ العربی الدرقاوی (۱۸۲۳ء) بھی تھے جنہوں نے اپنے مریدین میں ایسی دینی حمیت اور جرأت پیدا کی جس کا دائرہ مغرب اوسط تک پہنچ گیا اور

فرانسیسی فتح کی روک تھام و مدافعت کرنے میں سلسلہ درقادیہ کا بڑا ہاتھ ہے۔
شیخ عبداللہ ناصح علوان یہ دلائل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> یہ وہ علمائے ربانیین اور باصفا صوفیہ اور مخلص اصحاب طریقت ہیں جنہوں نے پچھلے زمانوں اور صدیوں میں دعوت الی اللہ کی زمام سنبھالی اور اسلام کا پیغام برحق لوگوں تک پہنچایا اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عبادت اور جہاد کو جمع کیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ہم آہنگی پیدا کی اور دھوکہ باز مستغربین کے سامنے بڑی بہادری سے ڈٹے رہے

(اسلام اور تربیت الاولاد ج: ۲، ص: ۲۱۲ ترجمہ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار طبع کراچی)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ والے جس طرح باطن کی تربیت کرتے ہیں اور سلاطین وعوام کے دلوں میں محبتِ الٰہی کا جذبہ ابھارتے ہیں اسی طرح اللہ کے نام کا کلمہ بلند کرنے کے لیے نہ صرف خود میدان عمل اور معرکہ جہاد میں اترتے ہیں بلکہ اپنے معتقدین ومتوسلین کو بھی دین حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کی تلقین وتاکید کرتے ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف صرف ایک خانقاہی نظام کا نام ہے اس میں قومی تعمیر کا کوئی حصہ نہیں ہوتا وہ غلط سمجھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اہل طریقت براہِ راست کسی سیاسی رہنما سے ٹکر نہیں لیتے لیکن جب بھی کسی سے ٹکرانے کا موقع آیا تو یہ کبھی پیچھے بھی نہیں رہے۔

تصوف کے تین سلسلے قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ اپنے تاریخی تسلسل میں حضرت علی مرتضیٰؓ تک پہنچتے ہیں۔ حضرت علیؓ کس درجہ میں بہادر اور مجاہد تھے اسے لفظ اسد اللہ (اللہ کا شیر) کی دلالت میں دیکھیں۔ نقشبندی سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے، آپ منکرین ختم نبوت اور منکرین زکوۃ کے خلاف جس جذبہ جہاد سے نکلے ایمان کی اس گرمی کے آگے کفر والحاد کی فولادی رگیں بھی پگھل جاتی ہیں۔ پھر ان کے بعد کے طبقۂ صوفیاء میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض کے حالات پر نظر کریں۔ حضرت فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ) مکہ مکرمہ میں اعتکاف میں رہنا چاہتے تھے انہیں حضرت عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) نے جو پیغام دیا وہ ایک عربی قصیدے کی شکل میں تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کے ہاں رہبانیت کے لیے کوئی نرم گوشہ ہرگز نہ تھا۔ شیخ عبداللہ ناصح علوان نے اس

کے یہ چار شعر نقل کئے ہیں:۔

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا
لوجدت انک بالعبادۃ تلعب

ترجمہ: اے زمین حرمین میں عبادت کرنے والے آپ نے ہمیں دیکھا ہوتا تو سمجھ لیتے کہ آپ عبادت سے کھیل رہے ہیں۔

من کان یتعب خیلہ فی باطل
فخیولنا یوم الکریھۃ تتعب

ترجمہ: جو شخص اپنے گھوڑے کو فضول کاموں میں تھکا دے تو جنگ کے دن ہمارے گھوڑے تھکاوٹ محسوس کریں گے۔

او کان یخضب خدہ بدموعہ
فنحورنا بدمائنا تتخضب

ترجمہ: وہ جس کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو رہے ہوں وہ اپنی جگہ، ہماری تو گردنیں ہمارے خون سے رنگ پکڑتی ہیں۔

ریح العبیر لکم و نحن عبیرنا
و ھج السنابک و الغبار الاطیب

ترجمہ: عبیر کی خوشبو آپ کے لیے اور ہماری خوشبو کھروں کا گرد و غبار اور میدان جہاد کی خاک ہے۔

حضرت فضیل کو جب یہ اشعار پہنچے تو وہ رونے لگے اور انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی نے بالکل سچ کہا ہے اور میرے ساتھ خیر خواہی کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت فضیل کو جب یہ اشعار لکھے تھے وہ اس وقت سرزمین شام میں جہاد کے لیے تیاری میں معروف تھے۔

امام سنوسی کبیر نے جب مسلمانوں کی اصلاح کرنا چاہی تو انہوں نے جو رستہ سب سے پہلے اپنایا وہ یہی تصوف کا رستہ تھا اور اسی طریقہ پر تربیت کی اور ان کا طرز اور نظام بھی بڑا عجیب نظام تھا اس لئے کہ انہوں نے پہلے تو لوگوں کو مرید کیا پھر انہی میں سے کام کے آدمی تیار کیے اور اس غرض کے لیے مختلف خانقاہیں بنائیں، سب سے پہلی خانقاہ مکہ مکرمہ کے قریب

ایک پہاڑ میں بنائی پھر انہی خانقاہوں کے ساتھ لیبیا کے صحرا میں منتقل ہو گئے۔ یہ خانقاہیں صحرا کے درمیان ریگستانی میدان تھے اور ان کے مریدین کی محنت و جدوجہد سے وہاں پانی نکلا اور کھیت و باغات اور پھل دار درخت اُگ آئے۔ مجلہ لواء الاسلام کے مطابق امام سنوسی نے اپنے ان مریدین کی تربیت فرمائی تھی۔

انہوں نے ان کی رہنمائی کی اور انہیں امور جنگ اور تیر اندازی سکھائی حتیٰ کہ انہوں نے بیس سال سے زیادہ عرصہ تک اٹلی والوں کی نیند حرام کر دی۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب دولت یمانی بھی اہل لیبیا کی امداد سے عاجز آ چکی تھی۔ ان خانقاہوں سے سنوسی مدافعت جاری رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حکومت اٹلی کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور سنوسیت از سر نو زندہ کی جانے لگی۔ (مجلہ لواء الاسلام شعبان ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۶۰)

استاد صبری عابدین نے لواء الاسلام کی ایک مجلس میں بتایا کہ:۔

حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ حضرات عالم میں اسلام کو پھیلاتے ہیں.... ہم افریقہ کے ترقی و تمدن کے دور دراز صوبوں اور ایشیاء کے بعید ترین علاقوں میں جہاں کہیں گئے ہم نے یہی دیکھا کہ ہم سے پہلے صوفیہ وہاں پہنچ چکے ہیں اور ہم پر سبقت لے جا چکے ہیں۔

(اسلام اور تربیت اولاد ج:۲، ص:۲۰۹)

شیخ عبداللہ ناصح علوان اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

کاش مسلمان یہ سمجھ لیتے کہ تصوف میں روحانی اور مادی کیا قوت ہے یہ اس لیے کہ صوفیاء کے لشکر اسلام کے لیے ہمہ وقت مسلح رہتے ہیں۔

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صوفیہ کرام کس خلوص کے ساتھ قومی تعمیر میں لگے رہے ہیں، یہ حضرات نہ صرف باطن کے سدھار پر توجہ دیتے تھے بلکہ وقت آنے پر ظاہر کی تعمیر میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے خانقاہوں سے باہر نکلتے رہے اور جہاد کے میدانوں اور صحراؤں میں کفر کی شوکت توڑنے کے لیے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے یہ بات کس طرح مخفی ہوگی کہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں مضبوط ترین سلطنت مغلوں کی رہی، اکبر بادشاہ کے الحادی نظریات کے آگے

کن لوگوں نے مدافعت کے بند باندھے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے ...... جہانگیر کو کس طرح ہندوؤں اور شیعوں کے اثرات سے بچایا۔ ان مختصر سطور میں اس کی گنجائش نہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاہان تصوف نے شاہان مغلیہ کو ایسی لگام دی کہ سلطان عالمگیر اورنگ زیب جیسا باعمل صالح مسلمان بھی اسی لڑی سے ظاہر ہوا۔

اب ہم ان شناوران بحر طریقت کو بلا امتیاز سلسلہ یہاں ذکر کریں گے جنہوں نے ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ کے ساتھ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور اپنے عمل سے واضح کیا کہ تصوف میں ہرگز کوئی شائبہ رہبانیت نہیں ہے۔ ان حضرات نے مسلمانوں کی قومی تعمیر میں ہمیشہ مخلصانہ کام کیا ہے اور جہاں حالات کا تقاضا ہوا مجاہدانہ قدم اٹھائے ہیں، ان کے ہاں شریعت اور طریقت کتاب وسنت کے ظہر وبطن کے ہی دو اور نام ہیں۔

راہ سلوک میں آنے کا مقصد اپنے آپ کو نفس امارہ کی غلامی سے نکالنا ہے اور اس کا تزکیہ کرنا ہے، اسے نکھارنا ہے تاکہ جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو انسانی خواہشات کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں خدائے واحد برحق کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے۔

تصوف اور ریاست کا حسین امتزاج

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ ہندوستان میں پہلی مسلم سلطنت شہاب الدین غوری نے قائم کی۔ شہاب الدین پہلے دو دفعہ ہندوستان پر حملہ آور ہو چکا تھا اب تیسری بار وہ ادھر رخ نہ کرنا چاہتا تھا، اسے خواب میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی زیارت ہوئی اور خواب ہی میں کامیابی کی بشارت کا مژدہ سنایا گیا۔ سیر الاقطاب میں ہے:۔

> سلطان شہاب الدین درخراسان خوابے دید کہ در ہندوستان پیش خواجہ ایستادہ است و حضرت خواجہ مہربانی نمودہ فرماید اے شہاب الدین خدا تعالیٰ سلطانی ہند بتو عنایت فرمودہ زود بایں جانب توجہ کن۔

ترجمہ: سلطان شہاب الدین نے خراسان میں خواب دیکھا کہ وہ
ہندوستان میں حضرت خواجہ کے سامنے کھڑا ہے اور حضرت خواجہ بہت
مہربان ہیں آپ فرما رہے ہیں اے شہاب الدین اللہ تعالیٰ نے
ہندوستان کی بادشاہی تجھے دے دی ہے جلدی اس طرف توجہ کر۔

سلطان ناصر الدین محمود بابا فرید گنج شکرؒ (۶۶۴ھ) کے عہد میں ۶۴۴ھ میں تخت نشین ہوئے اور بابا فرید الدین کے برابر نیاز مند رہے۔ غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ میں تخت نشین ہوا، وہ حضرت بابا فرید صاحب اور شیخ نظام الدین اولیاء کے ہاں نیاز مندانہ حاضری دیتا رہا اور یہ حضرات ان کے مسائل میں خاصی دلچسپی لیتے رہے۔ جلال الدین خلجی (۶۹۵ھ) کے حضرت امیر خسرو خلیفہ نظام الدین اولیاء اور جناب ضیاء الدین برنی سے نیاز مندانہ تعلقات رہے۔

علاء الدین خلجی نے بھی حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کا دور پایا ہے۔ تخت ہند کے یہ تاجدار صرف اقتدار کے لیے حکومت کے طلب گار نہ ہوتے تھے، ان کے پیش نظر سلطنت خداداد ہند کو ایک مسلم سلطنت بنا کر رکھنا ان کی سیاست کی پہلی ترجیح ہوتی تھی۔ وقت کے صلحاء اور اہل طریقت بادشاہوں کے اس موقف پر کڑی نظر رکھتے اور حسب حالات اور ضرورت ان کی اس کوشش میں دعا گو رہتے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں سکندر ہند علاء الدین خلجی کا ذکر بڑے اچھے پیرایہ میں کیا ہے۔ نویں صدی اور دسویں صدی میں ہندوستان کے اہل طریقت وقت کے امراء اور بادشاہوں سے اسی لئے ملتے تھے کہ ان بادشاہوں کی سیاسی مہمات میں ان کی روحانی رہنمائی کا بھی کچھ دخل رہے اور حق یہ ہے کہ شاہان تصوف شاہی سیاست پر اس طرح چھائے رہے کہ جب بھی انہوں نے انہیں کسی بات پر روکا، یہ شاہان ناموراں ان شاہان تصوف کی نیاز مندی میں ہی اپنی سعادت سمجھتے رہے۔

گیارھویں صدی کے ائمہ تصوف میں امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) اور خواجہ محمد معصوم نقشبندی (۱۰۷۹ھ)، بارھویں صدی کے ائمہ تصوف میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) اور حضرت شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ)، تیرھویں صدی کے ائمہ تصوف میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) اور حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) اور

چودھویں صدی کے ائمہ تصوف میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) حضرت میاں شیر محمد شرقپوری (۱۳۴۷ھ) اور حضرت شاہ عبدالقادر رائیپوری (۱۳۸۲ھ) اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۱۳۸۱ھ) رحمہم اللہ انہی روحانی نسبتوں کے امین گذرے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کی ہدایات جہانگیر کے نام، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نصائح احمد شاہ ابدالی کے نام، حضرت سید احمد شہید کے خطوط افغان امراء کے نام، حضرت تھانوی کی ہدایات قائداعظم محمد علی جناح کے نام یہ وہ قومی افکار ہیں جن سے اسلام کا کوئی خیر خواہ کسی وقت صرف نظر نہیں کرسکتا۔ تصوف اگر محض ایک افیون ہوتی یا اس میں رہبانیت کی کوئی رمق ہوتی تو یہ اکابر ائمہ تصوف کبھی ان سربراہوں کو حق کی بات نہ کہتے۔ ان کی بادشاہوں اور سربراہوں سے بے شک کوئی بات نہ چلی تاہم شریعت کی پاسداری میں یہ مخالف فرقوں کے سامنے ہمیشہ ایک تیغ براں بن کر چمکتے رہے۔

انگریزوں کی آمد پر قومی فکر رکھنے والے ائمہ تصوف

۱۔ مخدوم العلماء حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ)
۲۔ حضرت حافظ ضامن شہید تھانوی (ـــــھ)
۳۔ فاتح عیسائیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ (۱۳۰۸ھ)
۴۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ (۱۳۲۳ھ)
۵۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (۱۲۹۷ھ)
۶۔ محدث دیوبند حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی (ھ)
۷۔ شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری (۲۳۳۷ھ)
۸۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (اسیر مالٹا) (۱۳۳۹ھ)

یہ حضرات وہ اہل طریقت ہیں کہ ذکر و اذکار کے ساتھ ساتھ تعمیر ملت کے بھی صحیح افکار رکھتے تھے، جہاد کی تڑپ بھی ان کے دلوں میں اُچھلتی تھی، قربانیاں دینا جانتے تھے اور ان کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

ان کے متوسلین میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ)، حضرت مولانا عبدالہادی دینپوری (ھ)، حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی (ھ)، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۱۳۸۲ھ)، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری (۱۳۸۱ھ) اور حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی (ھ) رحمہم اللہ یہ وہ مشائخ طریقت ہیں جو برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کے خلاف برابر نبرد آزما رہے یہاں تک کہ اس ملک پر ۱۹۴۷ء میں آزادی کا سورج طلوع ہو گیا اور اس کے ایک حصے پر دوبارہ اسلام کا پرچم لہرایا۔

تصوف سے وابستہ ان تین صفوں کی شہادت آپ کے سامنے آچکی ہے

(۱) محدثین، (۲) فقہاء، (۳) مجاہدین۔

اب ہم اہل تصوف کے خاص طبقہ کا ذکر کرتے ہیں جن پر تکوین کے بھی بعض اسرار کھولے جاتے ہیں اور وہ اس پہلو سے دنیا میں کچھ خدمات بجا لاتے ہیں، انہیں اہل خدمت کہا جاتا ہے۔ ان تینوں طبقوں (محدثین، فقہاء اور مجاہدین) میں اہل خدمت پائے گئے ہیں اور انہیں پہچاننے والوں نے ان کا کچھ پتہ بھی دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن المبارک (۱۸۱ھ) فقیہ خراسان ہیں حدیث میں حافظ کہلائے فقہ و حدیث کے ساتھ گھڑ دوڑ، بہادری اور آدابِ جنگ سے پوری طرح واقف تھے۔ ان کے شاگرد سب اس پر متفق ہیں۔

جمع العلم و الفقه و الادب ... والزهد والورع والانصات و قيام الليل والعبادة والحج والغزو والفروسية والشجاعة والشدة في بدنه (تہذیب ج: ۵، ص: ۳۸۵)

ترجمہ: آپ حدیث، فقہ، ادب، زہد و تقوی، پرہیزگاری، کم گوئی، شب بیداری، عبادت، حج و غزوہ، گھڑ دوڑ، بہادری اور بدن کی مضبوطی یہ سب صفات اپنے میں رکھتے تھے۔

بایں ہمہ آپ نے اہل خدمت میں بھی جگہ لی اور آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ الارشاد میں ہے:۔

ابن المبارک الامام المتفق عليه له من الكرامات ما لايحصى يقال انه من الابدال (ص: ۳۸۷)

ترجمہ: عبداللہ بن المبارک امام ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے آپ
کی کرامات گنتی سے باہر ہیں کہا جاتا ہے کہ آپ ابدال ہیں۔
یہ قطب وابدال کون لوگ ہیں؟ یہ اہل تصوف کے اہل خدمت ہیں۔
ہم اگلے باب میں اس پر کچھ مختصر بحث کریں گے انشاء اللہ ان جملہ مراتب کا جامع
رنا شریعت اور اس کے مسائل سے کسی جہت سے نہیں ٹکراتا، اہل نظر نے ان کمالات کو کئی کئی
لوں میں جمع دیکھا ہے۔

احسان وسلوک کی وادی کے اہل خدمت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

ہم پیچھے ان حضرات کا کچھ اجمالا ذکر کر آئے ہیں۔ ان کا نظام کس طرح چلتا ہے اسے اہل تکوین ہی سمجھ سکتے ہیں تاہم کچھ مختصر سی تفصیل یہاں گزارش کی جاتی ہے۔

ارباب ولایت میں اہل ریاضت کی سربراہی قطب الارشاد کے پاس رہتی ہے اور اہل خدمت کی قطبِ تکوین کے ہاں، اس طبقہ کو اسی حد تک تسلیم کرنا کافی ہے جس حد تک ان کے پائے جانے کا اقرار محدثین کے ہاں کیا گیا ہے۔ یہ اپنا کام کرتے ہیں اور شریعت کا کوئی کام ان پر موقوف نہیں رکھا گیا، ان کی برکات تکوینی طور پر ظہور میں آتی ہیں۔ مشہور تابعی شریح بن عبید کہتے ہیں کہ حضرت علی کے پاس اہل شام کا ذکر ہوا اور کسی نے آپ سے کہا کہ حضرت ان پر لعنت فرمادیں آپ نے کہا ہرگز نہیں کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:۔

الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللّٰہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء و یصرف عن اھل الشام بھم العذاب

(مسند احمد، مشکوۃ ص:۵۷۳)

ترجمہ: ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں جب کوئی ان میں سے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو لے آتے ہیں، بارشیں انہی کے دم سے ہوتی ہیں اور دشمنوں پر فتح انہی کے واسطہ

سے مانگی جاتی ہے اور اہل شام سے ان پر اترتے عذاب کو روکا جاتا ہے۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ اہلِ ولایت کی برکات ان کے قریب والوں کو اور ان سے وابستہ لوگوں کو بھی ملتی ہیں، ان کی برکت سے کئی مصائب ان سے رکے رہتے ہیں بلکہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ ان کے وجود سے ہی لوگوں سے عذاب اٹھا رہتا ہے۔ حضور علیہ ﷺ کے وجود باوجود کا صدقہ یہ امت عذاب عامہ سے محفوظ رہی وما کان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم (پ:۹ الانفال) اور حضور کے بعد آپ کی دعا سے اس امت پر عذاب عامہ نہ آئے گا۔ امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

رجاله رجال الصحیح غیر شریح بن عبید وھو ثقة

(للفتاوی ج:۲،ص:۲۴۲)

یہ ابدال کون ہیں؟ یہ اولیاء اللہ کا ایک طبقہ ہے جن کی گنتی کم نہیں ہونے پاتی، ان کی چالیس کی گنتی ہمیشہ رہتی ہے، پھر جس طرح ابدال ہیں اسی طرح اہل ولایت کا ایک طبقہ اقطاب کا ہے، اسی طرح اوتاد بھی ہیں، اوتاد وتد کی جمع ہے اس کے معنی میخ کے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور ابدال وہ ہیں جو مقامات بدلتے رہتے ہیں۔ یہ اہل ولایت ان ملائکہ سے بہت قریب رہتے ہیں جنہیں تکوین کی خدمات دی جاتی ہیں۔ حضرت خضرؑ اگر انبیاء سے نہ ہوں تو اہل ولایت کے اس طبقہ سے ہیں جن پر تکوین کے کچھ بھید کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ اہل شریعت بھی ان پر حیران نظر آتے ہیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنیؒ (۹۸۶ھ) ابدال کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

الابدال قوم من الصالحین لاتخلو الدنیا منھم اذا مات واحد منھم ابدل اللّٰہ تعالٰی مکانه باٰخر والواحد بدل

(مجمع البحار ج:۱،ص:۸۱)

ترجمہ: ابدال صالحین کے ایک طبقے کا نام ہے جس سے دنیا کبھی خالی نہیں ہوتی جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو یہ منصب عطا فرما دیتا ہے۔ ابدال جمع ہے بدل کی۔

شارح مشکوۃ مولانا نواب قطب الدین محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

شیخ ابن حجر بعد ذکر کرنے ان حدیثوں کے ایک حدیث اور بروایت

ابن عمرؓ کے رسول خدا ﷺ کے لایا ہے کہ فرمایا کہ اخیار امت یعنی نیک امت کے پانچ سو مرد ہیں اور ابدال چالیس ہیں پس یہ نہ پانچ سو کم ہوتے ہیں اور نہ یہ چالیس جبکہ فوت ہوتا ہے ایک ابدال ابدال کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایک کو پانچ سو میں سے جگہ اس کی۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بیان فرمایئے ہم سے عمل ان کے کہ کیا عمل کرتے ہیں کہ اس مرتبہ کو پہنچتے ہیں فرمایا وہ عفو کرتے ہیں اس شخص سے جو ظلم کرتا ہے ان پر اور نیکی کرتے ہیں اس شخص سے جو بدی کرتا ہے ان سے، اور خبر گیری فقراء کی کرتے ہیں اس چیز سے کہ دیا ہے خدائے تعالیٰ نے ان کو اور اس کی تصدیق خدائے تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔

الکاظمین الغیظ و العافین عن الناس و اللّٰہ یحب المحسنین

(پ:۴ آل عمران)

یعنی کھانے والے غصہ کے اور عفو کرنے والے لوگوں سے اور دوست رکھتا ہے نیک کاروں کو اللہ۔ (مظاہر حق شرح مشکوہ ج ۵ ص ۲۲۷)

حافظ ابن عساکر الدمشقی حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے تین سو (ایسے عارف) افراد پیدا کئے ہیں جن کی خلقت قلبِ آدم پر کی گئی، چالیس اس سے ایسے پیدا کئے جن کے قلبِ موسیٰ پر تخلیق ہوئے، سات ایسے ہیں جو قلبِ ابراہیم پر پیدا کئے گئے، پانچ وہ ہیں جو قلبِ جبرئیل پر پیدا کئے گئے، پھر تین وہ ہیں جنہوں نے قلبِ میکائیل پر تخلیق پائی اور وہ ایک ہے جس کو قلب اسرافیل پر پیدا کیا گیا جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو نیچے سے ایک شخص ترقی پا کر اُوپر آتا ہے نئی بھرتی صرف پہلے تین سو میں ہوتی ہے۔

حکمتِ الٰہی کچھ اس طرح جاری ہوئی ہے کہ ان اہل ولایت کے احوال عوام و خواص سے مخفی رکھے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اس پر غیرت آتی ہے کہ اس کے اسرار پر کوئی اور مطلع ہو پائے۔ بعض اہل ولایت ان میں سے کچھ کو صرف اس لئے مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ تکوینی خدمات ان کے سپرد کی ہوئی ہوتی ہیں۔ امام یافعی لکھتے ہیں:

وقد سترت احول القطوب اوالغوث عن العامة والخاصة وغيره من الحق عليه (مرقات شرح مشکوۃ ج:۱۱،ص:۴۶۱)

ترجمہ: اور قطب حضرات کے احوال اور غوث حضرات کے، عامہ اور خاصہ ہر طرح کے لوگوں سے پردے میں رکھے گئے۔

ہم یہاں اہلِ ولایت کے طبقے سے بحث کررہے ہیں جو خدا کا اپنا چناؤ ہوتے ہیں وہ جہاں سے چاہے انہیں چن لے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ اہلِ ولایت کا وہ طبقہ جنہیں اوتاد کہا جاتا ہے ابنائے کوفہ میں سے ہے جبکہ ابدال شام میں سے ہیں۔

قال علی الا ان الاوتاد من ابناء الکوفة ومن اهل الشام ابدال (الحاوی للفتاوی ج:۲،ص:۲۴۴للامام السیوطی)

حافظ سیوطی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نجباء (جمع نجیب یعنی شریف) کا تعلق مصر سے ہے۔(ایضاً...واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

حضرات مفسرین اور محدثین اولیاء کے اس طبقے کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں اور اس روحانی طبقے کے وہ برابر قائل رہے ہیں۔ محدث شہیر حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) شیخ عبداللہ الارمنی (۶۳۱ھ) کے تذکرہ میں کن کھلے لفظوں میں ان اہل خدمت کا ذکر کرتے ہیں اسے دیکھئے:۔

احد الزهاد اللذین جابوا البلاد و سکنوا البراری والجبال والاوهاد واجتمعوا الاقطاب والابدال والاوتاد وممن کانت له الاحوال والمکاشفات والمجاهدات والسیاحات فی سائر النواحی والجهات (البدایہ ج:۱۳،ص:۱۴۱)

ترجمہ: یہ ان زاہدین میں سے ہیں جنہوں نے شہروں میں گھر تراشے اور صحراؤں، پہاڑوں اور میدانوں میں سکونتیں بنائیں اور اقطاب و ابدال اور اوتاد سے ملتے رہے اور ان لوگوں سے جو صاحب حال گذرے اور مکاشفات و مجاہدات اور مختلف علاقوں اور اطراف میں سیاحت کرنے والوں سے ملے۔

حافظ ابن کثیر آٹھویں صدی کے جلیل القدر مفسر اور محدث ہیں، دیکھئے آپ کس طرح

ابدال واقطاب کے وجود کے قائل ہیں۔آپ انہیں صرف ایک خاموش درویش کے درجہ میں نہیں لیتے ان کے کثیر الحدیث ہونے کا بھی کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں۔آپ چھٹی صدی کے شیخ ضیاء الدینؒ (جو ابن سکینہ الصوفی کے نام سے معروف تھے) کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ضياء الدين المعروف بابن سكينة الصوفي كان يعد من الابدال سمع الحديث كثيرا (البدایہ ج:۱۳،ص:۶۱)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ کرام محدثین سے ہرگز کسی اصولی فاصلے پر نہیں ہوتے اور اسلام کی چودہ سو سالہ علمی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے اور ان اہل ولایت کا پتہ دیتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) نویں صدی کے مجدد ہیں، ان کی علمی وجاہت ہر ایک کے یہاں مسلم رہی ہے۔آپ نے اہل ولایت کے اس طبقے پر ایک کتاب "الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال" کے نام سے لکھی ہے اور بتایا ہے کہ اہل ولایت کے اس طبقے کا انکار کرنا ہرگز صحیح نہیں آپ حمد وصلوۃ کے بعد لکھتے ہیں:

فقد بلغني عن بعض من لا علم عنده انكار ما اشتهر عن السادة الأولياء من ان منهم ابدالا ونقباء ونجباء واوتادا واقطابا وقد وردت الاحاديث والآثار باثبات ذلك فجمعتها في هذا الجزء لتستفاد ولا يعول على انكار اهل العناد وسميته الخبر الدال على وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال (ص:۱مشمولہ الحاوی للفتاوی ج:۲،ص:۲۴۱)

ترجمہ: اور مجھے بعض ان لوگوں سے جو علم والے نہیں اس طبقے کے انکار کی خبریں پہنچیں جو بڑے اولیاء سے درجہ شہرت میں ملیں کہ ان میں ابدال، نقیب، نجیب، اوتاد اور اقطاب ہوئے ہیں اور احادیث وآثار ان کے ثبوت میں وارد ہیں۔ میں نے انہیں اس جزء میں جمع کر دیا تا کہ ان سے استفادہ کیا جاسکے اور اس انکار پر اعتماد نہ کیا جاسکے جو اہل عناد سے مروی ہو اور میں نے اس کا یہ نام رکھا ہے۔

اولیاء اللہ کا یہ طبقہ اوراد وتسبیحات اور نوافل ومناجات کی کثرت کی وجہ سے اس مقام پر نہیں آیا، ان کے دلوں کی صفائی اور ایثار وقربانی نے انہیں اس نعمت بے بہا سے مالا مال

کیا ہے۔

امام سیوطیؒ حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:۔

ان بدلاء امتی لم یدخلوا الجنه بکثرة صلوتهم ولا صیامهم ولکن دخلوها بسلامة صدورهم وسخاوة انفسهم اخرجه ابن عدی والخلال وزاد فی آخره والنصح للمسلمین

(الحاوی ج:۲،ص: ۲۴۵)

یہ شان صرف ابدال کی نہیں اوتاد بھی اسی نوع کے افراد ہیں حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں:

ان الانبیاء کانوا اوتاد الارض فلما انقطعت النبوة ابدل اللّٰہ مکانهم قوما من امة محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم یقال لهم الابدال لم یفضلوا الناس بکثرة صوم ولا صلاة ولاتسبیح ولکن بحسن الخلق وبصدق الورع و حسن النیة و سلامه قلوبهم لجمیع المسلمین والنصیحة للّٰہ (ایضاً ص:۲۴۹)

ترجمہ: بے شک انبیاء کرام زمین کے اوتاد رہے جب نبوت کا سلسلہ منقطع ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ حضور ﷺ کی امت میں سے ایک قوم کو پیدا کیا جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ لوگوں پر کثرتِ روزہ، نماز اور تسبیح سے آگے نہیں بڑھے لیکن حسنِ خلق سے، صدق ورع سے، حسن نیت اور سلامتی قلوب سے جو انہیں تمام مسلمانوں کے لیے تھی اور اللہ کی خاطر ان کی خیر خواہی تھی۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبوت منقطع ہو چکی ہے اگر نبوت باقی رہتی تو اس امت میں اہلِ ولایت کے یہ طبقات نہ ہوتے ولایت کے ان طبقات کا پایا جانا ہی بتاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی نہیں اب اس کے قائم مقام یہ اہل ولایت ہیں۔

پھر اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر تشریعی نبوت بھی باقی نہیں اگر غیر تشریعی نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا تو یہ غیر تشریعی انبیاء پہلے انبیاء کے قائم مقام ہوتے، یہاں ابدال ان کے قائم مقام نہ ٹھہرائے جاتے۔ معلوم ہوا کہ اس امت میں غیر تشریعی نبوت کی بھی جگہ باقی نہیں رکھی گئی۔ اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کبھی کسی کو سچے خوابوں کی وجہ سے نبی نہیں کہا گیا اور نہ کبھی

غیر تشریعی نبوت کو گوارا کیا گیا ہے۔

نا مناسب نہ ہوگا کہ ہم اہل ولایت کے مختلف درجات کا ایک اجمالی نقشہ بھی آپ کے سامنے پیش کر دیں۔

(۱)...ابدال: صالحین کی جماعت جس سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی، ایک کے انتقال پر دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے۔ یہ بیش تر شام میں پائے جاتے ہیں۔

(۲)...اوتاد: (وتد کی جمع یعنی میخ) انبیاء کرام بھی اس زمین کے اوتاد رہے۔ انبیاء کے بعد اب اس امت کے بعض افراد اس مقام کو پاتے ہیں (ان کا مرکز عراق میں ہے)

(۳)...اقطاب: (قطب کی جمع) جس طرح چکی کی کیل ہوتی ہے جس پر چکی گھومتی ہے اسی طرح اولیاء کرام میں سے کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ولایت کا مدار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں... قطب التکوین اور قطب الارشاد۔

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:۔

> قطب الاقطاب ایک ہی ہوتا ہے اور اس کے ماتحت چھوٹے قطب بہت ہوتے ہیں جو صاحب خدمت کہلاتے ہیں اور قطب دو قسم کے ہوتے ہیں ایک قطب التکوین دوسرے قطب الارشاد۔ قطب التکوین وہ ہے جس کے سپرد انتظام عالم ہوتا ہے اور قطب الارشاد وہ ہے جس کے متعلق مخلوق کی ہدایت ہوتی ہے۔ قطب التکوین کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہوتی ہے جیسے حضرت خضرؑ کہ یہ قطب التکوین ہیں۔ قطب الارشاد کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں کیونکہ ارشاد و ہدایت کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے، ان ہی میں سے یہ بھی ہے اس لئے خبر ہونا ضروری نہیں، نہ ارشاد خبر ہونے پر موقوف ہے۔ اور انتظام عالم کا حق ہر مسلمان کو نہیں وہ صاحب منصب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے اس کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہونا ضروری ہے اور قطب الاقطاب تکوینی کی حالت ملائکہ کی سی ہے۔

ملائکہ کی شان یہ ہے کہ ان کو جیسے حکم ہوتا ہے ویسے ہی کرتے ہیں، کسی کا

نفع ہو یا نقصان جیسے کلام اللہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کا قصہ مذکور ہے۔ کارخانہ عالم میں اس کو دخل ہوتا ہے اور یہ وہ دخل نہیں جس کا اعتقاد شرک ہو، کیا ملائکہ کو دخل نہیں؟ اسی طرح ان کو بھی دخل ہوتا ہے۔ بعضے ان کا انکار کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہیں مگر جب اہل کشف کہتے ہیں کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں پھر کیوں تکذیب کی جائے اور اس کے خلاف پر کوئی دلیل بھی نہیں پھر تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔ اس میں قرآن شریف کو ٹٹولنے کی ضرورت نہیں قرآن میں یہ کہاں ہے کہ زید آیا جب اہل کشف کو اپنے کشف سے ایسے لوگ معلوم ہوئے ہیں اور خلاف پر کوئی دلیل نہیں۔ (حسن العزیز جلد:۳، ص:۸۱)

(۴)...نجباء: (نجیب کی جمع) اولیاء کا وہ طبقہ جن کی شرافت پر امت کو ناز رہا ہے۔ یہ زیادہ تر مصر اور کوفہ میں پائے جاتے ہیں۔

(۵)...اخیار: (خیر کی جمع، بہت ہی اچھے لوگ) یہ حضرات زیادہ تر اہل عراق میں سے ہیں۔

(۶)...نقباء: (نقیب کی جمع) جس طرح کسی قوم کا کوئی سردار ہوتا ہے گروہ اولیاء کے سردار نقیب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

(۷)...عصائب: (عصابہ کی جمع) لوگوں کی ایک جماعت کا نام جس میں دس سے چالیس افراد تک ہوتے ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ زہاد کی ایک جماعت ہوتی ہے جو زیادہ تر یمن کے علاقہ میں ہوتے ہیں۔ (النہایہ لابن اثیر)

امام شافعی کہتے ہیں کہ ان طبقات میں جس قدر اونچا طبقہ ہے اسی قدر یہ افراد کم ہوتے ہیں آپ لکھتے ہیں کہ:۔

قال بعض العارفين الصالحون كثير مخالطون للعوام لصلاح الناس فى دينهم ودنياهم والنجباء فى العدد اقل منهم والنقباء فى العدد اقل منهم وهم مخالطون للخواص والابدال نازلون فى الامصار العظام لايكون فى المصر منهم الا الواحد بعد الواحد فطوبى لاهل بلده كان فيهم اثنان منهم والاوتاد واحد

باليمن و واحد بالشام و واحد فی المشرق و واحد فی المغرب واللّٰه سبحانه يدير القطب فی الآفاق الاربعة من اركان الدنيا كدوران الفلک فی افق السماء وقد سترت احوال القطب وهو الغوث عن العامة والخاصة غيره من الحق عليه غير انه يرى عالما كجاهل ابله كفطن تاركا آخذا قريبا بعيدا سهلا عسرا امنا حذرا وكشف احوال الاوتاد للخاصة و كشف بعضهم لبعض و كشف حال الصالحين للعموم و الخصوص ليقضی اللّٰه امرا كان مفعولا.

ترجمہ: بعض عارفین کہتے ہیں کہ صالحین بہت ہوئے جو عوام میں ان کے دین اور دنیا کی خیر خواہی کے لیے ان سے عام ملتے رہے البتہ نجباء ان سے تعداد میں کم ہیں اور نقباء ان سے بھی کم، یہ لوگ صرف خواص سے ملتے ہیں اور ابدال کی تعداد ان سے کم ہے جو مختلف شہروں میں اترتے ہیں ایک شہر میں ایک ہی یکے بعد دیگرے ہوتا ہے اس کے شہر والوں کے لیے خوشی ہے جس میں ان میں سے دو ہوں اور اوتاد میں سے ایک یمن میں ہوتا ہے، ایک شام میں، ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں، اور اللہ تعالیٰ قطب کو چاروں طرف گھماتا ہے جیسا کہ فلک کا افق آسمان میں گھومتا ہے اور قطب حضرات کے احوال اور غوث حضرات کے عامہ و خاصہ ہر طرح کے لوگوں سے پردے میں رکھے گئے۔ سوائے اس کے کہ وہ عالم کو بھی ایک نادان اور جاہل کی طرح دیکھے جیسے کوئی دانا قریب و بعید کو چھوڑتا اور لیتا ہے اور آسان اور مشکل سے ملتا رہے احتیاط کے ساتھ۔ اور اوتاد کے حالات کھلے خاص لوگوں کے سامنے اور ان میں سے بعض کا بعض کے لیے کشف ہوا اور صالحین کے حالات عموم و خصوص میں کھلے تاکہ اللہ فیصلہ کرے اس کا جو ہو کر رہنے والی ہے۔

ہماری ان گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ ولایت کے مختلف طبقے ہیں اور ان طبقات کا بڑے بڑے محدثین نے نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ ان کی عظمت و عقیدت کا کھلے

الفاظ میں اقرار کیا ہے اور انہیں ہر طرح لائق احترام واکرام جانا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اہل ولایت کے ان مختلف طبقات کے ذکر میں جو احادیث و آثار دستیاب ہیں بیشتر سنداً ضعیف ہیں لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ ان ابواب کی کسی روایت سے چونکہ ان کا کوئی ثبوت نہیں ملا اس لئے دوسری صحیح روایت سے بھی صرف نظر کرلی جائے اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ انہیں بے اصل اور باطل قرار دیا جائے۔ اگر اہل ولایت کے ان مختلف طبقات کا اسلام میں کوئی سلسلہ نہ ہوتا تو امت کے عظیم محدثین بھی ان اہل ولایت کا ذکر نہ کرتے اور پھر امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) تو صرف محدث نہیں، آپ دسویں صدی کے مجدد تسلیم کئے گئے ہیں اور پھر گیارھویں اور بارھویں صدی کے مجددین حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ان کے وجود باوجود کی خبر دی ہے۔ پھر تیرھویں اور چودھویں صدی کے مجدد بھی حضرت سید احمد شہید اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں اس طبقے کا ذکر عام ملتا ہے۔

ان اساطین امت کا بلا اختلاف ان اہل ولایت کا اقرار کرنا پتہ دیتا ہے کہ اولیاء کرام میں واقعی اہل ولایت کا یہ ایک طبقہ بھی ہے جو اپنی خدمت میں برابر لگا ہوا ہے۔ اور ہم مکلف نہیں کئے گئے کہ ان کا پتہ لگائیں یا اس کی تلاش میں مارے پھریں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص انہیں پالے تو وہ ان کے فیوض و برکات سے بہت حصہ لیتا ہے اور یہ اس پر رب العزت کی ہی عنایت اور مہربانی ہے۔

اس امت کے مجددین اہل ریاضت... اہل ولایت میں سے ہیں اور اہل خدمت میں سے بھی۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) مجدد کے بیان میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے، جو لوگ اسے پہچان پائیں تو اس سے بہت فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لیے اس کا جاننا اور اسے پہچاننا ضروری نہیں ہے۔

اہل خدمت میں خدمت بھی دو طرح کی ہوتی ہے، امت کے احاد افراد کی یا خود دین کی کہ اسے ہر طرح کی نئی آلائشوں سے بچایا جائے۔ مجددین اس دوسرے پہلو سے تو اہل خدمت ہیں ہی، ہاں اس کے ساتھ وہ علماء شریعت کی صفوں میں بیٹھنے کے باعث وہ پہلی خدمت کی بھی سعادت لے گئے۔ وہ اہل ریاضت ارباب ولایت میں سے ہیں۔

واللّٰہ أعلم بحقیقة الحال

احساسات سے بالا روح کے دلآویز نقشے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد!

یہ دنیا مادی اسباب اور حسی اثرات پر چل رہی ہے۔ اس کی عنصری ساخت میں روح کی تگ و تاز کہاں ہے، اسے روحانی دلچسپی کے بغیر جانا نہیں جاسکتا اور نبوت کی رہنمائی کے بغیر اسے مانا نہیں جاسکتا۔ اسلام میں باطنی واردات کے بہت نقشے دیئے گئے ہیں اور دل ان سب کی آماج گاہ ہے۔ یہ کوئی محض تخیل نہیں کہ انہیں صرف انسانی دماغ کنٹرول کر رہا ہو۔

حسی طور پر تو دل محض ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جو سارے بدن کو تازہ خون مہیا کرتا ہے اور اس کی حرکت وہ سوتا ہو یا جاگتا ہو ایک لمحہ کے لیے نہیں رکتی، لیکن دینی تعلیمات کی رو سے دل بس یہی نہیں اس کے علاوہ اور بھی ہے۔ روح سارے بدن میں سرایت کرتی ہے اور بدن کو زندگی دیتی ہے لیکن یہی روح جب دل پر اترتی ہے تو اس کی باطنی وسعتیں بہت آگے نکل جاتی ہیں، ان میں ایک دائرہ نفس ہے، خواہشات یہیں سے ابھرتی اور اترتی ہیں۔ جذبات کی دنیا میں یہیں سے مد و جزر طاری ہوتا ہے اور یہیں آکر جذبات ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ ایک دائرہ جذب ہے اس میں بیرونی اثرات واردات کرتے ہیں۔ انسان ان راہوں میں غیر شعوری طور پر بہت سے اثرات قبول کرتا ہے۔ ایک دائرہ ملاء اعلیٰ کی وسعتوں کا ہے، وہاں احساسات پہنچیں یہ مقام نہایت اونچے درجے کے کاملین کا ہے اور یہ انہی کو نصیب ہے کہ وہ یہاں بیٹھے وہاں کی سیر کریں۔

ایک مرتبہ آسمان کے فرشتے آپس میں کسی بات میں اختلاف کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اس طرف توجہ دلائی اور پوچھا فیما یختصم الملاء الاعلی. ملاء اعلیٰ میں

یہ کیا صورت حال واقع ہے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر رکھا آپؐ نے اس کی زبردست ٹھنڈک محسوس کی اور ملاء اعلیٰ کا نقشہ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اتر آیا اور اس سے آپؐ کے سامنے سب طبق روشن ہوگئے (جامع ترمذی ج:۱، ص...)

اسی طرح انسان کی اندرونی زندگی میں ایک دائرہ نفس کے سفلی مدارتک کھنچتا ہے۔ جادو کے عمل کی باطنی لہریں اس میں اُٹھتی ہیں۔ باوجودیکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نہیں بلکہ سیکھنے والے بدبخت کفر اختیار کر کے بھی اسے سیکھنے سے دریغ نہیں کرتے۔ خدا کی تکوین میں ایک یہ دائرہ عمل بھی ہے۔ المختصر یہ کہ انسان کے لیے ان نقشوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی محنتوں کا مورد یہی دل ہے

یہ صحیح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا رخ پہلے انسانی دماغ کی طرف ہوتا ہے۔ علم کا یہ مرحلہ طے ہوجائے تو اس کے بعد ان کی محنتیں اپنے ماننے والوں کے دلوں پر اترتی ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کے فرائضِ رسالت میں یزکیھم (پیغمبران کے دلوں کو پاک کرے) کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام تعلیم میں تدریج سے چلتے ہیں لیکن ان کی توجہ دلوں پر بڑی تیزی سے اثر کرتی ہے ان کی صحبت زبردست سریع التاثیر ہے۔ صحابہ کے عالم بننے میں تو وقت لگتا ہے لیکن صحابی بننے میں کوئی وقت نہیں لگتا تھا۔ جو شخص ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس آیا اور نبوت کی نگاہ اس پر پڑی وہ معاً صحابی ہوگیا، اس کے لیے صحابی بننے کی کوئی منازل نہ تھیں۔ لیکن علم میں وہی صحابہ مجتہد بنے جنہوں نے آپ ﷺ سے علم کی زیادہ جلا پائی اور اس پر وقت لگایا، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ سے تعلیم پانے والوں کا تاریخ میں کوئی علیحدہ نام نہیں ہے۔ مجتہد کا لفظ جس طرح عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر آتا ہے اسی طرح یہ لفظ حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت بصریؒ پر اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ پر بھی آتا ہے۔ مجتہد ہونے میں صحابہ کا کوئی علیحدہ نام نہیں ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی صحبت پانے کا نام (صحابی ہونا) پوری امت کے مومنین اور کاملین میں ممتاز ہے، وہ آپ کے پہلے لحہ نظر میں ہی صحابیت کی وہ دولت پاگئے جو امام ابوحنیفہؒ کو بایں ہمہ علو شان اور وفورِ علم کے نہ مل سکی اور حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ بایں ہمہ ولایت اور قطبیت اسے نہ پاسکے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.

حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد علم تو تدریجاً چلا تھا اب یہ دلوں کی محنت اور تزکیۂ قلب بھی تدریجی مراحل میں آگئے۔ قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں اکابر تابعین اور اس وقت کے کاملین کا روحانی فیض عام جاری تھا اور جس طرح یہ حضرات دور نبوت کے قریب تھے ان کا روحانی فیض بھی اسی قرب سے اثر کرتا تھا، لیکن زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا اس راہ کی محنتوں اور ریاضتوں میں بھی اصول آتے گئے اور ان کی فروع آگے پھیلتی گئیں۔

جس طرح علم میں تدریس کی کچھ منزلیں ہیں اور تنقید کے کچھ اصول ہیں اسی طرح قلوب کے لیے بھی کچھ اعمال اور توجہات اور تاثیرات ہیں ان سے دل کی کایا پلٹتی ہے اور دل والا اگر بدنیت اور بے پروا نہیں تو اس کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور اس کے کان اور اس کی آنکھیں سب دل کے تابع ہو جاتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے ہی کسی چیز کو دیکھتا ہے اور اسی کے لیے وہ کسی بات کو سنتا ہے۔

قرآن کریم جس طرح حضرت خاتم النبیین ﷺ کے دل پر اترا قرآن کی روشنی بھی اسی طرح دلوں پر اثر کرتی ہے اور پھر جوارح اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان له قلب اوألقی السمع وهو شهید (پ:۲۶،ق:۵۰)

ترجمہ: بے شک اس میں سمجھنے اور سوچنے کا موقع ہے ہر اس کے لیے جس کا دل ہو یا (وہ دل سے) ادھر کان لگائے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ لیں یا کم از کم سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں کیونکہ یہ بھی ایک درجہ ہے کہ آدمی خود متنبہ نہ ہو دوسروں کے متنبہ کرنے پر ہوشیار ہو جائے۔ (فوائد القرآن ص:۶۹۰)

اس سے پتہ چلا کہ نصیحت حاصل کرنے یا غفلت میں رہنے دونوں کا تعلق دل سے ہے۔ ہدایت کی راہ دل میں کھلتی ہے اور بدعملی کا زنگ بھی دل پر چڑھتا ہے پھر دلوں پر محنت کرنے سے ان کا زنگ اتر جاتا ہے۔ حدیث میں اللہ کے ذکر کو ہی زنگ کا صقالہ کہا

گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

لکل شیء صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی چیز موجب صقل ہے اور دلوں کا صاف ہونا (مانجھا جانا) اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں دل کے حالات اور انقلابات

(۱)...دل زنگ آلود ہوتے ہیں اور پھر ان میں ہدایت سرایت نہیں کرسکتی

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانو یکسبون (پ:۳۰، المطففین:۱۴)

ترجمہ: ہرگز نہیں! پر زنگ پڑ گیا ہے ان کے دلوں پر اس سے جو وہ کماتے رہے۔

گناہوں کی کثرت اور مزاولت سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گئے ہیں اس لئے حقائق صحیحہ کا انعکاس ان میں نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے اگر توبہ کرلی تو مٹ گیا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائے گا وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا جائے گا تا آنکہ قلب بالکل سیاہ ہوجائے کہ حق و باطل کی تمیز نہ رہے۔ (فوائد القرآن ص:۷۸۲)

(۲)...دلوں پر مہر لگتی ہے اور حق اندر نہیں پاتا

فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون.

(پ:۲۸، المنافقون:۶۳، پ:۱۰، التوبہ:۸۷، ۹۳)

ترجمہ: پھر مہر لگ گئی ان کے دلوں پر سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے۔

یعنی اب ان میں ایمان و خیر اور حق و صداقت کے سرایت کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے بالکل مسخ ہوجائے تو پھر نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت اس میں باقی نہیں رہتی۔

کذلک یطبع اللہ علی قلوب الکافرین (پ:۹، الاعراف:۱۰۱)

کذلک نطبع علی قلوب المعتدین (پ:۱۱، یونس:۷۴)

كذلك يطبع الله على قلوب الذين لايعلمون (پ:۲۱،الروم:۵۹)
وقالوا قلوبنا غلف بل لعنهم الله بكفرهم (پ:۱،البقرہ۸۸)
ونطبع على قلوبهم فهم لايسمعون (پ:۹،الاعراف:۱۰۰)

(۳)...جب سمجھ اُٹھ جاتی ہے تو دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں

ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا (پ:۳،آل عمران:۸)
من بعد ما كان كاد يزيغ قلوب فريق منهم (پ:۱۱،التوبہ:۱۱۷)
فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم (پ:۲۷،الصف:۱۴)
فاما الذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه(پ:۳،آل عمران:۷)
ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما (پ:۲۸،التحریم:۴)

(۴)...مرعوب دل ہوتے ہیں، خوف ان میں اترتا ہے

سنلقى فى قلوب الذين كفروا الرعب (پ:۴،آل عمران:۱۵۱)
سالقى فى قلوب الذين كفروا الرعب (پ:۹،الانفال:۱۲)
وقذف فى قلوبهم الرعب (پ:۲۱،الاحزاب:۲۶)
قلوبهم يومئذ واجفة ابصارها خاشعة (پ:۳۰،النازعات)

(۵)...گناہوں سے دل سخت ہوتے ہیں

ثم قست قلوبكم من بعد ذلك فهى كالحجارة (پ:۱،البقرہ:۷۴)
ولكن قست قلوبهم (پ:۷،انعام:۴۳)
والقاسية قلوبهم (پ:۱۷،الحج:۵۳)
فويل للقاسية قلوبهم من ذكر الله (پ:۲۳،الزمر:۲۲)
فطال عليهم الامد فقست قلوبهم (پ:۲۷،الحدید:۱۶)

(۶)...بیماریوں کے بارے میں آیات ملاحظہ فرمائیں

فى قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا (پ:۱،البقرہ:۱۰)
فيطمع الذى فى قلبه مرض (پ:۲۲،الاحزاب:۳۲)
فترى الذين فى قلوبهم مرض يسارعون فيهم
(پ:۶،المائدہ:۵۲)

والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینہ
(پ:۲۲،الاحزاب:۶۰)

(۷)...وہ دل جو شک کا شکار ہیں اور حق قبول نہیں کرتے

لایزال بنیانھم الذی بنوا ریبۃ فی قلوبھم (پ:۱۱،التوبہ:۱۱۰)
وارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یترددون (پ:۱۰،التوبہ:۱۵)

یہ دلوں کا زنگ، ان پر مہر لگ جانا، دلوں کی کجی، دلوں کا خوف اور ڈر، دلوں کی قساوت، دلوں کے امراض اور ان کے ترددات، یہ وہ اصول ہیں جن کے تحت دلوں میں متعدد بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ جس طرح بدن کی بیماریوں کے معالج اور ڈاکٹر موجود ہیں، قلبی بیماریوں کے جاننے والے اور ان کا روحانی علاج کرنے والے معالج اور ڈاکٹر بھی ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسانی دلوں میں یہ بیماریاں تو موجود ہوں اور زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے نے ان کے علاج کی راہیں نہ کھولی ہوں۔ مشائخ ان بیماریوں کے روحانی معالج ہیں اور انہوں نے دلوں کی بیماریوں کی بارہا اصلاح کی ہے۔

قرآن کریم نے ان بیماریوں کے صرف اصول بتلائے ہیں، مشائخ نے ان کے تحت ان قلبی بیماریوں کی ایک طویل فہرست بھی ترتیب دے دی ہے۔

مجدد ماۂ چہاردہم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

آفات لسان (کذب، غیبت وغیرہ) اسراف، بخل، بغض، تکبر، حب جاہ، حب دنیا، حرص، حسد، ریا، شہرت، غضب۔

(شریعت اور طریقت ص:۱۸۰)

یہ چودہ امراض اخلاقِ ذمیمہ کے تحت آتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت نے اس سے پہلے اخلاق رذیلہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ خود مذموم نہیں ہیں ان کے مقتضیٰ پر عمل کرنا مذموم ہے جیسے غصہ خود مذموم نہیں لیکن اس کے تقاضا پر عمل کرتے چلے جانا یہ مذموم ہے۔ آپ کے نزدیک اخلاق رذیلہ کا علاج تامل وتحمل ہے اور ان کے لیے امالہ کافی ہے ازالہ کی فکر میں نہ پڑے لیکن اخلاق ذمیمہ کا دور کرنا اور ان کے علاج میں محنت کرنا ضروری ہے۔ ہم اس وقت ان امراض کے علاج سے بحث نہیں کر رہے جو اس راہ کے عالموں نے بتائے اور آزمائے ہیں ہم یہاں صرف یہ گذارش کر رہے ہیں کہ تمام روحانی بیماریوں کا مورد دل ہے اور

قرآن کریم نے دلوں کو ہی ان اخلاق رذیلہ اور ذمیمہ کا موضوع بتلایا ہے۔

فانها لاتعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور

(پ:۱۷،الحج:۴۶)

ترجمہ: سو ایسا ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اللہ کے حضور قلب سلیم سے حاضر ہونے کا حکم

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور حاضر ہونے والوں کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ وہ قلب سلیم کے ساتھ ہمارے دربار میں حاضر ہوں۔ انبیاء کرام اسی قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے حضور حاضری دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وان من شيعته لابراهيم اذ جاء ربه بقلب سليم (پ:۲۳،الصافات:۸۴)

قلب سلیم والا کون ہے؟ جو ہر قسم کی اعتقادی اور اخلاقی بیماریوں سے دل کو پاک کر کے اور دینوی علائق اور تعلقات سے بے نیاز ہوکر انکسار اور عاجزی کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو یہ قلب سلیم لے کر اللہ کے ہاں پہنچا اس کی کامیابی میں کیسے شک ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

يوم لاينفع مال ولا بنون الا من أتى الله بقلب سليم

(پ:۱۹،الشعراء:۸۹)

ترجمہ: جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو آیا اپنے رب کے پاس بے روگ دل لے کر۔

دل کو بے روگ کس طرح بنایا جاتا ہے؟ تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کی محنت سے، صاحب دل صادقین کی معیت میں آنے سے۔

گر تو سنگ خارا و مرمر شوی
چون بصاحب دل رسی گوہر شوی

دنیا میں دلوں کو بیماریاں کہاں سے لگتی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں ان پر روحانی معالجین اور کاملین کی گہری نظر ہونی چاہئے انہی حالات کی روشنی میں پھر ان بیماریوں کے علاج

کئے جاتے ہیں، منزل سب کی اسی ایک نقطہ پر ختم ہوتی ہے کہ اللہ کے حضور ایک بے روگ دل لے کر حاضری دی جائے۔

دلوں کی اصلاح سے پہلے یہ یقین ہونا چاہئے کہ جملہ اخلاقی بیماریوں کا گڑھا دل ہے پھر جب ان دلوں پر محنت ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جملہ اخلاقی بزرگیوں کا گہوارہ بھی یہ دل ہی ہیں۔ ہم قرآن کی یہ آیت پہلے پیش کر آئے ہیں۔

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانو یکسبون (پ:۳۰، المطففین:۱۴)

زنگ زدہ دلوں میں اللہ کے ذکر کی لہر نہیں اٹھتی اللہ تعالیٰ انہیں اب خود اپنے سے دور کر دیتے ہیں۔

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه وکان امره فرطا (پ:۱۵، الکھف)

ترجمہ: اور تو اس کے کہنے میں نہ آ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ چل پڑا اپنی خواہش کے پیچھے۔

یہاں بھی غفلت دل کی ایک حالت بتائی گئی ہے۔

نوٹ: اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ آنحضرت نے مختلف مواقع پر جن جن صحابہ کرام کی بات مانی اور جو دربار رسالت میں حاضر باش تھے ان کے دل یاد الٰہی سے ہر وقت معمور تھے، کسی پہلو سے غفلت زدہ نہ تھے۔ غافلین سے آپ کو دور رہنے کا حکم دیا اور ذاکرین کے قریب رہنے کی تاکید فرمائی۔

ہم یہ عرض کر رہے تھے کہ جب دل نیک صحبت، اچھی مجالس، اللہ کے ذکر اور کاملین کی توجہ سے ان رذائل سے پاک ہو جاتے ہیں تو پھر ان دلوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون و طمانیت کی لازوال دولت ملتی ہے۔ انہیں دلوں کو حوصلہ میسر آتا ہے، وہ تقوی کا نور پاتے ہیں اور ان پر خدا کی طرف سے سکینت اترتی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اللہ کے حضور قلب سلیم اور صحت مند دل لے کر حاضر ہوں۔

مادی کائنات میں لطیف روحانی اثرات

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

یہ مادی دنیا مادی اسباب اور ایک خاص محسوس نظام سے چل رہی ہے۔ یہ اس نظام کی حسی گردشیں ہیں جن میں ہم اپنے کاروبار کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں آگے بڑھتے یا پیچھے ہٹتے ہیں لیکن کتاب وسنت سے پتہ چلتا ہے کہ ان ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ کچھ لطیف روحانی لہریں بھی بڑی تیزی سے چل رہی ہیں جو اس کائنات میں اپنا کام کرتی ہیں اور پھر کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ لطیف روحانی لہریں ظاہری حواس پر چھا جاتی ہیں یا ان میں کچھ عمل دخل پیدا کر لیتی ہیں، یہ اچھے یا برے اعمال کی مخفی واردات ہیں جنہیں ہم روحانی اثرات کہہ سکتے ہیں۔

جادو برے اعمال کے مخفی اثرات ہیں اور کبھی یہ اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ اللہ کا کلام پڑھ کر پھونکنا اور مریض کا اس سے کچھ سکون محسوس کرنا یہ اس نیک کلام کے مخفی اثرات ہیں جو عمل کرنے میں مخفی ہیں لیکن نتائج میں بیشتر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مادہ پرست لوگ جو روح کے باطنی اعمال اور باطن کی روحانی قوتوں کے منکر ہیں وہ انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں لیکن یہ اثرات اپنے کو ظاہر کر کے رہتے ہیں۔

آگ دیکھنے میں تو آگ ہی رہے لیکن جلائے نہ، یہ حکم الٰہی کی نہایت لطیف لہر ہے جو آگ پر چھا گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو یہ اور روشن ہو جاتی ہے مگر ہاتھ ڈالنے والے کو جلاتی نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے جاتے ہیں مگر وہ آگ اپنی ساری صفات (جلانے کی) رکھنے کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کو نہیں جلاتی، یہ حکم الٰہی کا لطیف اثر ہے جو محسوسات پر چھا گیا۔ ہم جو کہتے ہیں کہ معجزات کے پیچھے اسباب نہیں

ہوتے اس سے مادی اور عادی اسباب مراد ہیں، حکم الٰہی ایک ایسا لطیف سبب ہے جو "یا نار کونی بردا" کے پیرایہ میں عمل کرتا ہے اور "سلام علی ابراھیم" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان روحانی اثرات کو وہی لوگ پا سکتے ہیں جن کی روح ایسی لطیف ہو چکی ہو کہ ہر نیک و بد کام کی جھلک اس میں محسوس ہو۔ روح کو یہ لطافت تزکیۂ قلب اور تصفیہ باطن اور معصیت کے دائروں سے دور رہنے سے ملتی ہے، اسے بھی سلوک کہہ دیتے ہیں۔

احادیث میں بعض غلطیوں کے لطیف روحانی اثرات

(۱)... امام نسائی شیب بن ابی روح سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور آپ نے اس میں سورہ روم کی تلاوت کی آپ پر اس میں کچھ التباس ہوا جب آپ نماز پڑھ چکے تو ارشاد فرمایا کہ:

ما بال اقوام یصلون معنا ولایحسنون الطھور وانما یلبس علینا القرآن اولٓئک (سنن نسائی ج:۱،ص:۱۵۱)

ترجمہ: لوگوں کا بھی کیا حال ہے کہ نماز تو ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور وضو ٹھیک طور نہیں کرتے یہ لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔

وضو صحیح نہ کرنا کن کا قصور ہے؟ دوسروں کا... ان کے نادرست کام کے باریک اثرات امام پر آرہے ہیں اور قرآن پڑھنا جو دین کا بہترین کام ہے اور پھر اس کا نماز میں تلاوت کرنا (جس میں قرآن پڑھنے کی اور دس گنا شان ہے) اس پر وہ غلطی اثر کر رہی ہے، یہ تو آنحضرت ﷺ کی فطرت سلیمہ کی روحانی لطافت ہے جس نے اسے غالب نہ آنے دیا اور آنحضرت ﷺ پر حقیقت کھلی کہ یہ کسی کا عمل آپ کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہے۔

اس حدیث پر محدث کبیر مولانا بدر عالم مہاجر مدنیؒ کا ایمان افروز جملہ ملاحظہ فرمائیں:

پس جب دوسروں کا قصور آپ کی فطرت کے لیے اتنا بار ہو تو سوچیے کہ کیا براہِ راست قصور کی یہاں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے، معصیت کا تو ذکر کیا ہے۔ (ترجمان السنہ ج:۳،ص:۳۸۶)

اس سے نبوت کی شان معصومیت کا پتہ چلتا ہے، جس طرح آنکھ ذرہ بھر گرد کو

برداشت نہیں کرسکتی نبوت غلطی کے بوجھ کو برداشت نہیں کرسکتی۔

(۲)...حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی عباء ہدیہ کی طور پر آئی ابھی ریشم پہننا مردوں کے لیے ممنوع نہ ہوا تھا، آپ ﷺ نے اسے پہنا اور نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اسے ناپسندیدگی سے اتارا اور فرمایا:

لا ینبغی هذا للمتقین (صحیح بخاری ج:۱،ص:۵۴)

تقویٰ والوں کے لیے یہ درست نہیں۔

اس کپڑے میں کوئی برائی نہ تھی سوائے اس کے کہ یہ آئندہ امت کے مردوں کے لیے حرام ہونے والی ایک چیز تھی۔ حضور ﷺ کی معصوم فطرت کو دیکھئے کہ ریشم پہلے ہی آپ کے جسد اطہر پر بار ہو رہا ہے۔ سو جو چیز پہلے ہی ممنوع ہو اس سے نبوت کی فطرت کس قدر دور ہوگی آپ اس سے اندازہ کرسکتے ہیں۔

(۳)...حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے نماز (جس میں قرات جہری تھی) سے فارغ ہوکر مقتدیوں سے پوچھا: هل قرء معی احد کم تم میں سے کسی نے میرے ساتھ (مقتدی ہوکر) قرآن پڑھا ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ ہاں میں نے پڑھا ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

قال انی اقول مالی انازع القرآن (سنن نسائی ج:۱،ص:۱۴۶)

ترجمہ: میں کہہ رہا تھا کہ (یعنی میرے جی میں یہ بات آرہی تھی) کہ میں قرآن پڑھنے میں کیوں کھچاؤ میں آرہا ہوں یعنی کسی مقتدی کے قرآن پڑھنے سے میری قرأت میں رکاوٹ آرہی ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنا (قرآن کا کوئی حصہ ہی کیوں نہ ہو) منع ہے، آنحضرت ﷺ نے جب اس غلطی پر متنبہ فرمایا تو (حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ) سب لوگ قرات خلف الامام سے رک گئے۔

فانتهى الناس عن القراءة فيما جهر فيه رسول الله ﷺ بالقراءة حين سمعوا ذلک (سنن نسائی ج:۱،ص:۱۴۶)

جہر کس کا ہوتا ہے؟ (سورہ فاتحہ کا بھی اور ما زاد علی الفاتحہ کا بھی) سو جس کا بھی رسول اللہ ﷺ جہر فرماتے صحابہ اسے پڑھنے سے رک گئے، اس واقعہ کے بعد کسی صحابی نے

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی ہو اس کا ذکر حدیث میں نہیں ملتا۔

قرات خلف الامام کوئی بڑا گناہ نہیں مگر دیکھئے کہ وہ بھی حضور ﷺ کی فطرت سلیمہ پر کس طرح بار بن رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اعمال کے پیچھے ان کے نہایت لطیف روحانی اثرات ہوتے ہیں جن کو موٹے دماغ کے لوگ نہیں پا سکتے، ان کی فطرت میں نہیں کہ ان باریک باتوں پر غور کر سکیں۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں ایک نماز سری کا واقعہ بھی اسی طرح مروی ہے، اس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے:۔

ان رسول اللّٰہ ﷺ صلی الظهر و قال قد علمت ان بعضكم خالجنيها (صحیح مسلم ج:۱، ص:۱۷۲)

اس پر حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

فيه دليل على انه لايقرء الماموم وراء الامام

(الذیل علی طبقات الحنابلہ ج:۱، ص:۲۳۳ طبع جدید)

حافظ صاحب نے آگے جو تاویل کی ہے ہم سنن نسائی کی روایت سے اس کا جواب دے آئے ہیں وہاں موضوع قرآن ہے تو جب سورہ فاتحہ بھی قرآن میں ہے تو یہ حکم رسالت سورہ فاتحہ کو شامل کیوں نہ ہوگا؟

ایک معاندانہ سوال

ایک شخص نے اس حدیث کی تاویل فرمائی کہ قرات خلف الامام کا مرتکب شاید حضور ﷺ کے قریب پہلی صف میں ہو اور حضور نے اسے فاتحہ پڑھتے ہوئے سن لیا ہو اور یہ بات دور کے روحانی اثرات سے نہ ہو۔ ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ ایک شخص آخری صف میں بھی ایک دفعہ کسی غلطی کا مرتکب ہوا تھا اور حضور ﷺ اس پر مطلع ہو گئے تھے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روحانی اثرات ہیں جو دور سے بھی عمل کرتے ہیں۔

(۴)... حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی اس جماعت کی آخری صف میں ایک شخص تھا:۔

فاساء الصلوة فلما سلم ناداه رسول اللّٰہ ﷺ يا فلان الا تتقى

اللّٰہ الا تری کیف تصلی انکم ترون انه یخفی علی شیء مما تصنعون (رواہ احمد ترجمان السنہ ج:۳،ص: ۲۵۵)

ترجمہ: اس نے نماز اچھی نہ پڑھی جب اس نے سلام پھیرا تو اسے حضور ﷺ نے آواز دی اے فلاں کیا تجھے خدا کا ڈر نہیں؟ تو نہیں دیکھتا کہ تو کیسے نماز پڑھ رہا ہے، تم سمجھتے ہو کہ تمہارے بعض عملوں کا مجھے پتہ نہیں چلتا۔

(۵)... عاصم بن کلیبؓ اپنے باپ سے وہ ایک انصاری سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ایک جنازہ سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں کسی عورت کی طرف سے کوئی بلانے والا آیا اور آپ کو کھانے کی دعوت دی آپ نے اس کھانے میں محسوس کیا کہ آپ لقمہ چبا رہے ہیں اور وہ اندر نہیں جا رہا، آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلها

(سنن ابی داود ج:۲،ص:۱۱۶، مسند امام احمد ج: ۵،ص: ۲۹۳ طحاوی ج:۲،ص: ۳۲۰)

ترجمہ: مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔

سوال کرنے پر اس عورت نے بتلایا کہ اس نے اپنی ہمسائی سے یہ بکری خریدی تھی اور اس نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر یہ بیچ دی تھی، وہ اسے خریدنا چاہتی تھی لیکن ہمسایہ گھر میں نہ تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب یہ کھانا ہم نہیں کھائیں گے قیدیوں کو کھلا دو۔

اب ظاہر ہے کہ اسباب سے کوئی بات اس کا پتہ نہیں دے رہی تھی کہ یہ بکری کس طرح لی گئی ہے، آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے یہ واقعہ پردہ غیب میں تھا یہ اس گوشت کے اندر کے لطیف اثرات تھے جو آپ ﷺ پر گراں ہو رہے تھے اور لقمہ نگلا نہ جاتا تھا۔

یہ لطیف روحانی اثرات آپ ﷺ کے ظاہری حواس پر (کھانا نگلنے کی قوت پر) اثر انداز ہوئے، اگر روحانیت کوئی چیز نہیں یہ عالم صرف ظاہری احساسات پر مبنی ہے، یہاں روحانیت اور باطنی کیفیت نام کی کوئی چیز نہیں تو خدارا ان روایات پر غور کیجیے۔ یہ روح کے اپنے اثرات اور تاثرات ہیں جن کی باریک لہریں اس عالم ظاہر کی نبضوں پر محسوس ہو رہی تھیں لیکن یہ نصیب انہی لوگوں کا ہے جو عالم ظاہری کے وراء ایک عالم باطن پر یقین رکھتے ہیں اور وہ روحانیت کے قائل ہیں۔

پھر ایسا بھی کئی دفعہ ہوا کہ گناہوں کے ان اثرات کے تحت شکلیں تک مسخ ہوگئیں۔
کیا قرآن پاک میں کونوا قردۃ خاسئین کی خبر نہیں دی گئی؟ کیا دجال کی پیشانی پر اس کا ظاہری نشان ''ک.ف.ر'' نہ آجائے گا؟ کیا منکرین ختم نبوت اور منکرین صحابہ کے چہروں پر لعنت کے کھلے آثار نہیں ہوتے؟ اور کیا مومنین کے چہروں پر ایمان اور سنت کا روشن نور آج بھی نظر نہیں آتا؟

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

کیا آنحضرت ﷺ کی شان خاتمیت کا حسی نشان آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان صحابہ نے نہ دیکھا تھا؟ کیا آنحضرت ﷺ کی ناک مبارک پر اور پھر دندان مبارک پر نور کے اٹھتے انوارات صحابہ نے نہ دیکھے تھے، یہ آپ کے اندر کی لطیف روحانیت اچھل اچھل کر آپ کے ظاہر پر اپنے جلوے دکھا رہی تھی۔

(۶)...آنحضرت ﷺ معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم کرتے یا اس کی اپنے اوپر پھونک لگاتے تو اس سے آپ پر اور سکون اترتا، یہ اس کلام کی ایک باطنی تاثیر تھی جو ظاہری اسباب سے بالا باریک روحانی لہروں سے آپ پر اثر کرتی اور آج تک کاملین اس کلام کے ذریعہ ضرورت مندوں پر جلوہ ریز رہے ہیں۔ علاج بالقرآن ایک مستقل طریق علاج ہے جس سے کروڑوں انسان شفایاب ہوئے ہیں۔

عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا اویٰ الی فراشه نفث فی کفیه بقل هو اللہ احد و بالمعوذتین جمیعا ثم یمسح بهما وجهه وما بلغت یداه فی جسده

(صحیح بخاری ج:۲،ص:۸۵۵)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر کو لوٹتے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر سورہ اخلاص اور آخری دونوں سورتوں کا دم کرتے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے مبارک پھیرتے اور اپنے بدن مبارک پر جہاں جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتے پھیرتے تھے۔

پھر جب آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے اور آپ پر اپنے ہاتھوں کا اُٹھانا بھاری ہوا تو حضرت عائشہؓ خود آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر معوذتین پڑھ کر دم کرتیں اور پھر آپ کا ہاتھ آپ کے بدن مبارک پر پھیر دیتی تھیں۔

عن عائشةؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیه واله وسلم کان ینفث علی نفسه فی مرضه الذی قبض فیه بالمعوذات فلما ثقل کنت انفث علیه بهن وامسح بید نفسه لبرکتها

(صحیح بخاری ج:۲،ص:۸۵۶)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی آپ اپنے اوپر معوذتین پڑھ کر دم کرتے تھے جب آپ پر پڑھنا گراں ہوا تو میں پڑھ کر آپ پر دم کرتی اور میں آپ پر آپ کا ہاتھ پھیرتی اس کی برکت کے لیے۔

(۷)... حضرت کلیب الحضرمیؓ نے جب اسلام قبول کرلیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں ہدایت کی کہ اپنے کفر کے زمانہ کے بال اتروادو۔ ظاہر ہے کہ کفر و ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور یہ اندر کی باریک بات ہے جس کا تعلق ظاہر حسیات سے نہیں، نہ بدن سے، نہ لباس سے، نہ بالوں سے، نہ بستر سے، لیکن یہ امر واقع ہے کہ حضور ﷺ نے کلیب کے کفر کے زمانہ کے بال اتروا دیئے۔ یہ کس لئے؟ یہ اس لئے کہ اس مادی کائنات میں انسان کے لطیف روحانی اثرات وہ خیر کے ہوں یا شر کے، اسلام کے ہوں یا کفر کے، اس کے گرد کی مادی چیزوں پر بھی اثر کرتے ہیں اور ان کو صرف وہی لوگ محسوس کرتے ہیں جو لطیف روحانی اثرات کے قائل ہوں۔

عن عثیم بن کثیر بن کلیب عن ابیه عن جده انه جاء الی النبی ﷺ فقال قد اسلمت فقال له النبی ﷺ الق عنک شعر الکفر یقول احلق (سنن ابی داود ج:۱،ص:۵۱)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں کہ:۔

بعض مشائخ کا معمول منقول ہے کہ مرید کرتے وقت اس کی تراشی کرتے تھے اس اصل پر اور مصلحت زمانہ معصیت کے اثر کو زائل کرنا ہے۔ (التکشف ص:۳۳۳)

(۸)...حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اپنی قوت حافظہ کی کمزوری عرض کی۔ حفظ (یعنی یاد رہنا) یہ ایک باطنی امر ہے جس کا کوئی حسی نشان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، یہ چادر ایک حسی چیز تھی جو سب کو نظر آرہی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے وہ چادر آپ ﷺ کے سامنے پھیلادی۔ آپ ﷺ نے اس چادر میں دونوں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز ڈالی:۔

عن ابی هریرة قال قلت یا رسول اللہ ﷺ انی اسمع منک حدیثا کثیرا انساہ قال ابسط ردائک فبسطه فغرف بیدیه ثم قال ضم فضممته فما نسیت شیئا بعد

(صحیح بخاری ج:۱،ص:۲۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس عمل کے بعد آپ کا ہر فرمان مجھے یاد رہتا اس کے بعد کوئی بات نہیں بھولی۔ چادر عالم محسوسات کی ایک چیز تھی آپ کے دونوں ہاتھ بھی نظر آرہے تھے لیکن وہ چیز کیا تھی جو آپ نے اس چادر میں ڈالی وہ عالم باطن کی ایک غیر مرئی چیز تھی لیکن اس کے اثرات پھر حسی نکلے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو آپ کی فرمائی ہوئی بات یاد رہتی۔ مادی کائنات میں ان لطیف روحانی اثرات کے ڈھلنے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۹)...انسان جب کوئی سودا خریدتا ہے تو بوقت خرید کئی لغو باتیں اور قسمیں زبان سے نکل جاتی ہیں، ان کی نحوست مخفی اور باطنی چیز ہے، خریدنے والا ہر شخص چاہے گا کہ میں اپنے مال کو ان اثرات سے محفوظ کرلوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس میں صدقہ کی آمیزش کرلیا کرو صدقہ کا شائبہ اسے ان اثرات سے پاک کردے گا۔

عن قیس بن ابی غرزة قال کنا فی عهد رسول اللہ ﷺ نسمی السماسرة .. قال یا معشر التجار ان البیع یحضره اللغو والحلف فشوبوہ بالصدقة (سنن ابی داود ج:۲،ص:۱۱۶)

ترجمہ: قیس کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہمیں سماسرہ کہا جاتا تھا.... حضور ﷺ پاس سے گذرے تو آپ نے فرمایا اے گروہ تجار! خرید وفرخت کے وقت لغو اور (بلا ارادہ) قسم عام آجاتی ہے سو سودے بازی میں تم کچھ صدقہ ملا دیا کرو۔

(۱۰)...نماز میں نمازی کے آگے سترہ ہونا ضروری ہے، کوئی چیز سترہ بنانے کے لیے پاس نہ ہو تو نمازی اپنے آگے ایک لکیر کھینچ لے پھر اسے کچھ ضرر نہیں، جو بھی آگے سے گذرتا رہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہاں اس لکیر کے آگے کے مضر اثرات دکھائی نہیں دے رہے لیکن یہ لکیر (جو دکھائی دے رہی ہے) ان اثرات کو روک رہی ہے یہ اس مادی دنیا میں پھیلنے والے باریک روحانی اثرات ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

اذا صلی احد کم فلیجعل تلقاء وجهه شیئا فان لم یجد فلینصب عصا فان لم یکن معه عصا فلیخط خطا ثم لا یضره من مر امامه (سنن ابی داود ج:۱، ص:۱۰۰)

ترجمہ: تم میں جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے آگے کوئی چیز رکھ لے اگر اسے کوئی چیز نہ ملے تو اپنی چھڑی ہی وہاں گاڑ لے اگر اس کے پاس چھڑی بھی نہ ہو تو اپنے آگے ایک لکیر لگا لے اب جو بھی سامنے سے گذرے گا اسے کوئی ضرر نہ ہوگا۔

مادی کائنات میں لطیف روحانی اثرات کس طرح اپنا کام کرتے ہیں اسے ہم نے چند مثالوں سے واضح کر دیا ہے، جن لوگوں نے اس مادی کائنات میں لطیف روحانی اثرات دیکھے ہیں وہ پکار اٹھے ہیں کہ مادیات اور حسیات کے پیچھے بھی ایک ایسی دنیا ہے جہاں روحانیت بڑی تیزی سے چلتی ہے اور اپنے اثرات پھیلاتی ہے۔ مگر جو لوگ ظاہر کے گرویدہ ہیں اور حسیات کے متوالے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ ان حقائق و اسرار کا انکار کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس انکار سے اپنی زبان آلودہ کرنا بھی انہیں کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ حافظ ابن قیم اسی راہ کے ایک مسافر گذرے ہیں۔ امام ملا علی قاری شرح شمائل میں لکھتے ہیں کہ آپ ولی تھے، آپ کو اس راہ میں جو روحانیت کا سمندر نظر آیا اسے آپ نے عارفین کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے:۔

لو علم الملوک و ابناء الملوک ما نحن فیه لجادلونا علیه بالسیوف (الوابل الصیب ص:۱۰۶)

ترجمہ: اگر بادشاہ اور شاہزادوں کو پتہ چل جائے کہ ہم کس اونچے مقام پر ہیں تو ہم سے یہ مقام لینے کے لیے وہ ہم پر مسلح ہو کر ٹوٹتے۔

عالم اسرار کا جلی اقرار قرآن کریم میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت دی اور تمام بنی اسرائیل اس کے مطابق عمل کرتے رہے، اس وقت قانون الٰہی کے سب سے بڑے نمائندہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، آپ کے ہاں علم سے مراد صرف ظاہر علم شریعت تھا، آپ نہ سمجھتے تھے کہ اس کے پیچھے عالم تکوین کی کچھ خاموش لطیف لہریں بھی کام کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اس عالم اسرار کی ایک جھلک دکھانے کے لیے اپنے ایک دوسرے بندے کو اس پر مامور فرمایا:۔

فوجدا عبدا من عبادنا آتیناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما. قال له موسیٰ هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا. قال انک لن تستطیع معی صبرا. وکیف تصبر علی ما لم تحط به خبرا (پ: ۱۵، الکہف: ٦٨)

ترجمہ: پس پایا ان دونوں نے (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے) ایک بندہ کو ہمارے بندوں میں سے، اور سکھلایا تھا اسے ہم نے ایک علم (علم اسرار میں سے) موسیٰ نے اس ہمارے بندے سے کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں اس بات پر کہ تو مجھے سکھلا دے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے راہ دکھا دی ہے؟ اس نے کہا تو میرے ساتھ اس پر صبر نہ کر سکے گا اور کیونکر تو صبر کرے گا اس چیز پر جو تیرے قابو میں نہیں ہے۔

قرآن کریم نے یہاں اس علم اسرار کا پتہ دیا ہے جو علم شریعت کے وراء اسرار کائنات کی گہری حقیقت رکھتا ہے اس علم کے اصول وفروغ کیا کیا ہیں اور اس نے کس طرح ساری کائنات کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے، یہ ہمارا اس وقت کا موضوع نہیں لیکن یہ ہم بلا تردد کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم نے یہاں اس عالم اسرار کا ایک جلی اقرار کیا ہے۔ جس طرح یہاں کے نظام تشریع کی رگیں حضرت جبرئیل اور انبیاء ومرسلین سے وابستہ ہیں اس کے نظام تکوین کی تاریں اسرافیل اور ملائکہ مقربین کی نقل وحرکت سے ہلتی ہیں۔ علم نبوت اور اسرار ولایت کے سلسلے ساتھ ساتھ قائم ہیں۔ ہمیں اتباع شریعت کا حکم ہے گو لطف ومزہ اسرار ولایت کے جاننے میں زیادہ ہے۔

تصوف پر لکھی گئی پہلے دور کی تالیفات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

تزکیہ قلب اور صفائی باطن پر متوجہ کرنے والی پہلی کتاب قرآن کریم ہے۔ اس سے پہلی کتابوں میں زبور خاص اسی موضوع پر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اسے عملاً اختیار کیا اور مومنین کی ایک بڑی تعداد کے دل دھوڈالے، اب ان کی روشنی اس طرح پھیلی جس طرح سیاہ رات پر ستارے چھا جاتے ہیں۔ محدثین جو علم نبوت کے امین ہیں انہوں نے حدیث کی کتابوں میں جس طرح شریعت کے ابواب باندھے کتاب الزہد، کتاب الرقاق، کتاب الدعوات، کتاب الاذکار اور ابواب البر والصلہ جیسے عنوانات سے طریقت کے باب بھی باندھے۔ یہ حضرات ان ابواب میں وہ تمام اصول لے آئے جو آئندہ فروع تصوف میں پھیلے۔ پہلی تین صدیوں میں دلوں پر محنت کرنے والے حضرات زہاد وعباد اور ناسکین کے طور پر زیادہ معروف تھے۔ ویسے صوفی کا لفظ بھی پہلی دو صدیوں میں ان عابدوں اور زاہدوں میں آچکا تھا۔ امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) دوسری صدی کے بزرگ ہیں ابو ہاشم کے تذکرہ میں کہتے ہیں:

لو لا هاشم الصوفی ماعرفت حقائق الریاء (...)

ترجمہ: اگر ابوہاشم صوفی نہ ہوتے تو ریاکاری کے اوضاع پہچانے نہ جا سکتے۔

یعنی انہوں نے باریک اور چھپے ہوئے امراض کی نشاندہی کی۔ حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) خواجہ عبدالواحد بن زید (۱۷۰ھ) کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

عبد الواحد بن زید البصری الزاهد شیخ الصوفیة واعظم من

لحق الحسن (لسان المیزان ج:۴،ص:۸۰)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی میں ہی یہ لفظ (صوفی) جس سے تصوف کا لفظ سامنے آیا کسی نہ کسی درجے میں رائج اور معروف تھا تاہم اس موضوع کے لیے زیادہ استعمال زہد وغیرہ کے الفاظ کا تھا۔ محدثین جس طرح شریعت کے مسائل میں فقہاء کے پیچھے چلتے تھے اعمال قلب میں وہ تقریباً سب کے سب اہل ولایت میں سے ہوتے تھے۔ تصوف پر سب سے پہلی تالیف کتاب الاخلاص ہے جو امام حسن بصری (۱۱۰ھ) نے لکھی (البدایہ)۔ امام عبداللہ بن المبارک (۱۸۱ھ) کی کتاب الزہد پھر امام احمد (۲۴۱ھ) کی کتاب الزہد اسی دور کی اسی موضوع کی کتابیں ہیں۔ ابوعبداللہ محمد بن زیاد (۲۳۱ھ) کوفہ کے معروف امام لغت بھی اسی لائن کے آدمی تھے۔ آپ نے کرامات الاولیاء لکھی، ابوعبیدہ لغوی کی کتاب الابدال انہی اولیاء مستورین کا پتہ دیتی ہے۔ امام حکیم ترمذی (۲۵۵ھ) نے کتاب ختم الاولیاء اور نوادر الاصول لکھیں، شیخ یحیٰی بن معاذ رازی نے کتاب المریدین لکھی، شیخ حارث بن اسد المحاسی (۲۷۳ھ) نے کتاب المتفکر والاعتبار لکھی۔

شیخ عبیداللہ بن محمد المعروف بہ ابن ابی الدنیا (۲۸۰ھ) کی کتاب مکائد الشیطان، کتاب الاخلاق، کتاب المتقویٰ، کتاب مکارم الاخلاق معروف ہیں۔ شیخ ابوحمزہ الصوفی (۲۸۹ھ) نے کتاب المنعمین من السیاح والعباد المتصوفین لکھی۔ شیخ محمد بن یحیٰی المعروف بہ ہشام القاری (۲۹۲ھ) نے کتاب التوکل لکھی۔ شیخ ابوالحسین احمد بن محمد النوری الصوفی (۲۹۵ھ) نے مقامات القلوب لکھی۔ شیخ جنید بغدادیؒ (۲۹۷ھ) کی کتاب الرسائل کتاب امثال القرآن اس صدی کی غالباً آخری کتاب ہے۔ ہم سلوک و احسان کی تاریخی بحث میں محدثین کی ان دنوں کی اس محنت پر بھی کچھ تفصیل پہلے لکھ آئے ہیں، یہاں ہم صرف ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو ان تین صدیوں کے بعد خاص اسی موضوع پر لکھی گئیں۔

(۱)... چوتھی صدی میں شیخ ابونصر سراج طوسی (۳۷۸ھ) نے کتاب اللمع فی التصوف لکھی۔ پاکستان کے ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے اور یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری (۳۸۰ھ) نے کتاب التعرف لکھی۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری (۳۸۳ھ) نے دقائق المحبین اور مواعظ العارفین لکھیں۔ شیخ ابوطالب مکی (۳۸۶ھ) نے قوت القلوب فی معاملة المحبوب اور وصف طریق المرید الی مقام

التوحید لکھیں۔قوت القلوب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۲)... پانچویں صدی کی ابتداء میں شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی نیشاپوری (۴۱۲ھ) نے طبقات الصوفیہ لکھی۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل تصوف ان دنوں ہر طبقے میں خاصی تعداد میں شہرت پا چکے تھے۔ حافظ محمد بن الحسین نیشاپوری الصوفی (۴۱۳ھ) نے مقامات الاولیاء لکھی۔ پھر محدث جلیل حافظ ابونعیم (۴۳۰ھ) نے حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء لکھی، یہ کتاب ۱۲ جلدوں میں ہے۔ ابوالعلاء المعری (۴۴۹ھ) نے کتاب الربط و الزہد لکھی۔ امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی کتاب الزہد لکھی۔ پھر امام عبدالکریم القشیری (۴۶۵ھ) نے رسالہ قشیریہ لکھا، مدارج الاخلاص بھی آپ کی اس فن میں دوسری تالیف ہے۔ اسی صدی میں پاک و ہند کے مشہور بزرگ جو غزنی سے وارد ہند ہوئے شیخ ابوالحسن علی ہجویری (۴۷۰ھ) نے کتاب فارسی میں کشف المحجوب لکھی، یہ نہایت عمدہ کتاب ہے، اردو میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ پھر خواجہ عبداللہ انصاری ہروی (۴۸۱ھ) نے طبقات الصوفیہ اور منازل السالکین لکھیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی (۸۹۸ھ) کی کتاب نفحات الانس طبقات الصوفیہ کا ہی ترجمہ سمجھیں۔ بعد کی صدیوں کا اضافہ ان کا اپنا ہے۔ منازل السالکین کی ایک شرح کمال الدین عبدالرزاق کاشانی نے لکھی ہے۔

(۳)... آیئے اب ہم آپ کو چھٹی صدی میں لے چلیں۔ حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) نے مدخل السلوک الی منازل السلوک اور کیمیائے سعادت لکھیں، یہ تصوف و اخلاق پر ایک گرانمایہ کتابیں ہیں۔آپ کے بھائی شیخ احمد بن محمد غزالی (۵۲۰ھ) نے الذخیرۃ فی العلم البصیرۃ، سوانح العشاق، تازیانہ سلوک (فارسی) میں لکھی۔ امام عبدالرحمٰن الجوزی صاحب صفوۃ الصفوۃ (۵۰۵ھ)، شیخ عین القضاۃ الہمدانی نے زبدۃ الحقائق (۵۲۵ھ) لکھی، آپ کے مکتوبات (جو مکتوبات عین القضائے ہمدانی کے نام سے معروف ہیں) قابل دید ہیں۔ شیخ ابوسعید نے اسرار التوحید (۵۵۸ھ) اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) کی کتاب فتوح الغیب اور ارشادات الفتح الربانی اسی صدی کی سلوک و احسان پر مستند کتابیں ہیں۔

(۴)... ساتویں صدی کی علم سلوک پر لکھی گئی کتابوں میں کتاب الانوار فی کشف الاسرار للشیخ البقلی (۶۰۶ھ)، المختار فی مناقب الابرار لابن اثیر الجزری (۷ھ)، کتاب کرامات الاولیاء لابی محمد عبداللہ بن نجیم المعروف بالخلال المصری المالکی (۶۱۶ھ)، زبدۃ

الحقائق اور المقصد الاقصی للشیخ عزیزالدین النسفی (۶۱۸ھ)، تذکرۃ الاولیاء للشیخ العطار (۶۲۰ھ)۔عوارف المعارف، رشف النصائح، جذب القلوب الی وصل المحبوب اور علم الہدی و اسرار الاہتداء یہ چاروں کتابیں شیخ شہاب الدین السہر وردی (۶۳۲ھ) کی تالیفات ہیں۔ کنزالملوک فی کیفیۃ السلوک لشمس الدین سبط بن الجوزی (۶۵۴ھ)، اثبات الکرامات لعماد الدین اسمٰعیل بن ھبۃ اللہ الموصلی (۶۵۵ھ) مرصاد العباد من المبداء الی المعاد (فارسی) للشیخ نجم الدین الرازی (۶۶۵ھ)، مکتوبات رومی، مثنوی مولانا روم، دیوان شمس تبریزی یہ تینوں کتابیں مولانا جلال الدین رومی (۶۷۲ھ) کے آثار قلم ہیں۔ابن مالک محمد بن عبداللہ النحوی (۶۷۲ھ) نے کتاب الف الابدال لکھی۔ مفتاح الغیب، نصوص، فکوک، شیخ صدر الدین القونوی (۶۷۳ھ) کے معارف ہیں۔ ریاض الصالحین للامام المحدیث والفقیہ محی الدین النووی (۶۷۶ھ) بھی اخلاق باطنہ کی تعمیر پر ایک عجیب مجموعۂ احادیث ہے۔آپ کی شرح مسلم میں بھی کہیں کہیں سلوک واحسان پر تبصرے ہیں۔ مفتاح الغیب فی التصوف للشیخ صدر الدین القونوی (۶۷۳ھ) اور طہارۃ القلوب والخضوع لعلام الغیوب للشیخ عبدالعزیز بن احمد الدہری (۶۹۷ھ) اس صدی کی زیادہ معروف کتابیں ہیں۔

اس صدی کی کتابوں میں ہم نے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی (۶۳۸ھ) کی کتابوں فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ کا ذکر نہیں کیا، یہ اس لئے کہ الفتوحات کے بعض مضامین ظاہر نصوص کے خلاف ہیں، ان میں کچھ باتیں شطحیات کی قسم سے ہیں گو ان سوالات کا جواب بھی دیا جاچکا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی التنبیہ الطربی تنزیہ ابن العربی اس باب کا مشہور رسالہ ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ میں ابن عربی کو مقبولین میں دیکھتا ہوں۔تاہم ان کی کتابوں میں کئی مباحث موجب خطر ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب.

آٹھویں صدی میں یہ علم السلوک کن پیرایوں میں آگے بڑھا اسے آپ شیخ عزالدین کاشانی (...ھ) کی کتاب مصباح الھدایت (فارسی) میں دیکھ سکتے ہیں۔ مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم للشیخ داود بن محمد القیصری (۷۵۱ھ)، المقامات العلیہ فی الکرامات الجلیہ لمحمد بن سید الناس (۷۳۴ھ)، طبقات الاولیاء للشیخ سراج الدین عمر بن الملقن (۸۰۴ھ) اس صدی کی تصوف کی یادگاریں ہیں۔

پھر نویں صدی میں اس فن کی کتابوں میں مولانا جامی کی عربی کتابوں میں نقد النصوص اور لوامع اور فارسی کتابوں میں نفحات الانس، لوائح اور اشعہ اللمعات شرح لمعات۔ پھر چھ جلدوں میں زاد السالکین ونزہۃ الناظرین فی فقہ الصالحین للامام علی بن عثمان الصوفی الشافعی (۸۴۴ھ)، قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعہ والطریقہ للشیخ شہاب الدین الفاسی المالکی (۸۸۹ھ) اور الکنز العلی فی بیان مقامات الصوفی لحسام الدین علی بن الحسین زیادہ معروف کتابیں ہیں۔

علم سلوک پر یہ نو صدیوں کا سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ یہ سب ائمہ طریقت شریعت کو اپنے ساتھ لے کر چلے ہیں سو اس میں بھی آپ کو پرانا اسلام ہی جلوہ گر نظر آئے گا، ان کتابوں کے سرسری مطالعہ سے بھی آپ کو یہی حقیقت ملے گی کہ طریقت اور سلوک ہرگز شریعت کے خلاف معرفت کی کوئی متوازی لائن نہیں۔ دین کے جس خاکے کو ہم شریعت کہتے ہیں اسے دلوں میں سمو کر چلنا ہی طریقت کہلاتا ہے۔ شریعت کے علمی ماخذ چار ہیں (۱۔کتاب، ۲۔سنت، ۳۔ اہل علم کا اجماع، ۴۔ قیاسِ مجتہد) تو طریقت میں بھی یہی چار علمی ماخذ ہیں۔ اور یہ اولیاء کرام جن کی کتابیں ہم نے دوسری صدی سے لے کر نویں صدی تک نقل کی ہیں ان کے مولفین اپنے فقہی نظر و فکر میں ان مذاہب اربعہ میں سے ہی کسی نہ کسی کے پیرو رہے ہیں۔ ہاں جس طرح مجتہد مسائل غیر منصوصہ میں اپنے اجتہاد سے فقہ کی جزئیات مرتب کرتا ہے اس طرح اکابر ائمہ سلوک نے بھی طریقت کے بعض پہلوں میں اجتہاد سے کام لیا ہے اور اس لائن سے وہ اپنے موضوع میں مجتہد اور مجدد سمجھے گئے ہیں۔

طریقت میں پانچواں سرچشمۂ علم

اہل طریقت کے لیے ایک پانچواں سرچشمہ علم بھی کھلتا ہے۔ یہ کشف والہام ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:۔

> مقام شرعیہ ادلہ اربعہ (یعنی چار دلیلوں) پر موقوف ہیں۔ جن میں الہام کو گنجائش نہیں لیکن احکام شرعیہ کے ماسوا بہت سے امور دینی ایسے ہیں جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب وسنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے، یہ اصل جہاں کے فناء ہونے تک قائم

ہے۔ (مکتوبات دفتر دوم مکتوب: ۵۵، ص: ۱۶۳)

اس پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ جب دین کتاب وسنت سے کامل ہوگیا پھر کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کونسی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے؟ حضرت امام ربانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

الہام دین کے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنے والا، جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق واسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنے والے جل شانہ کی طرف۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں الہام نبی کے اس اعلام کے مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔ (ایضاً ص: ۱۶۳)

تصوف پر لکھی گئی دور آخر کی تالیفات

آخری پانچ صدیوں کے ائمہ سلوک اور انکی خدمات

دسویں صدی کے مجتہد ائمہ سلوک میں سے شیخ جمال الدین حسین بن علی الحصنی (۹۶۵ھ)، حضرت امام شعرانی شافعی (۹۷۶ھ)، حضرت امام ملا علی قاری حنفی (۱۰۱۴ھ)، گیارھویں صدی کے ائمہ سلوک میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ)، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)، بارھویں صدی کے ائمہ سلوک میں شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ) اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)، تیرھویں صدی کے ائمہ سلوک میں حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق (۱۲۶۲ھ) حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید (۱۲۴۶ھ) اور چودھویں صدی کے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ)

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری (۱۳۳۰ھ) حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (۱۳۲۳ھ) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (۱۳۴۷ھ) اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) زیادہ معروف ہیں۔ ان حضرات نے سلوک و احسان میں جو محنتیں کیں ہیں وہ شریعت کے پہلو بہ پہلو چلی آئی ہیں، مجال ہے کہ ان کے ہاں آپ کوئی بات کتاب و سنت، مواقف صحابہ اور مذاہب ائمہ کے خلاف پائیں۔ رہے مسائل طریقت تو ان میں بھی ان ائمہ سلوک کا اجتہاد شریعت کے مجتہدین سے کہیں نہیں ٹکراتا۔

اس صدی وار ارتقاء سے پتہ چلتا ہے کہ تصوف ان صدیوں میں بطور ایک فن خاص مقبول ہو چکا تھا اور علماء میں علم احسان پانے والے اور اس کی گہرائیوں میں اترنے والے اس وقت بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور یہ حضرات ہر علاقے میں ایک بڑی تعداد میں ملتے تھے اور یہ علم بطور ایک فن کے بھی کتابوں میں اچھی طرح مدون ہو چکا تھا اور بعد کے ائمہ سلوک اس کی تنقیح و تشریح شریعت کے آئینہ میں ہی کرتے تھے، جو بات شریعت کے آئینہ میں نظر آجاتی وہ طریقت سمجھی جاتی تھی اور جو بات شریعت کے خلاف نظر آتی اسے شطحیات اور تفردات قرار دے کر طریقت کے مسافروں کو اس سے احتیاط اور اجتناب کی تاکید کر دی جاتی تھی۔

سو یہ بات ہرگز درست نہیں کہ یہ ائمہ سلوک صرف بحرِ طریقت میں تیرتے تھے انہیں شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نہیں، ہرگز نہیں! یہ آئمہ سلوک جس طرح طریقت کے شیوخ تھے اسی طرح شریعت کے بھی گہرے رازداں اور نگران ہوتے تھے اور ان میں بیشتر اپنے وقت کے نابغہ روزگار تھے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند دام و سنداں باختن

ان کا اپنا بیان ہے کہ علم کا آخری درجہ معرفت ہے۔ کتاب و سنت کا عمل ایک بحر ناپیدا کنار ہے، اس میں آخری گہرائی اسی اصلاح باطنی کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسی سے انسان انسان بنتا ہے، یہ نہ ہو تو علم ایک حجاب اکبر ہے یہ ہو تو شریعت اور طریقت کے کناروں میں آپ کو حقیقت کا بہتا ہوا دریا اپنے ان موتیوں کی معرفت تک لے جائے گا جو ابھی صدف زیر آب میں چھپے ہوئے ہیں۔

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا فیضان

یوں تو اہل طریقت کے مقامات اپنے اپنے ہیں اور ان میں کئی طبقات ہوئے ہیں مگر جہاں تک مجدد کا تعلق ہے تو یاد رکھئے کہ مجدد اپنے مقام سے نہیں بلکہ اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت تھانوی چودھویں صدی کے مجدد تھے۔ آپ کی خدمات صرف قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی پر ہی نہ تھیں احسان وسلوک میں بھی آپ کا کام اتنا جامع ہمہ گیر ہے کہ اس کا احاطہ کرتے قلم ساتھ نہیں دیتا۔ سو مناسب سمجھا کہ اسے ہم اس بزرگ کے حوالہ سے سپرد قلم کریں جو علمی ادبی دینی اور تاریخی دائروں میں شہرہ آفاق تھا اور جس نے ان علماء سے بھی استفادہ کیا تھا جو علمائے دیوبند سے وابستہ نہ تھے اس نے پھر براہ راست تھانہ بھون حاضری دی اور حضرت کو بہت قریب سے دیکھا اور ان کے قلم میں بھی اتنی سلامتی اور قوت تھی کہ آپ جم کر ایک بات کہہ سکتے تھے میری مراد مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ہیں۔ آپ نے حضرت حکیم الامت کو کس طرح پایا اسے آپ کی زبانی سنیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

اصلاح امت کی کوشش میں علمی و عملی زندگی کے ہر گوشہ پر ان کی نظر تھی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، فاسقوں سے لے کر صوفیوں درویشوں زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں استادوں اور مدرسوں تک، غرض ہر صنعت امت اور ہر جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی۔ شادی بیان غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا اور کھوٹا الگ کیا اور رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا۔ تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، معاملات، اخلاق، عبادات اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی۔ فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ فن احسان وسلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجدید کی۔ (جامع المجددین ص: ۲۷)

پھر آپ نے یہ بھی کہا:۔

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا پھر شبلی، جنید اور جیلانی، بسطامی اور

سہروردی و سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہوگیا۔ یہ ہستی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہے۔

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فیضانِ طریقت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے تصوف اور احسان وسلوک کے موضوع پر تقریباً پچاس سے زائد کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات سے تصوف کا اثبات اور احادیث کریمہ سے تصوف کا ثبوت اپنی نظیر آپ ہے اور یہ آپ ہی کا حصہ تھا اس کی سابق میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ کے مجموعہ فتاویٰ (امداد الفتاوی) میں ایک مستقل باب کتاب السلوک کے نام سے ہے جس میں آپ نے تصوف کے بارے میں اٹھنے والے سوالات کے جوابات اور اعتراضات وشبہات کے تسلی بخش جوابات دئے ہیں۔ آپ کے مواعظ (جو ۳۰ جلدوں میں ہیں) وملفوظات (جو ۱۵ جلدوں میں ہیں) میں تصوف کے حقائق و دقائق اور مسائل و معارف جگہ جگہ ملتے ہیں جس سے کئی جلدیں مرتب ہوسکتی ہیں۔ آیئے ہم حضرت کی چند اہم تالیفات دیکھیں اور اندازہ کریں کہ حضرت حکیم الامت کی خدمات تصوف کس قدر روشن ہیں۔

(۱)... مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

یہ کتاب عربی میں ہے اس میں سلوک کے ہر مسئلے کو آیات قرآنیہ سے ثابت کیا ہے اور تصوف کے شعبے کی کلام اللہ سے تائید فرمائی۔ یہ کتاب شریعت کی روح اور طریقت کی جان ہے۔ مخالفین تصوف کے لیے اتمامِ حجت اور محبینِ سلوک کے لیے ازدیادِ محبت ہے، اس کا اردو ترجمہ رفع الشکوک ترجمہ مسائل السلوک کے نام سے ہوچکا ہے۔

(۲)... التشرف بمعرفة احادیث التصوف

یہ بھی عربی میں ہے۔ اس کتاب میں ان احادیث کی تحقیق ہے جو کتب تصوف یا صوفیاء کرام کے کلام میں آئی ہیں۔ پھر ان احادیث کی حیثیت بتائی گئی ہے کہ یہ کس درجے کی ہیں۔ اس کتاب میں ان احادیث کی حقیقت بھی واضح کی گئی ہے جو دراصل حدیث نہ تھیں بلکہ غلطی سے لوگوں نے اسے حدیث مشہور کردیا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ تکمیل التصرف فی تسہیل التشرف کے نام سے ہوا ہے۔

(۳)... التکشف فی مہمات التصوف

اس کتاب میں تصوف کی حقیقت کو کتاب وسنت سے ثابت کیا گیا ہے اور اس کی راہ میں پائی جانے والی بدعات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے تا کہ سالک آسانی کے ساتھ صراط مستقیم کو پالے۔ پانچ سو کے قریب صفحات کی یہ کتاب تصوف کے مسائل مہمہ پر مشتمل ہے اور تاریخ تصوف میں اس جیسی علمی کتاب نظر نہیں آتی۔

(۴)... قصد السبیل الی المولی الجلیل

اس کتاب میں فن تصوف کی حقیقت اور اس کا صحیح طریقہ بتلایا گیا ہے، اس میں عوام کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے کہ تصوف ترک دنیا کا نام ہے اور یہ راہ بہت دشوار ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ تصوف کا دروازہ کسی بندہ خدا پر بند نہیں ہے۔

(۵)... حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ

یہ رسالہ التکشف میں شامل ہے اس میں ۱۳ باب ہیں جو التکشف کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں، ان سب کو تین سو احادیث سے مزین فرمایا ہے۔

(۶)... النکت الدقیقۃ

اس کتاب میں تصوف کے دقیق نکات سے بحث کی گئی ہے۔

(۷)... تربیۃ السالک وتنجیۃ الہالک

فن تصوف کی یہ کتاب نہایت کارآمد اور رہبر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں سالکین کے مشکل مسائل کا حل بتایا گیا ہے اور ان کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ تین ضخیم جلدوں میں یہ کتاب نہ صرف سالکین کے لیے مفید ہے بلکہ محققین نے بھی اس سے بہت کچھ پایا ہے۔

(۸)... تعلیم الطالب

اس رسالہ میں طالبین کے لیے متعدد مفید نصائح درج ہیں۔

(۹)... کلید مثنوی شرح مثنوی مولانا روم

مولانا جلال الدین رومی کی کتاب مثنوی شریف کی یہ بے نظیر شرح ۲۵ جلدوں میں ہے۔ اس شرح میں مسائل تصوف کو نہایت موثر اور دلنشین پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے۔

(۱۰)... مثنوی زیر و بم

حضرت تھانوی نے یہ نظم مثنوی مولانا روم کی بحر میں اس وقت لکھی جب آپ کی عمر

صرف اٹھارہ سال تھی۔ یہ اشعار تصوف کی روح رواں اور سوز و گداز کے مضامین سے لبریز ہیں۔اس میں تصوف کے مسائل اور اس کے حقائق بھی پوری طرح کھولے ہیں۔

اس کے علاوہ اصلاح المزاج باصلح العلاج، حسن العلاج لسوء المزاج، رونمائے مثنوی، تمیز العشق من الفسق، القول الفصل فی بعض آثار الوصل، الاعتدال فی متابعۃ الرجال، دخول وخروج بر نزول وعروج، الانوار والتجلی، مسائل مثنوی، انوار الوجود فی اطوار الشہود، التجلی العظیم فی احسن التقویم، حق السماع، عرفان حافظ، معارف العوارف ترجمہ عوارف المعارف، الابتلاء لائل الاصطفاء، الجلاء والشوف فی الرضاء والخوف، ارضی الاقوال فی عرض الاعمال، ایلم فی السم، الظم فی السم، رفع الضیق عن مسائل الطریق، البصائر فی الدوائر، الرفیق فی سواء الطریق، شمس الفضائل لطمس الرذائل، لامع علامات الاولیاء، تعلیم الدین، حیات المسلمین، اصلاح انقلاب امت۔

پھر یوں تو حضرت تھانوی کے ہر وعظ میں مسائل تصوف اور تزکیۂ قلب سے بحث کی گئی ہے تاہم تزکیہ واخلاق کے موضوع پر آپ کے وعظ کی تعداد تقریباً ۸۵ ہے۔اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ احسان وسلوک کے سلسلے میں حضرت تھانوی کا کام کتنا جامع ہوا ہے۔

مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے خلیفہ مولانا غلام محمد گھوٹوی فرماتے ہیں کہ مولانا تھانوی کی کتابوں پر نظر کرنے سے گمان ہوتا ہے کہ یہی اس صدی کے مجدد ہیں۔

حضرت تھانوی کے خلفاء کی تصوف میں تالیفات

حضرت تھانوی کے خلفائے کرام نے بھی تزکیہ وتصوف کے موضوع پر گراں قدر کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ان میں سے چند اکابر اوران کی تالیفات تصوف ملاحظہ کریں۔

(۱)... مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی (...ھ)

آپ نے تصوف، نسبت صوفیہ (دو حصے) وصیۃ الاخلاص، فوائد الصحبت، تلاش مرشد، طریقہ اصلاح، عاقبۃ الافکار، وصیۃ السالکین، ذکر اللہ، راہ صفا، خوف آخرت لکھیں۔آپ کے وعظ و ملفوظات بھی ہیں جو تزکیۂ قلب حاصل کرنے والوں کے لیے ایک رہنما حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲)... مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ جلال آبادی (۱۴۱۳ھ)

آپ نے شریعت وتصوف، ایوان طریقت لکھیں۔ پھر آپ کے مواعظ میں سے

ذکر الٰہی، خوف الٰہی، تعلق الٰہی، خشیت الٰہی، الاخلاص، جہاد اور اصلاح نفس، خلاصہ تصوف بہت معروف ہیں نیز آپ کی اصلاح مجالس کے بھی دس سے زیادہ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

(۳)... محدث شہیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ (۱۳۹۴ھ)

آپ نے عارف باللہ شیخ سید احمد رفاعی کی کتاب البرہان المؤید کا ترجمہ البنیان المشید کے نام سے فرمایا، پھر امام شعرانی کی البحر المورود کا اردو ترجمہ الدر المعضود کے نام سے اور آداب العبودیہ کا اسباب المحمودیہ کے نام سے ترجمہ کیا۔ پھر شیخ منصور حلاج کے حالات پر ایک تحقیقی کتاب القول المنصور فی ابن المنصور تالیف فرمائی۔ آپ کی کتاب انکشاف الحقیقہ عن استخلاف الطریقہ اپنے موضوع پر نئی کتاب ہے جس میں اس امر سے بحث کی گئی ہے کہ شریعت وطریقت سے واقف ہونے اور مجاز بیعت ہونے کے بعد کیا شیخ اس سے اپنی خلافت واپس لے سکتا ہے۔ آپ کے اصلاحی مکتوبات الظفر الجلی باشرف العلی کے نام سے آپ کی زندگی میں ہی شائع ہو گئے تھے۔

(۴)... حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خطبات میں جگہ جگہ مسائل تصوف سے بحث کی گئی ہے اور تصوف کے بعض اہم مسائل کو نہایت موثر اور دلنشین پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے۔ آپ کا ایک وعظ اہمیت تزکیہ کے عنوان پر بھی ہے جس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۵)... حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الٰہ آبادی نے انفاس عیسیٰ کے نام سے تصوف کے معارف پیش کئے ہیں۔

(۶)... حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری نے الکلام الحسن میں حضرت تھانوی کے افادات جمع کئے ہیں جس میں تزکیہ وتصوف اور قلبی اصلاح کے لیے بہت قیمتی مواد ملتا ہے۔

(۷)... حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب نے تصوف کے حقائق ومعارف کو منظوم کلام میں پیش کیا ہے اور اس راہ پر چلنے والوں کے لیے بہت رہنمائی فرمائی ہے آپ نے اپنے شیخ کے افادات کو حسن العزیز کے نام سے بھی کئی حصوں میں شائع فرمایا ہے۔

(۸)... حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نے اپنے شیخ کے اصلاحی افادات کو مآثرِ حکیم الامت، بصائرِ حکیم الامت اور معارف حکیم الامت کے نام سے شائع فرمایا ہے۔ آپ کا منظوم کلام صہبائے سخن کے نام سے شائع ہو چکا ہے جو معرفت ومحبت میں ڈوبا ہوا

ہے اور قلب میں محبت الٰہی کا ایک خاص کیف پیدا کرتا ہے۔

ہم نے یہاں حضرت تھانویؒ کے اجل خلفائے کرام اور ان کی چند تالیفات کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر اکابر نے بھی اس موضوع پر نہایت مفید رسائل تحریر فرمائے ہیں۔

جہاں تک دور آخر میں مجموعی طور پر تزکیہ وتصوف کی علمی اور تحریری خدمات کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دورِ آخر میں علمائے حق کی خدمات بہت وسیع ہیں۔

دوسرے اکابر کی تصوف پر تالیفات

(۱)...اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم.. حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

(۲)...مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ (۱۳۷۷ھ)

(۳)...نصیحت نامہ اور عزیزوں کے نام دردمندانہ مکتوب از مولانا بدر عالم مدنی (۱۳۸۵)

(۴)...شریعت وطریقت کا تلازم، تاریخ مشائخ چشت، ام الامراض،
از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ۔

(۵)...دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بانی حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری (۱۹۴۶ھ) کی کتاب ارشاد رحمانی، فیوض رحمانی، مکاتیب محمدیہ، افادات محمدیہ بھی اس موضوع کی عمدہ کتابیں ہیں۔

(۶)...صوفی محمد ابراہیم قصوری صاحب کی کتاب خزینہ معرفت.. حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری کے سوانح پر ایک مفصل کتاب ہے، اس میں آپ نے حضرت میاں صاحب سے دیوبند کے چار نوری وجودوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۷)...صحبتے با اولیاء.. حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کے عارفانہ ملفوظات۔

(۸)...صحبتِ با اہل دل.. حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کے عارفانہ ملفوظات جو مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے جمع فرمائے۔

(۹)...تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک.. تصنیف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کا فیضانِ طریقت

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری (۱۳۸۲ھ) سے فیض طریقت پانے

والوں میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری، مناظر اسلام مولانا محمد حیات قادیانی (علاقائی نسبت)، امیر مجلس ختم نبوت ملتان مولانا لال حسین اختر معروف شخصیتیں ہیں۔ ہم یہاں ان کے چند خلفاء کرام کا ذکر بھی کیے دیتے ہیں۔

(۱)... حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری. آپ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے نواسے تھے۔ زندگی بھر سرگودھا (پاکستان) رہے، وفات پر آپ کی میت رائے پور (ہندوستان) لے جائی گئی۔

(۲)... شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب رائے پوری (جامعہ رشیدیہ ساہیوال)

(۳)... حضرت مولانا عبدلعزیز صاحب (چک گیارہ والے) چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

(۴)... حضرت پیر جی عبداللطیف صاحب (چیچہ وطنی ضلع ساہیوال)

(۵)... حضرت مولانا عبدالوحید صاحب (ڈھڈیاں ضلع سرگودھا)

(۶)... نفیس رقم حضرت مولانا سید انور حسین صاحب (لاہور) دامت برکاتہم۔

صفات صوفیہ کرام

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

خدا سے ضابطے کا تعلق بذریعہ نبوت ہوتا ہے اور رابطے کا تعلق بذریعہ تصوف۔ صوفیہ کرام محبت خداوندی اور روحانی ربط و نسبت کے وہ امین ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی ان کی روحانی نسبت کی لہروں سے کچھ نہ کچھ پا ہی لیتا ہے۔

ہم القوم لایشقیٰ جلیسھم

عطار کی دکان پر جانے والا کچھ نہ بھی خریدے تو اپنے کپڑوں کی تہوں میں کچھ خوشبو لے ہی آتا ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح خدا پر جھوٹ بولا گیا اور کئی جھوٹے نبی اُٹھے اسی طرح روحانیت کے نام سے بھی نقلی صوفیوں اور جعلی درویشوں نے بہت کچھ جھوٹ بولا اور ایسے لوگوں کی کسی دور میں کہیں کوئی کمی نہیں رہی۔

برصغیر پاک و ہند بنگلادیش میں روحانی نسبتوں سے فریب دینے والے اتنے دربار بنے ہیں کہ ان کی گنتی مشکل ہے اور اب امریکہ اور افریقہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں جہاں جہاں بھی برصغیر پاک و ہند کی نو آبادیات ہیں ان جعلی نسبتوں کے علمبردار بھی اپنے اپنے دربار سجائے بیٹھے نظر آئیں گے۔

ان حالات میں نا مناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں صحیح نسبت رکھنے والے اہل اللہ اور مشائخ عظام کی بھی کچھ صفات بیان کر دیں۔ صوفی ایک رسمی لفظ ہو کر رہ گیا ہے، انسان کا صحیح روحانی نسبت حاصل کر کے صوفی بننا ایک سعادت ہے جو کسی کو نصیب ہوتی ہے اور اس کے لیے اسے بڑی محنتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

ہم ذیل میں کتاب وسنت اور تاریخ کی روشنی میں چند وہ صفات ذکر کئے دیتے ہیں جن سے اللہ کے محبین مخلصین پہچانے جاتے ہیں اور انہیں مجلس میں دیکھ کر واقعی خدا یاد آجاتا ہے ان کے اٹھنے بیٹھنے اور بات کرنے میں نیاز مندی کی وہ ادا ہوتی ہے کہ دیکھنے والا ان کے اخلاص اور حسن نیت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سچے صوفی کی صفات

(۱)...اسے قرآن پاک کا اتنا علم ضرور ہو جو کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے۔ سنت کا اتنا علم ضرور ہو کہ وضوء، طہارت اور نماز صحیح طور پر ادا کر سکے اور فقہ کا بھی اتنا علم ضرور ہو کہ وہ اپنے لئے حرام وحلال اور جائز وناجائز کے فاصلے قائم رکھ سکے۔

(۲)...وہ اپنی نسبت سے فنا ہو اور خدا کی نسبت سے باقی ہو۔

اپنی نسبت سے فنا ہونے سے مراد ہے کہ نفس کی آلودگیاں جیسے کبر، حسد، غرور اور طمع وغیرہ اس میں باقی نہ رہیں اس کا باقی رہنا خدا کی ذات سے ہو۔ حضرت ابوعلی الجوزجانی اسے لفظ ولی سے بیان کرتے ہیں:۔

الولی هو الفانی من ماله الباقی فی مشاهدة الحق لم یمکن له عن نفسه اخبار ولا مع غیر الله قرار

وہ کسی بات میں اس حیثیت سے نہیں بولتا کہ میں ہوں، نہ آپ اسے اللہ کے سوا اور کسی کے پاس ٹھہرا پائیں گے، جب دیکھیں اسے خدا میں مٹا ہوا پائیں گے۔

(۳)...وہ اس زمانے میں کسی شیخ کامل جس کے زہد وعمل کی عام شہرت ہو، کسی کے پاس کچھ عرصہ رہا ہو، اور اس کا تربیت یافتہ ہو۔ ارادت مندوں کو یہ نقطہ اچھی طرح معلوم کرلینا چاہیئے کہ کہیں وہ خود ہی تو بڑا نہیں بنا ہوا۔

(۴)...اس میں دنیا کی طلب اور مال بنانے کی خواہش اور لالچ کی آلائش نہ ہو۔

صوفیہ کرام احاد امت کے روحانی معالج ہوتے ہیں۔ دنیا کا طالب اور مال کا لالچ رکھنے والا اپنی نسبت باطنی میں خود مریض ہے اور جو خود مریض ہو وہ دوسروں کا کیا علاج کرے گا۔

ارادت مندوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں تک دنیادار ہے۔

(۵)...وہ دنیادار اور مالدار لوگوں سے ربط اور اختلاط رکھنے والا نہ ہو۔

مال و دولت ضرورت پورا کرنے کے لیے ہے جمع کرنے کے لیے نہیں، مال گننے میں مزے لینا غافلوں کا کام ہے سو دنیا جمع کرنے والوں سے گھر کے سے تعلقات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اس کی نگاہ میں بھی مال و دولت میں ایک عزت ہے، اس کے لیے یہ ضرورت پورا کرنے کا سامان نہیں، اس کی محبت طالب و مطلوب دونوں میں اترتی ہوئی ہے۔ ارادت مندوں کو دیکھ لینا چاہیئے کہ جس طرف وہ رجوع کر رہے ہیں وہ کہاں تک دنیادار ہے۔

(۶)... آداب شریعت میں سے کوئی ادب اس سے فوت نہ ہوتا ہو۔ طریقت شریعت کی روحانی کیفیتوں میں آگے بڑھنا ہے سو جو شخص شریعت کے ظاہر کا لحاظ نہ رکھے وہ شریعت کے باطنی تقاضوں اور ان کی روحانی کیفیات کا کیسے امین ہو سکے گا۔

حضرت بایزید بسطامی نے سنا کہ کہیں کوئی عارف روحانی نسبت لئے بیٹھا ہے، آپ اس کے پاس گئے دیکھا کہ وہ قبلہ رخ تھوک رہا ہے۔ آپ نے اسے سلام بھی نہ کیا، شریعت نظر انداز کرنے پر غیرت کھائی اور واپس لوٹ آئے اور فرمایا:۔

هذا رجل غير مامون على ادب من آداب الشريعة فكيف يكون امينا على اسرار الحق.

ترجمہ: یہ شخص جب شریعت مطہرہ کے آداب میں سے ایک ادب پر قائم نہیں تو وہ حق کے اسرار پر کیسے امین ہو سکتا ہے۔

(۷)... وجاہت کی طلب اور ارادت مندوں کی تلاش میں نہ نکلے اور نہ ہی اپنے خواص کو کہے کہ وہ لوگوں کو اس کے حلقہ ارادت میں لائیں اور نہ اپنی بزرگی کے واقعات لوگوں میں دہرائے۔

(۸)... یہ مرد حق پیشہ ور واعظ نہ ہو۔ تصوف کا چاہنے والا واعظ نفس مضمون پر نظر رکھتا ہے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ سریں نکال کر اپنے سامعین کو خوش نہیں کرتا نہ لچھے دار فقرے بول کر مسند نبوت میں بدذوقی پیدا کرتا ہے۔

پیشہ ور واعظ چندہ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہیں اور وہ اس چندے میں پہلے

کیشن طے کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو حقیقی تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی ہوتی ایسے لوگوں کے مرید اکثر گنگناتے سنے گئے ہیں۔

خداوندا تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری ہے درویشی بھی عیاری

(۹)... اس کی ذاتی زندگی جاننے والے اور اس کو قریب سے پہچاننے والے عام جانتے ہوں کہ اس کا لوگوں سے لین دین اچھا ہے معاملے کا برا نہیں، کچھ لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ نہیں ہیں اور اس پہلو سے وہ ایک شریف آدمی سمجھا جاتا ہے۔

(۱۰)... یہ صوفی اگر عالم ہے تو وہ اپنے بیانات میں اپنے اور سامعین کے وقت کو ایک الٰہی امانت سمجھے۔ تقریر میں خطابت اور اپنی واہ واہ پیش نظر نہ ہو تقریر کے بعد لوگوں سے پوچھنے کا خواہش مند نہ ہو کہ آج بیان کیسا رہا۔

وہ بطور عالم حضور ﷺ کی امت پر رحم کرنے والا ہو اسے اختلاف میں الجھا کر امت کی مزید تفریق کرنے والا نہ ہو۔ یہ بات للّٰہیت کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں سے دعا پر بھی اجرت مانگے۔

لطیفہ: مرزا غلام احمد قادیانی سے کسی رئیس نے دعا کے لیے کہا اسے پتہ چل گیا کہ وہ رئیس ہے اس نے اسے کہلا بھیجا۔

اس رئیس سے کہو ایک لاکھ روپیہ دے تو ہم پھر دعا کریں گے

(سیرت محمدی ج:۱، ص:۲۵۷)

سو یاد رکھئے بہت سے شیطان سرشت لوگ صوفیوں کے پیرائے میں بزرگوں کے عاشق بنے پھر رہے ہیں۔ ان سے بچنے والا ہمیشہ تاریخ میں سعادت مند لکھا جائے گا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:۔

اے بسا ابلیس آدم روئے است
پس بہر دستے نباید داد دست

بہت سے ابلیس آدم کے لباس میں نظر آتے ہیں، سو ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیئے۔

شیخ کامل کی پہچان

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

شیخ وہ ہے جو امراضِ باطنہ یا اخلاقِ رذیلہ اور حمیدہ سے پوری واقفیت رکھے اور ان میں آپس کے التباس اور ان کے خواص و تاثیرات کو پہچانے، ان کے حصول و ازالہ کی تدبیر پر مہارت تامہ رکھتا ہو، ان اخلاق کے عروج و زوال سے واقف ہو نیز خواطر نفسانی، خواطر شیطانی اور خواطر ملکوتی و ربانی سے پوری واقفیت رکھتا ہو کہ ان خطرات کے درمیان تمیز کرسکے۔ اس لئے شیخ کا صاحب فن اور صاحب ذوق ہونا اس فن میں مجتہد ہونا ضروری ہے اگر طریق کو محض کتب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سن کر حاصل کیا ہو اور تربیت کرنے کے لیے بیٹھ گیا ہو تو مرید کے لیے مہلک ہے اس لئے کہ وہ طالب سالک کے حالات و واردات اور تغیر حالات کو نہیں سمجھتا جن کو ابن عربی نے شیخ کی علامات میں اجمالاً و اختصاراً بیان فرمایا ہے۔ شیخ کامل کی پہچان اجمالاً تین چیزیں ہیں (۱) دین انبیاء کا سا ہو.. (۲) تدبیر اطباء کی سی ہو.. (۳) سیاست بادشاہوں کی سی ہو۔ پھر شیخ کامل میں کشف و کرامات تصرف و خوارق تارک کسب ہونے کو ہرگز نہ دیکھے کہ ان کا ہونا شیخ کامل کے لیے ضروری نہیں۔ (شریعت تصوف ص: ۴۷)

یہ رائے ان راسخین فی العلم کی ہے جو تصوف میں مجتہد ہونے کے درجہ میں رہے اور وقت کے تمام اکابر فن نے انہیں اس فن میں کامل جانا۔ اب دوسری طرف اگر کوئی بزرگ انفرادی طور پر کشف کو اس فن کی کنجی بتلاتا ہے تو اس کا یہ قول ہرگز لائق تسلیم نہ ہوگا اور ہم اسے اکابرین کی لائن بھی نہ کہہ سکیں گے۔

شیخ کامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی شیخ کامل صحیح السلسلہ سے مجاز ہو۔ کسی گمنام بزرگ سے اجازت کا مدعی نہ ہو۔

یہ ان بزرگوں کا ذکر ہے جو دوسروں کی اصلاح کرسکتے ہیں، ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہوتے ہیں۔ ان مصلحین کے بعد اب کچھ ان صالحین کی صفات پسندیدہ بھی ملاحظہ فرمائیں جنہیں قرآن کریم عباد الرحمٰن کہتا ہے۔ مصلحین کے بعد صالحین کے درجہ کے حضرات ہیں۔ قرآن کریم میں ان کا تذکرہ اس طرح آیا ہے۔

قرآن کریم کی رو سے عبادالرحمٰن کی صفات پسندیدہ

قرآن کریم میں انبیاء کرام، شہداء، عادل حکمرانوں، راسخ العلم علماء اور متقین صالحین کی صفات علیحدہ علیحدہ بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔صوفیہ کرام کوقرآن میں عباد الرحمٰن کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ہم نے صوفیہ کرام کی جو صفات اوپر لکھی ہیں زیادہ تر خود صوفیہ کرام کے بیانات سے ترتیب دی ہیں۔ یہاں قرآن میں انہیں پ: ۱۹، سورۃ الفرقان کے آخری رکوع آیت: ۶۳ لے کر آیت: ۷۷ تک ذکر کیا گیا ہے۔ہم یہاں ان چودہ آیات کا ترجمہ اس عنوان سے لکھے دیتے ہیں کہ یہ چودہ صفات یاد کرنے کی ہیں۔

ترجمہ: اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی (تواضع) کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ خیر، اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ و قیام میں لگے رہتے ہیں، اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے کہ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے، اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانہ اور (برا) مقام ہے، اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اس کے درمیان (ان کا خرچ) اعتدال پر رہتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر، اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا، قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہوکر پڑا رہے گا، مگر ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے سوایسے لوگوں کو اللہ ان کی بدیوں کی جگہ نیکیاں عنایت کرے گا اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا، اور جو کوئی توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کررہا ہے، اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے، اور جب وہ لغو مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعہ سے تو یہ ان پر اندھے بہرے ہوکر نہیں گرتے (یعنی عقل وفہم کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں فکر و تدبر اور دھیان سے سنتے ہیں)، اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا

کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنادے، ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کی ثابت قدمی کے اور ان کو وہاں دعاء وسلام ملے گا، اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیسا اچھا ہے وہ ٹھکانہ اور مقام۔

یعنی جنت میں اوپر کے درجے ملیں اور فرشتے دعاء وسلام کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہ ہی کلمات سلام و دعا ان کی تکریم وعزت افزائی کے لیے استعمال ہوں گے۔ ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے ان کا (یعنی رحمٰن کے بندوں کا) تو وہ گھر ہوگا۔ (فوائد القرآن)

صالحین سے آگے مصلحین کا کام

جو لوگ نیکی پا گئے اور نیکی پر آگئے ان کے صالحین ہونے پر شبہ نہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان میں دوسروں کی اصلاح کی بھی استعداد ہو، اصلاح کرنے کی استعداد اصالۃً انبیاء کرام اور صدیقین عظام میں رکھی جاتی ہے۔ اپنے عمل میں شہداء کرام اور صالحین ہمیشہ کی سعادت پالیتے ہیں۔ جس طرح انبیاء کرام اور صدیقین اپنی علمی قوت میں ممتاز ہوتے ہیں شہداء اور صالحین امت اپنی عملی قوت میں ممتاز ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان چاروں کو اللہ کا انعام پانے والے خوش نصیب کہا گیا ہے۔ (دیکھئے پ: ۵، النساء: ۶۹)

ان صالحین سے جو مصلحین کے درجہ پر آتے ہیں ان کی صفت بتلائی گئی ہے کہ وہ معروفات کو قائم کرتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (پ: ۱۷، الحج: ۱۴)

ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے۔

اس پر شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔

وہ ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا

سے غافل نہ ہوں، بذات خود بدنی و مالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیش گوئی کی گئی تھی وہ حرف بحرف سچی ہوئی۔ فللہ الحمد علی ذلک. اس آیت سے صحابہ، خصوصاً مہاجرین اور ان میں اخص خصوص کے طور پر حضرات خلفائے راشدین کی حقانیت اور مقبولیت ثابت ہوئی۔ (فوائد القرآن ص: ۴۳۶)

اس سے معلوم ہوا کہ مصلحین امت چاہتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ...انوں پر ہے کہ مجال ہے اس کی ذرا سی معصیت ہو اسی طرح زمین پر بھی خدا کی بادشاہی ...م ہو جائے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ خدا کو منظور نہ ہو کہ ساری دنیا ہدایت پر آجائے اور خیر وشر ...لشکر آپس میں ٹکراؤ میں نہ رہیں۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر ابولہب نباشد

اسباق اہل ولایت

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

سیر وسلوک کی وادیوں میں جو ائمہ ولایت قطب ہوکر نکلے انکے دل کی آواز پر ذرا دل کے کان دھریں اور خود فیصلہ کریں کہ سلوک کی راہ میں چلنے والے نادان ہیں یا حقیقت کا پتہ انہیں سے ملتا ہے۔ یہ انکے چند اسباق بطور نمونہ ہدیہ قارئین ہیں۔ یہ چار حضرات پہلے دور کے مرکزی اکابر سے ہیں، انکے ارشادات تصوف کے وہ اسباق ہیں کہ انکے بغیر کوئی شخص سیر و سلوک کی مشکل گذار گھاٹیوں کو عبور نہیں کرسکتا۔

ہم پہلے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ) سے ایک اصول نقل کرتے ہیں پھر امام ربانی سید عبدالقادر جیلانیؒ کا سبق ہدیہ قارئین کیا جائے گا۔ پہلے تصوف کا بنیادی اصول حضرت جنید بغدادی کی زبانی سنیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ملھبنا ھذا مقید بالکتاب والسنۃ فمن لم یقرء القرآن ولم یکتب الحدیث لایقتدیٰ بہ فی ملھبنا وطریقنا

(البدایہ والنہایہ ج:۱۱، ص:۱۱۳)

ترجمہ: ہماری یہ طریقت کی راہ کتاب وسنت کی پابندی سے چلے گی سو جو شخص قرآن نہ پڑھے اور حدیث نہ لکھے ہمارے مشرب اور ہمارے طریقے میں وہ لائق اقتداء نہیں (اسکی پیروی نہ کی جائے)

امام الطائفہ کی اس بات سے بتصریح واضح ہے کہ طریقت کے جملہ اعمال شریعت کی چھتری کے تحت ہی بجالائے جاتے ہیں۔ جو اصول کو مانیں وہی بزرگ ہمارے ہاں لائق تقلید ہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ پہلے ہم مرشد کائنات آنحضرت ﷺ کے چالیس اسباق جو آپ نے راہ سلوک کے ایک طالب علم ابوہریرہؓ کو دیئے یہ بھی ہدیہ قارئین کردیں دوسرا درس سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا ہوگا۔

(ا)...کائنات کے مرشد عام حضرت خاتم النبیین ﷺ کے حضور انکی مدنی زندگی کا ایک مرید حضرت ابوہریرہؓ اور آپ کی تصوف کی تعلیمات

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ) بحر ولایت میں گہرے اترنے والوں میں سے ہیں۔ آپ نے فتوحات مکیہ کے آخر میں یہ مسلسل روایات نقل کی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ اپنی مدنی زندگی کے ایک مرید سیدنا حضرت ابوہریرہؓ کو تصوف کی تربیت دیتے دکھائے گئے ہیں۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ نے یہ درس اس صحابی کو دیئے جو آپ کی احادیث کو سب سے زیادہ یاد رکھنے اور روایت کرنے کا متمنی اور طلب گار رہا اور پھر اللہ نے بھی انہیں اس سے ایسا نوازا کہ اس جہت سے شاید حضور ﷺ کا کوئی دوسرا مرید اسکے برابر صفہ میں بیٹھ سکا ہو۔ انکے ساتھ بیٹھنے والوں میں دوسرے صوفی بزرگ سیدنا حضرت ابوذر غفاریؓ تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایات شریعت اور طریقت کا حسین امتزاج ہیں جن میں مرید کی طرف سے زیادہ پوچھ نہیں، حضور خاتم النبیین ﷺ کی رحمت کا فوارہ خود ہی رحمت بانٹ رہا ہے اور یہ سب فیض ملاء اعلیٰ سے آرہا ہے، دینے والا اللہ ہے۔ ﴿انما أنا قاسم واللّٰه يعطى﴾

(ا)... يا ابا هريرة اذا توضأت فقل بسم الله والحمد لله فان حفظتك لاتزال تكتب لك حتى تفرغ من ذلك الوضوء

ترجمہ: اے ابوہریرہؓ! جب تو وضو شروع کرے تو بسم اللہ و الحمد للہ کہہ لے، تیرے محافظ فرشتے اس وقت تک تیری نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تو اس وضو سے فارغ نہ ہوجائے۔

(۲)... یا أبا هریرة اذا أکلت طعاما دسما فقل بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ فان حفظتک لا تستریح تکتب لک حتی تنبذہ عنک

ترجمہ: اے ابو ہریرہؓ! جب تو اچھا کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھ لیا کر اور الحمد للہ کہا کر تیرے محافظ فرشتے تیری نیکیاں لکھنے میں برابر مصروف رہیں گے جب تک تو وہ کھانا سامنے سے نہ اٹھوالے۔

(۳)... یا أبا هریرة اذا غشیت اهلک او ماملکت یمینک فقل بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ فان حفظتک تکتب لک اذا غسلت من الجنابة غفر لک ذنوبک یا أبا هریرة فان کان لک ولد من تلک الواقعة کتب لک حسنات بعدد نفس ذلک الولد وعقبه

ترجمہ: اے ابو ہریرہؓ! جب تو اپنی بیوی یا جسکے تم مالک ہوئے (یعنی باندی) کے پاس جائے تو بسم اللہ کہہ اور الحمد للہ پڑھ تیرے محافظ فرشتے تیرے لئے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے یہاں تک کہ تو غسل جنابت سے فارغ ہو اور جب تو غسل جنابت سے فارغ ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے سب گناہ معاف کردئے، اے ابو ہریرہ تمہارے اس عمل سے اگر تمہیں فرزند نصیب ہو تو تمہیں اسکے زندگی بھر کے سانسوں کے برابر اور اسکی جو آگے ذریت ہو انکے سانسوں کے برابر نیکیاں دی جائیں گی۔

(۴)... یا أبا هریرة اذا رکبت دابة فقل بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ تکتب من العابدین حتی تنزل من ظهرها

ترجمہ: اے ابو ہریرہ! جب تو کسی سواری پر سوار ہو تو بسم اللہ اور الحمد للہ کہہ لیا کر جب تک تو اس پر سوار رہے گا تیرا نام عابدین میں شمار ہوتا رہے گا۔

(۵)... یا أباهریرة اذا رکبت السفینة فقل بسم اللّٰہ والحمد

للّٰہ تکتب من العابدین حتی تخرج منھا

ترجمہ: اے ابوہریرہ! جب تو کشتی پر سوار ہو تو بسم اللہ اور الحمد للہ کہہ لیا کر جب تک تو اس میں رہے عابدین میں شمار ہوگا۔

فائدہ: اس دور میں بندہ جب کار یا ریل یا جہاز پر سوار ہو تو اس پر بھی وہ بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھ کر سوار ہو۔ سواری اور کشتی والا ثواب اسے یہاں بھی ملے گا۔

(۶)... یا أبا ھریرۃ اذا لبست ثوبا جدیدا فقل بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ تکتب لک عشر حسنات بعدد کل سلک فیہ

ترجمہ: اے ابوہریرہ! جب تو نیا کپڑا پہنے تو بسم اللہ اور الحمد للہ کہہ لیا کر اس کپڑے کے ہر تار کے بدلے تیرے نام کی نیکیاں لکھی جائیں گی۔

فائدہ: ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر کام سے پہلے اللہ کا نام لینا چاہیے، روٹی کپڑا، سواری، بیوی یہ سب خدا کی نعمت اور اسکی عطا ہے اسکا تقاضا ہے کہ اسکا شکر ادا کیا جائے اسی طرح وضو سے پہلے بسم اللہ اور الحمد للہ کہنا حضور ﷺ کی سنت ہے اور آپ نے حضرت ابو ہریرہ کو اسکی تعلیم بھی دی تھی، ہمیں بھی اس سنت کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر یہ صرف شکر ہی نہیں بلکہ اسکے بدلہ میں نیکیاں بھی ملیں گی۔

(۷)... یا أباھریرۃ لایھابک ماملکت یمینک فانک ان مت وانت کذالک کنت عند اللّٰہ وجیھا

ترجمہ: اے ابوہریرہؓ! تیرا غلام تجھ سے ہیبت کھاتا نہ رہے (مرعوب ہوکر نہ رہے) تیری وفات اسی حال پر ہو تو اللہ کے ہاں ذی وجاہت لوگوں میں اٹھایا جائے گا۔

فائدہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں سے نرمی اور ہمدری کا برتاؤ کرنا چاہیے، ان سے ایسا معاملہ نہ کرنا چاہیے جس سے وہ ہر وقت خوف وگھبراہٹ میں مبتلا رہیں۔ جو لوگ ہر وقت گھر میں جنرل بنے رہتے ہیں انہیں اس حدیث سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

(۸)... یا أباھریرۃ لاتھجر امرء تک الا فی بیتھا ولا تضربھا ولا تشتمھا الا فی امر دینھا فانک ان کنت کذالک مشیت فی طرقات الدنیا وانت عتیق اللّٰہ من النار

ترجمہ: اے ابوہریرہؓ! اپنی عورت سے اسکے گھر کے سوا کنارہ کشی نہ کرنا، نہ کبھی اسے مارنا، نہ اسے کبھی گالی دینا ہاں اس پر دین کے لیے کچھ سختی کرے تو اور بات ہے اگر تو اس حال میں ہو تو تو دنیا میں چلتا پھرتا وہ شخص ہے جو نار جہنم سے آزادی پا چکا۔

فائدہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کسی بات پر غصہ ہو جائے تو اسے گھر سے نہ نکالنا چاہیے اور نہ کبھی اس پر ہاتھ اٹھانا چاہیے اور نہ اسے گالی گلوچ کرنا چاہیے۔ یہ بری بات ہے۔ اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ حکمت کے ساتھ اسکی اصلاح کردی جائے تاکہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ ہاں دین کے معاملے میں کچھ سختی کی جا سکتی ہے اور اس میں بھی فائدہ عورت کا ہے کہ وہ خدا کی پکڑ سے بچ جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں کو اچھا بتایا ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کریں۔ اسکا خیال رکھنا چاہیے۔

(۹)... یا أباهريرة احمل الأذىٰ عمن هو اكبر منک و اصغر منک و خير منک و شر منک فانک ان كنت كذالک باهى الله بک الملائكة ومن باهى الله به الملائكة جاء يوم القيامة آمنا من كل سوء

ترجمہ: اے ابوہریرہ! اپنے سے بڑے چھوٹے اور اچھے برے کی سختی سہہ جا تکلیف برداشت کر تو اس حال میں رہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں میں تجھ پر فخر کریں گے اور اللہ تعالیٰ جس پر فرشتوں میں فخر کریں وہ قیامت کے دن ہر برے انجام سے مامون رہے گا۔

فائدہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو جہاں سے بھی کوئی تکلیف پیش آئے خواہ اپنے سے بڑے سے ہو یا چھوٹے سے، کسی اچھے آدمی کی طرف سے ہو یا کسی برے آدمی کی جانب سے آدمی کو اس پر صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اس صبر کے بدلے میں اسکا ذکر نیک مخلوق میں فرماویں گے ظاہر ہے کہ خدا جسکا ذکر نیک لوگوں میں فرمائیں اسکے خود نیک اور اجر یافتہ ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔

(۱۰)... یا أباهريرة ان كنت أميرا او وزير امير او داخلا على

امیر او مشاور امیر فلا تجاوزن سیرتی وسنتی فانه أیما امیر او وزیر امیر او داخل علی امیر او مشاور امیر خالف سیرتی وسنتی جاء یوم القیامة تاخذه النار من کل مکان

ترجمہ: اے ابوہریرہؓ! تو امیر ہو یا اسکا وزیر اسکا جلیس ہو یا اسکا مشیر میرے طریقے اور میری سنت سے کبھی تجاوز نہ کرنا، جس امیر یا وزیر نے یا اسکے جلیس یا اسکے مشیر نے میرے طریقے اور سنت سے تجاوز کیا قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ ہر طرف سے آگ اسے پکڑتی ہوگی۔

فائدہ: حکومت اور وزارت اور بڑوں کی مصاحبت سے انسان کا دماغ خراب ہوجایا کرتا ہے اور طاقت و دولت کے نشہ میں آدمی ظلم و تعدی اور حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نازک موقع پر آدمی کو حضور ﷺ کی سیرت و سنت کا دامن تھامنا چاہیے، جو لوگ ان مواقع پر حضور کی سنت پر چلتے ہیں نورانیت و روحانیت اور امن و طمانیت پاتے ہیں اور جب حضور کی سیرت و سنت سے اعراض کیا جاتا ہے تو پھر دنیا تو اسکی تباہ ہوتی ہی ہے اسے قیامت میں بھی بری حالت میں لایا جائے گا۔

(۱۱)... یا أباھریرة عدل ساعة خیر من عبادة ستین سنة قیام لیلھا وصیام نھارھا

ترجمہ: اے ابوہریرہ! ایک گھڑی کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت جس میں ہر رات قیام اور ہر دن روزہ رہے، سے بہتر ہے۔

فائدہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص کو ہمیشہ حق و انصاف کا دامن تھامنا چاہیے۔ آدمی کی عبادت اسکی انفرادیت رکھتی ہے لیکن حق و انصاف پر مبنی فیصلہ ایک تاریخ بنتا ہے اور اس سے نہ جانے کتنے لوگوں کو انکا حق ملتا ہے۔ حدیث میں اہل علم کو اہل عبادت پر فضیلت دی گئی ہے اور اسکا راز بھی یہی ہے کہ علم کی ایک گرہ کھلنے پر ہزاروں نہیں لاکھوں کی دینی زندگی کا رخ صحیح ہوتا ہے جبکہ عابد کی عبادت صرف اسکی اپنی ذات سے متعلق ہوا کرتی ہے۔

(۱۲)... یا أباھریرة قل للمؤمنین الذین اصابوا الصغائر لایمت احد منھم وھو مصر علیه فانه من لقی ربه عزوجل علی

ذلک وھو مصر علیھا فان عقوبتھا یعنی الصغیرۃ کعقوبۃ من لقی اللّٰہ علی کبیرۃ وھو مصر علیھا

ترجمہ: اے ابو ہریرہ! صغیرہ گناہوں کے مرتکب مومنوں سے کہہ دو کہ ان میں سے کوئی ان گناہوں پر اصرار کرتا نہ مرے، جو شخص ان گناہوں پر اصرار کرتا اپنے رب کو ملے گا۔ یعنی صغیرہ پر۔۔تو اسے ایسی پکڑ ہوگی جیسے کوئی شخص کبیرہ کرتے ہوئے اللہ تعالٰی سے ملے اور وہ اس پر مصر ہو۔

فائدہ: گناہ اللہ تعالٰی کی نافرمانی کا نام ہے۔ صغیرہ اور کبیرہ کی بحث ہماری ہے۔ نافرمانی چھوٹی ہو یا بڑی، نافرمانی ہی ہے۔ صغیرہ گناہ نیکیوں سے دھل جاتے ہیں بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو۔ اگر کوئی شخص صغیرہ پر اصرار کرے تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا کبیرہ بن جاتا ہے۔ سو گناہوں سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے اور اس خیال میں نہ رہنا چاہیے کہ صغیرہ گناہ ہی تو ہے کیا فرق پڑ جائے گا۔

(۱۳)... یا ابا ھریرۃ لان تلقی اللّٰہ عزوجل علی کبائر قد تبت منھا خیر لک من ان تلقاہ وقد تعلمت آیۃ من کتاب اللّٰہ عزوجل ثم نسیتھا

ترجمہ: اے ابو ہریرہ! تو اللہ عزوجل سے اس طرح ملے کہ تم نے اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ کرلی ہو یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم نے قرآن کریم کی کوئی آیت یاد کی ہو اور پھر تم اسے بھول چکے (اس سے چھٹکارا مشکل ہے)

فائدہ: جس شخص کو موت سے پہلے توبہ کی توفیق مل جائے اسکی قسمت کے کیا کہنے۔ موت سے ایک لمحہ پہلے کافر اور مشرک بھی اپنے کفر و شرک سے توبہ کرے تو اسکی توبہ قبول ہوتی ہے تو ایک بندہ عاصی اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ کرے تو کیوں اسکی توبہ قبولیت کا شرف نہ پائے گی۔ آدمی کو اپنی موت کا وقت معلوم نہیں جسکا معنی یہ ہے کہ ہر وقت اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے اور اللہ کے دربار میں اس طرح جانا چاہیے کہ اس نے توبۃ النصوح کی دولت پائی ہو۔

(۱۴)... یا اباھریرۃ لاتلعن الولاۃ فان اللّٰہ ادخل امۃ جھنم

بلعنتهم ولاتهم

ترجمہ: اے ابوہریرہ! ولاۃ امور (یعنی حکام) کو برا بھلا نہ کہو اللہ تعالی نے ایک امت کو اسلئے داخل جہنم کیا ہے کہ وہ اپنے ولاۃ امور پر لعنت کرتے تھے۔

فائدہ: اگر کسی قوم کو اپنے سردار سے اور کسی رعایا کو اپنے ولاۃ امور سے کوئی تکلیف ہے تو اسکا طریقہ یہ نہیں کہ اس پر لعنت ملامت کی جائے بلکہ اللہ سے خیر طلب کرنا چاہیے اور اسی کے آگے ہاتھ پھیلانا چاہیے تاکہ اسکے شرور سے لوگوں کو نجات ملے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دلوں کو پھیرنے والی ذات اللہ کی ہے، اللہ سے معاملہ درست ہو تو حکام درست ہو جاتے ہیں اور اللہ سے معاملہ بگڑ گیا تو حکام کو لعنت ملامت کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ خدا سے معاملہ درست کیا جائے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

(۱۵)... یا اباھریرۃ لا تسبن شیئا الا شیطانک فانک ان مت وانت کذالک صافحتک جمیع رسل اللّٰہ تعالٰی وانبیاء اللّٰہ تعالٰی والمؤمنون حتی تصیر الی الجنۃ

ترجمہ: اے ابوہریرہ! شیطان کے سوا کسی کو برا بھلا نہ کہہ، اگر تو نے اس حالت میں وفات پائی کہ تو کسی کو لعنت نہ کرتا ہو تو اللہ تعالی کے تمام انبیاء ورسل اور اہل ایمان تم سے مصافحہ کریں گے یہاں تک کہ تو جنت کو چل دے۔

فائدہ: اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ کسی پر معین طور پر لعنت نہیں کرنی چاہیے، ہاں نص میں جن لوگوں پر معین طور پر لعنت کی گئی ہے ان پر لعنت کی جاسکتی ہے۔ تاہم لعنت کا کھیل کوئی اچھا کھیل نہیں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب نور الحق میں صفحات پر دس ہزار دفعہ لعنت لعنت لکھا ہے، اسکی طبیعت نے لعنت سے عجیب مناسبت پائی تھی۔

(۱۶)... یا اباھریرۃ لاتسب من ظلمک تعط من الأجر اضعافا

ترجمہ: اے ابوہریرہ! جو تجھ پر ظلم کرے اسے برا بھلا نہ کہہ تجھے کئی گنا اجر دیا جائے گا۔

فائدہ: ظالم کے ظلم کو برداشت کر لینا اور اس پر صبر کرنا بڑی نیکی ہے اور صابرین کو

اجر ہی نہیں معیت الٰہی کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

(۱۷)... یا أباهريرة اشبع اليتيم والارملة وكن لليتيم كالاب الرحيم وللارملة كالزوج العطوف تعط بكل نفس تنفست في دار الدنيا قصرا في الجنة كل قصر خير من الدنيا وما فيها

ترجمہ: اے ابوہریرہ! یتیموں اور بیواؤں کو کھانا پہنچا یتیم کیلئے باپ کی طرح رحم کرنے والا ہو اور بیواؤں کیلئے مہربان خاوند کی طرح نیکی کر، دنیا میں ہر سانس کے بدلے جو تو جئے تو جنت میں ایک محل پائے گا ان میں سے ہر ایک محل دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔

فائدہ: یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا دینداری کی علامت ہے اور بڑے ثواب کا کام ہے اور یہ خدمت کسی غرض پر مبنی نہ ہو خالص اللہ کی رضا پیش نظر ہو تو اسے بڑے انعام سے نوازا جائے گا۔

(۱۸)... یا أبا هريرة امش في ظلم الليل الى مسجد الله عزوجل تعط حسنات بوزن كل شيء وضعت عليه قدمك مما تحب وتكره الى الارض السابعة السفلى يا أبا هريرة ليكن ماواك المساجد و الحج والعمرة والجهاد في سبيل الله فانك ان مت وانت كذلك كان الله مونسك في القبر ويوم القيامة وعلى الصراط يكلمك في الجنة

ترجمہ: اے ابوہریرہ! رات کی تاریکیوں میں مسجدوں کی طرف چلا کر تجھے رستے کی ہر چیز جس پر تیرا قدم پڑا پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ نچلی ساتویں زمین تک اس کے بدلے تجھے نیکیاں دی جائیں گی، اے ابوہریرہ! تیرا ٹھکانہ مسجدوں، حج اور عمرہ میں اور جہاد فی سبیل اللہ میں رہے اگر تو اس حالت میں مرجائے اللہ تعالیٰ قبر میں تیرے مونس و غم خوار ہونگے پل صراط پر بھی اور جنت میں بھی تجھ سے کلام فرمائیں گے۔

فائدہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ رات کے اندھیروں میں مسجد کی طرف قدم بڑھانا بڑی عبادت ہے اسی طرح آدمی کو اپنے آپ کو ہمہ تن خدا کی عبادت و اطاعت میں مصروف

رکھنا چاہیے۔

(۱۹)... یا اباھریرۃ لا تنتھر الفقیر فتنتھرک الملئکۃ یوم القیامۃ

ترجمہ: اے ابوہریرہ! کسی محتاج کو نہ جھڑکنا ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن فرشتے تجھے جھڑک دیں۔

فائدہ: کسی محتاج کی خدمت نہ ہوسکے تو نرمی سے اسے سمجھا دینا چاہیے اسے جھڑکنا اور سختی سے بات کرنا بہت بری بات ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا کہ سائل کو نہ جھڑکنا چاہیے۔ اس دنیا میں جو بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا۔

(۲۰)... یا اباھریرۃ لاتغضب اذا قیل لک اتق اللّٰہ وانت هممت بسیئۃ ان تعملھا تکن خطیئتک عقوبتھا النار

ترجمہ: اے ابوہریرہ! تجھے جب کہا جائے خدا سے ڈر اور تو کسی برائی کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو جسکی سزا جہنم ہوگی تو تو اس کہنے پر غصہ نہ کرنا۔

(۲۱)... یا اباھریرۃ من قیل لہ اتق اللّٰہ فغضب جئی بہ یوم القیامۃ فیوقف موقفا لایبقی ملک الا مر بہ فقال لہ انت الذی قیل لہ اتق اللّٰہ فغضبت فیسوءہ ذلک فاتق مساوی یوم القیامۃ

ترجمہ: اے ابوہریرہ! جس شخص کو کہا جائے اللہ سے ڈر اور وہ غصہ میں آجائے تو اسے بروز قیامت ایسے مقام پر کھڑا کیا جائے گا کہ ہر فرشتہ جو وہاں سے گزرے گا اس سے کہے گا کیا تو وہی شخص تھا جسے کہا گیا تھا اللہ سے ڈر اور وہ غصہ میں آگیا تھا یہ بات اسے بہت تکلیف دہ ہوگی سو قیامت کی ہولناکیوں سے بچ۔

نوٹ: بعض طرق میں او مسائی ہے یعنی مجھے تکلیف دینے سے بچ، اصل لفظ مساوی ہے یا مسائی اس میں راوی کو شک ہے۔

فائدہ: اگر کوئی کسی شخص برائی میں مبتلا ہو رہا ہو اور اس وقت کوئی کہے اللہ سے ڈر اور

وہ شخص اس لفظ کو سن کر اس برائی سے باز آجائے تو اسے عرش الٰہی کے سایہ میں جگہ دی جائے گی، ایسے آدمی کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اسکے برعکس کوئی ناراض ہوجائے اور کہنے والے سے غصہ میں آجائے تو اسے پھر اپنے انجام کو بھی دیکھ لینا چاہیے کہ کس قدر عبرتناک ہوگا۔

(۲۲)... یا أبا هريرة احسن الى من خولک الله فانه من اساء الى ما خوله الله فانه يرصده على الصراط فيتعلق به فكم مؤمن يرد من الصراط للقصاص

ترجمہ: اے ابوہریرہ! ان سے نیکی کرو جن کو اللہ نے تمہارے ماتحت کردیا جو شخص اپنے ماتحت سے اچھا سلوک نہ کرے گا وہ ماتحت اسے پل صراط پر آلیں گے اور اس سے چمٹ جائیں گے اور کتنے ہی مؤمن ہونگے جو پل صراط سے واپس کردیئے جائیں گے کہ قصاص دے لیں۔

فائدہ: اپنے سے ماتحت افراد خواہ وہ رعایا ہوں یا اہل وعیال سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے تاکہ وہ دنیا میں بھی دعائیں دیں اور قیامت کے دن بھی اس کیلئے کام آئیں اور جو شخص ان سے بدسلوکی کرے گا وہ اس دنیا میں بھی انکی بددعائیں لے گا اور آخرت میں بھی وہ اللہ سے انصاف طلب کریں گے اور آخرکار انہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

(۲۳)... يا أباهريرة على كل مسلم صلوة فى جوف الليل ولوقدر حلب شاة ومن صلى جوف الليل يريد ان يرضى ربه عزوجل رضى الله تعالىٰ عنه وقضى له حاجة فى الدنيا والآخرة

ترجمہ: اے ابوہریرہ! ہر مسلمان پر نصف رات کی نماز ہے اگرچہ بکری کا دودھ دوہنے کیوقت کے برابر ہو، جو شخص رات کے وسط میں نماز پڑھے اور اسکا ارادہ اللہ کو راضی کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے مقام رضا پر فائز کرتے ہیں اور اسکی دنیا و آخرت کی حاجتیں پوری فرماتے ہیں۔

فائدہ: رات کی نماز یعنی نماز تہجد بڑی فضیلت والی عبادت ہے اور صالحین کا اسوہ رہا ہے اور حدیث میں اسکے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ پنج وقتہ نماز فرض ہے جبکہ نماز تہجد نفل ہے۔ فرض کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے اس میں کبھی غفلت نہ ہونی چاہیے۔

(۲۴)... يا أباهريرة ان استطعت ان تلقى الله خفيف الظهر من دماء المسلمين واموالهم واعراضهم فافعل تكن من اول المقربين ولا تتخذن احدا من خلق الله غرضا فيجعلك الله غرضا لشرر جهنم يوم القيامة

ترجمہ: اے ابو ہریرہ! تو اگر کر سکے کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح ملے کہ تیری پشت پر مسلمانوں کے خون انکے مالوں اور انکی عزتوں کا کوئی بوجھ نہ ہو تو ایسا کر، تو اللہ کے اول مقربین میں سے ہوگا اور اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو نشانہ نہ بنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن شرار جہنم کا نشانہ بنا دے۔

فائدہ: مسلمانوں کا خون انکے مال اور انکی عزتوں کی حفاظت دوسرے مسلمان کا فریضہ ہے اور حضور نے حجۃ الوداع میں انکی حرمت واضح فرمائی ہے، جو لوگ مسلمانوں کی جانوں انکے مالوں اور انکی عزتوں سے کھیلتے ہیں وہ سوچیں کہ وہ خدا سے کس طرح ملیں گے۔

(۲۵)... يا أباهريرة اذا ذكرت جهنم فاستجر بالله منها وليبك قلبك منها ونفسك ويقشعر جلدك منها يجيرك الله منها

ترجمہ: اے ابو ہریرہ! جب تجھے جہنم یاد آئے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ اور تیرا دل اور جان اسکے تصور سے روئے اور تیری جلد کے بال اسکی ہیبت سے کھڑے ہو جائیں اس صورت میں خدا تجھے اس سے بچالے گا۔

فائدہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا سے خوف اور جہنم کے ڈر سے کانپ جانا ایمان کی کھلی علامت ہے۔ اہل ایمان کے قلوب اللہ کی یاد سے ہل جاتے ہیں اور اللہ کی خشیت سے انکے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ جس دعا میں انسان کے بدن کے بال (خوف الٰہی سے) کھڑے ہو جائیں اس دعا کی قبولیت کی قوی امید ہوتی ہے۔

(۲۶)... يا أباهريرة اذا اشتقت الى الجنة فاسئل الله ان يجعل لك نصيبا ومقيلا وليحن قلبك شوقا اليها وتدمع عيناك

وانت مؤمن بها اذا یعطیکها اللّٰہ تعالی ولایردک

ترجمہ: اے ابوہریرہ! تجھے جنت کا شوق ہو تو اللہ سے مانگ کہ وہ تیرا اس میں حصہ کرے اور تیری اس میں رہائش ہو اور تیرا دل اسکے شوق میں نرم رہے اور تیری آنکھیں اشکبار ہوں اور تجھے اسکے بارے میں پورا یقین ہو، اس صورت میں اللہ تعالیٰ تجھے جنت عطا فرمائیں گے اور تجھے رد نہ کریں گے۔

فائدہ: جنت کی طلب اور اس میں قیام ہر دل مومن کی تمنا ہے اور اسکا شوق اور اسے پانے کی خواہش کس مسلمان کو نہ ہوگی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کو پانے کیلئے اپنے قلوب میں رقت پیدا کرنی چاہیے اور آنکھیں اشکبار ہو جانی چاہیے اور اس یقین کے ساتھ اللہ سے جنت کو مانگنا چاہیے کہ وہ اسے ضرور دے گا، تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اسکی مرادوں کو برلائے گا اور اسکی تمنا پوری کردی جائے گی۔

(۲۷)... یا أباهريرة ان شئت ان لاتفرقنی یوم القیامة حتی تدخل معی الجنة احبنی حبا لاتنسانی واعلم انک ان احببتنی لم تترک ثلثة .. منها و ارض بقسم اللّٰہ فانه من خرج من الدنیا وهو راض بقسم اللّٰہ واللّٰہ عنه راض من رضی اللّٰہ عنه فمصیره الی الجنة

ترجمہ: اے ابوہریرہ! اگر تو چاہتا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے جدا نہ ہو یہاں تک کہ جنت میں میرے ساتھ داخل ہو تو مجھ سے ایسی محبت رکھ کہ مجھے کبھی نہ بھول اور جان لے کہ اگر تو نے مجھ سے محبت کی تو تو تین باتیں کبھی نہ چھوڑے گا.. ایک یہ ہے کہ خدا کی تقسیم پر راضی رہ کیونکہ جو شخص دنیا میں اس حال سے نکلا کہ وہ خدا کی تقسیم پر راضی ہے اللہ اس سے راضی ہوا اور جس شخص سے اللہ راضی ہو جائیں اسکا ٹھکانہ جنت ہے۔

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا تقاضا ہے، اسکے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، یہ محبت ہی اطاعت پر لاتی ہے۔ اس روایت میں بتایا گیا کہ حضور سے ایسی محبت کرنی چاہیے کہ کبھی تو آپ کو بھول نہ پائے یہ بات سب سے زیادہ اطاعتِ رسول میں ملتی

ہے، آدمی ہر لحہ جس قدر محبت رسول میں بڑھتا رہے گا اطاعت نبوی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

اس روایت میں تین باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے، راوی کو ان تین میں سے ایک ہی پہنچی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں رضا الٰہی پر راضی رہے، اسکی زبان پر شکوہ و شکایت نہ آئے۔ جو شخص اس حال میں خدا سے ملاقات کرے کہ اس نے رضا بالقضاء کی دولت پائی تھی اسے انعام الٰہی نصیب ہوگا۔

(۲۸)... یا أباهريرة مر بالمعروف وانه عن المنكر علم الناس الخير ولقنهم اياه واذا رايت من يعمل بمعاصي الله تعالیٰ ولاتخاف سوطه وسيفه فلا يحل لک ان تجاوزه حتى تقول له اتق الله

ترجمہ: اے ابوہریرہ! نیکی کا حکم کرتا رہ اور بدی سے روکتا رہ لوگوں کو خیر کی بات سکھا اور انہیں اسکی تلقین کر اور جو تو کسی شخص کو گناہوں میں آلودہ دیکھے اور تجھے اسکے کوڑے اور اسکی تلوار کا ڈر بھی نہ ہو تو تجھے اسکے پاس سے گزرنا حلال نہیں جب تک کہ تو اسے یہ نہ کہے کہ اللہ سے ڈر۔

فائدہ: نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے بچانا امت کی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں وہ یقیناً فلاح پانے والے لوگ ہیں۔ امر بالمعروف مستحب ہے جبکہ برائی سے بچانا واجب ہے۔ ایک شخص کو گناہوں میں ملوث دیکھتے ہوئے اسکو نہ روکنا اور اسے گناہوں کی نجاست میں آلودہ ہونے دینا اس پر ظلم کرنا ہے۔ ہاں اگر اس نہی عن المنکر کرنے میں جان کا خوف ہو تو پھر اس صورت میں مواخذہ نہیں ہوگا۔ تاہم اخوت ایمانی تقاضا کرتی ہے کہ اپنے بھائی کو برائی سے روکنے کی کوشش کی جائے۔

(۲۹)... یا أباهريرة تعلم القرآن وعلمه الناس حتى يجئك الموت وانت كذالک و ان كنت كذلک جاءت الملئكة الى قبرک وصلوا عليک واستغفروا لک الى يوم القيمة كما تحج المؤمنون الى بيت الله عزوجل

ترجمہ: اے ابوہریرہ! قرآن پڑھ اور اسے لوگوں کو سکھا یہاں تک کہ

تجھے موت آجائے اور تو اسی حال میں ہو اور اگر تو اسی طرح رہا تو
فرشتے تیری قبر پر آئیں گے تیرے لئے دعا کریں گے تیرے لئے
بخشش مانگیں گے قیامت تک۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ حاجی
بیت اللہ شریف کی طرف لوٹتے ہیں۔

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنا اور پڑھانا بڑی نیکی کا کام ہے اللہ کے کلام کی عظمت یہ ہے کہ اسکو سیکھنے سکھانے والے کبھی ناکام نہ ہونگے۔ اللہ کی معصوم مخلوق اس کیلئے دعائے رحمت و مغفرت کرے گی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔

(۳۰)... یا اباھریرۃ الق المسلمین بطلاقۃ وجھک ومصافحۃ ایدیھم بالسلام ان استطعت ان تکون کذالک حیث کنت فان الملٰئکۃ معک سوی حفظتک یستغفرون لک ویصلون علیک واعلم انہ من خرج من الدنیا والملٰئکۃ یستغفرون لہ غفر اللّٰہ لہ

ترجمہ: اے ابوہریرہ: مسلمانوں کے ساتھ کھلے چہرے کے ساتھ مل، انکے ہاتھوں کا مصافحہ لے اگر تو کرسکتا ہے تو ایسا کر، جہاں بھی تو ہو محافظ فرشتوں کے علاوہ بھی تیرے ساتھ فرشتے ہونگے جو تیرے لئے بخشش مانگتے رہیں گے اور دعائیں کرتے رہیں گے اور جان لے جو دنیا سے اس طرح نکلے کہ فرشتے اسکے لیے بخشش مانگ رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتے ہیں۔

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ کھلے دل اور کھلے چہرے کے ساتھ ملنا چاہیے، ان سے مصافحہ کرنا چاہیے اس سے آپس میں محبت بڑھے گی اور منافرت کی فضا ختم ہوگی۔ مصافحہ اور سلام کی غایت بھی یہی ہے اس سے جہاں ایک دوسرے کے گناہ جھڑتے ہیں وہیں اسلامی معاشرہ میں محبت اور یک جہتی بھی پیدا ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی سے ترشی اور تنگ دلی سے نہ ملنا چاہیے۔

(۳۱)... یا ابا ھریرۃ ان احببت ان یفشی لک الثناء الحسن

فی الدنیا والآخرۃ کف لسانک عن غیبۃ الناس فانہ من لم یغتب الناس نصرہ اللّٰہ فی الدنیا والآخرۃ أما نصرتہ فی الدنیا فانہ لیس احد یغتابہ الا کانت الملائکۃ تکذبھم عنہ واما نصرتہ فی الآخرۃ فیعفوہ اللّٰہ عن قبیح ما صنع ویتقبل منہ احسن ماعمل

ترجمہ: اے ابوہریرہ! اگر تو چاہے کہ دنیا اور آخرت میں تیری اچھی شہرت ہوتو اپنی زبان کو لوگوں کی غیبت سے بچا جو شخص دوسروں کی غیبت سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی نصرت کرتا ہے، دنیا میں اس کی نصرت اس طرح کرتا ہے کہ جب کبھی کوئی اسکی غیبت کرتا ہے خدا کے فرشتے اسکی طرف سے اسکی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت میں اسکی نصرت یوں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے برے کاموں سے اسے معاف فرما دیتے ہیں اور اسکے نیک اعمال کو قبولیت بخشتے ہیں۔

فائدہ: قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں غیبت کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ غیبت سے نہ صرف روحانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ آپس میں دشمنیاں بھی بڑھتی ہیں اور یہ آخر کار فساد کا موجب بن جاتی ہیں۔ جو شخص غیبت کی بیماری سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی مدد فرماتے ہیں۔

(۳۲)... یا أبا ھریرۃ اغد فی سبیل اللّٰہ یبسط اللّٰہ بک الرزق

ترجمہ: اے ابوہریرہ! صبح اللہ کی راہ میں کر اللہ تعالیٰ تیرے لئے رزق فراخ کریں گے۔

فائدہ: اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو اپنی صبح اللہ کی راہ میں کرنی چاہیے اس میں خدا کی یاد بھی شامل ہے اور مسجدوں کی طرف جانا بھی اس میں داخل ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنی صبح یاد خدا سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رزق کی کشادگی کرتا ہے اور دن میں رزق اسکی طرف دوڑ کر آتا ہے۔

(۳۳)... یا أباھریرۃ صل رحمک یأتک الرزق من حیث

لاتحتسب واحجج البیت یغفر اللّٰہ لک ذنوبک التی
والھت بھا البلد الحرام

ترجمہ: اے ابوہریرہ! صلہ رحمی سے کام لے تجھے ایسے ذرائع سے رزق ملے گا کہ تو گمان بھی نہیں کرسکتا، بیت اللہ شریف کا حج کر تیرے سب گناہ جنہیں تو لے کر حرم شریف جائے گا سب معاف کردئے جائیں گے۔

فائدہ: اس میں شک نہیں کہ صلہ رحمی کے بڑے فضائل ہیں، جو شخص دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کرتا ہے اور انہیں کھلاتا پلاتا اور انکی خدمت کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے فراخی عطا کرتے ہیں اور اسکے رزق میں برکت دیتے ہیں۔ رہا حج بیت اللہ تو اسکے فضائل اور اسکی برکات کس سے مخفی ہونگے۔

(۳۴)... یا أبا ھریرۃ اعتق الرقاب یعتق اللّٰہ بکل عضو منہ کل عضو منک وفیہ اضعاف ذلک من الدرجات

ترجمہ: اے ابوہریرہ! غلام آزاد کرتا چلا جا اللہ تعالیٰ اسکے ہر عضو کے بدلے تیرے اس عضو کو (آگ سے) آزاد کرتے جائیں گے اور اس میں کئی گنا زیادہ درجات ہیں۔

(۳۵)... یا أباھریرۃ اشبع الجائع یکن لک مثل اجر حسناتہ وحسنات عقبہ ولیس علیک من سیئاتھم شیئ

ترجمہ: اے ابوہریرہ! تو بھوکے کو سیر کر تجھے اسکی نیکیوں اور اسکی اولاد کی نیکیوں کا اجر برابر ملے گا اور اسکے گناہوں کا کوئی بار تم پر نہ ہوگا۔

فائدہ: مذکورہ روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ کسی کے سر سے بوجھ اتارنا اور اسے اس بوجھ سے آزاد کرنا بڑے ثواب کا عمل ہے۔ موجودہ دور میں گو غلاموں کا رواج نہیں البتہ مقروض کا قرض اتارنا یا اس بوجھ کو ہلکا کرنے میں اسکی مدد کرنا اس ثواب کو پانا ہے، اسی طرح کسی بھوکے کا پیٹ بھرنا بھی ثواب کا کام ہے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔

(۳۶)... یا أباھریرۃ لاتحقرن من المعروف شیئا تعملہ ولو ان تفرغ من دلوک فی اناء المستسقی فانہ من خصال البر والبر کلہ عظیم وصغیرہ ثوابہ الجنۃ

ترجمہ: اے ابوہریرہ! کسی نیکی کو جسے تو کرے معمولی نہ جان اگرچہ کسی
پانی لینے والے کے برتن میں تو اپنے ڈول سے کچھ پانی ڈال دے یہ
بات اچھے کاموں میں سے ہے اور ہر اچھائی بڑی چیز ہے، اچھائی
چھوٹی بھی ہو تو اسکی جزاء جنت ہے۔

فائدہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھنا چاہیے، کوئی نیکی جو بظاہر معمولی اور چھوٹی نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ بہت بڑی ہوتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ چھوٹی ہے بلکہ ہر چھوٹی نیکی کو بھی بڑی نیکی سمجھ کر عمل میں لانا چاہیے۔

(۳۷)... یا أبا هريرة مر اهلک بالصلوة فان الله یاتیک
بالرزق من حيث لا تحتسب ولایکن للشیطان فی بیتک
مدخل ولا مسلک

ترجمہ: اے ابوہریرہ: اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتا رہ اللہ تجھے وہاں
سے رزق پہنچائے گا کہ تو گمان نہ کر سکے اور شیطان کو تیرے گھر میں
عمل دخل نہ ہوگا۔

فائدہ: قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم کرتے رہنا چاہیے اور اس پر خود بھی عمل کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے رزق نہیں مانگتا وہ تو خود رزق دینے والا ہے، جو شخص اپنے مالک کا حکم بجالاتا ہے مالک کی نظر عنایت کا مستحق بن جاتا ہے۔

(۳۸)... یا أبا هريرة اذا عطس اخوک المسلم فشمته فانه
یکتب لک به عشرین حسنة ... انک حین تقول له
یرحمک الله یکتب لک عشر حسنات وحین یقول لک
یهدیک یکتب لک عشر حسنات

ترجمہ: اے ابوہریرہ: جب تیرے مسلمان بھائی کو چھینک آئے اور تو
اسے جواب دے تو تیرے لئے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب تو کہتا
ہے کہ یرحمک اللہ تو تجھے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جب وہ تجھے یهدیک
اللہ کہتا ہے تو تیرے نام دس نیکیاں اور لکھی جاتی ہیں۔

فائدہ: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی

ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی چھینک کے جواب میں اسے یرحمک اللہ کہے، جس سے حق مسلم ادا ہوگا تو ساتھ ہی اسے نیکیاں بھی ملیں گی۔

(۳۹)... یا أباھریرۃ کن مستغفرا للمسلمین والمسلمات والمؤمنین والمومنات یکونوا کلھم شفعاء لک ویکن لک مثل اجورھم من غیر ان ینقص من اجورھم شیئ

ترجمہ: اے ابو ہریرہ! مسلمانوں اور مؤمنوں کیلئے تو بخشش طلب کرتا رہ وہ سب تیرے لئے سفارشی ہونگے اور تمہیں انکی نیکیوں کے برابر اجر ملے گا بغیر اسکے کہ ان کے اجر میں سے کوئی کمی ہو۔

فائدہ: مسلمان بھائی بہن کیلئے دعائے مغفرت کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم میں بتائی دعاؤں میں یہ دعا موجود ہے ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین ...الأیۃ، اسی طرح ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان... الأیۃ میں اسکا ذکر پایا جاتا ہے۔ جو اپنے مسلمان بھائی بہن کیلئے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر اسکے لیے بھی دعا کرنے والے پیدا کر دیتا ہے۔

(۴۰)... یا أبا ھریرۃ ان کنت ترید ان تکون عند اللّٰہ صدیقا فاٰمن بجمیع رسل اللّٰہ وانبیاء اللّٰہ وکتبہ

ترجمہ: اے ابو ہریرہ: اگر تو چاہے کہ تو اللہ کے ہاں صدیق لکھا جائے تو تمام انبیاء ورسل پر ایمان لا اور اللہ کی تمام کتابوں کو مان۔

(۴۱)... یا أباھریرۃ ان کنت ترید ان تحرم علی النار بجسدک فقل اذا اصبحت وامسیت لا الہ اللّٰہ وحدہ لاشرک لہ. لا الہ الا اللّٰہ لہ الملک ولہ الحمد. لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر. لا الہ الا اللّٰہ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ

ترجمہ: اے ابو ہریرہ: اگر تو چاہے کہ تو اپنے جسم سمیت آگ پر حرام ہو تو صبح شام یہ وظیفہ پڑھتا رہ لا الہ الا اللّٰہ.... الخ

فائدہ: اللہ اور اسکے پیغمبروں پر ایمان لانا اور اسکی کتابوں کو ماننا اور کسی دلیل کے پیچھے نہ پڑنا اللہ کے ہاں مقام صدیقیت پانا ہے اور ان کلمات کا پڑھنا اور اسکا ورد رکھنا اپنے

اوپر جہنم کی آگ کا حرام کرنا ہے۔

(۴۲)... یا أبا هريرة تعلموا الفرائض وعلموه فانه نصف العلم وانه ينسى وهو اول ما ينزع من امتى

(مستدرک للحاکم ج:۴،ص:۳۶۹،سنن ابن ماجہ:۱۹۵)

ترجمہ: اے ابو ہریرہ: علم میراث کو سیکھو اور اسکو دوسروں کو سکھاؤ کیونکہ یہ آدھا علم ہے اور یہ بھلا دیا جائے گا سب سے پہلا علم ہوگا جو (قرب قیامت) میری امت سے اُٹھالیا جائے گا۔

فائدہ: علمِ میراث بہت دقیق اور مشکل علم ہے، ہر شخص کے جدا جدا حالات ہونے کی وجہ سے اسکے مسائل کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں بہت کم علماء ہیں جو علم میراث پر پوری طرح عبور رکھتے ہوں اور دن بدن اس میں کمی آرہی ہے اور یہ علامات قیامت میں سے ایک ہے کہ اسکا علم اٹھالیا جائے گا یعنی اس علم کے ماہرین ہی نہ رہیں گے۔

(۴۳)... يا أباهريرة فقلت لبيک يا رسول الله فقال ان المكثرين هم الاقلون الا من قال بماله هكذا وهكذا واوما بيده عن يمينه وعن شماله وقليل ما هم

(مستدرک ج:۱،ص:۶۹۸،مسند احمد ج:۳،ص:۳۴۳)

ترجمہ: اے ابو ہریرہ یہ جو زیادہ مال رکھنے والے ہیں یہی تنگ دست ہیں مگر وہ جو اپنے مال کو یہاں صرف کرے اور وہاں صرف کرے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنے دائیں اور بائیں اشارہ فرمایا اور ایسے لوگ (خرچ کرنے والے) بہت کم ہیں۔

فائدہ: مال کی آفات بہت ہیں جو لوگ اس مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں وہ مال کی آفت سے بچ جاتے ہیں اور ایسے بہت کم ہیں لیکن وہ لوگ جو اپنے مال کو گن گن کر رکھتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے نہ زکوہ دیتے ہیں نہ صدقات وخیرات کرتے ہیں ایسے لوگ اپنی جگہ کتنے ہی امیر کیوں نہ کہلائیں حقیقت میں تنگ دست ہیں۔

(۴۴)... يا أباهريرة الا ادلک عن كنز من كنوز الجنة قلت بلى يا رسول الله قال تقول لاحول ولا قوة الا بالله ولا ملجا

ولا منجا من اللّٰہ الا الیہ (ایضا مسند احمد ج:۳،ص:۲۷۳)

ترجمہ: اے ابوہریرہ! کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے کوئی خزانہ نہ بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! ضرور بتلایئے آپ نے ارشاد فرمایا تو اس طرح کہا کر لاحول ولا قوة الا باللّٰہ ولا ملجا ولا منجا من اللّٰہ الا الیہ (ترجمہ: نہیں کوئی طاقت اور قوت مگر اللہ تعالیٰ سے اور نہیں اللہ کی پکڑ سے کوئی پناہ گاہ اور مقام نجات مگر اسی کی طرف جھکنا)۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ کی ارشاد فرمودہ یہ دعا صرف جنت کا خزانہ نہیں دنیا کی بھی اس دعا کے ذریعہ بڑی بڑی پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور انسان برائی کی لپٹ سے بچ کر اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے ہاں یہ دعا بہت معروف ہے اور وہ عام طور پر اپنے متوسلین کو اس دعا کے پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

(۴۵)... یا أباهریرة تدری ماحق اللّٰہ علی العباد وما حق العباد علی اللّٰہ قال قلت اللّٰہ و رسوله اعلم قال حق اللّٰہ علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی اللّٰہ ان لایعذب من لایشرک به شیئا (ایضا،مسند احمد ج:۳،ص:)

ترجمہ: اے ابوہریرہ: تو جانتا ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا خدا پر کیا حق ہے؟ حضرت ابوہریرہ نے کہا اللہ اور اسکا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کو عذاب نہیں دے گا جنہوں نے اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ ہم سب کا خالق و مالک ہے، ہمارا اس پر کوئی حق نہیں اسکے ہم پر بے شمار حقوق ہیں جنہیں ہم پوری طرح ادا بھی نہیں کر پاتے۔ تاہم اسکی شان کریمی کا تقاضا ہوا کہ اگر اسکے بندے اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں تو وہ اپنے بندوں کو معاف کردے گا، جو لوگ شرک کی آلودگی میں ملوث ہیں انہیں غور کرنا چاہیے اور فوری طور پر شرک سے بیزاری

اور برأت کرنی چاہیے تاکہ عذاب خداوندی سے حفاظت ہوجائے۔

(۴۶)... یا أباھریرۃ کن ورعا تکن اعبد الناس وکن قنعا تکن اشکر الناس واحب للناس ما تحب لنفسک تکن مؤمنا و احسن جوار من جاورک تکن مسلما و اقل الضحک فان کثرۃ الضحک تمیت القلب (سنن ابن ماجہ ص:۳۱۱)

ترجمہ: اے ابوہریرہ! تقویٰ اختیار کرتو سب لوگوں سے زیادہ عبادت گذار ہوجائے گا اور قناعت اختیار کر سب لوگوں سے زیادہ شکر گذار ہوجائے گا اور لوگوں کیلئے وہی پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو ایماندار بن جائے گا اور اپنے پڑوسوں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھ تو اچھا مسلمان ہوجائے گا اور کم ہنسا کر اسلئے کہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کردیتا ہے۔

فائدہ: اس روایت میں حق اللہ اور حق العباد کا بیان ہے اور دونوں کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے، ایک طرف جہاں تقویٰ اور قناعت کی زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تو ساتھ ہی اپنے بھائی اور پڑوسی کا خیال رکھنے کی جانب بھی توجہ دلائی گئی ہے۔

جو لوگ تقویٰ اختیار نہیں کرتے اور قناعت کی زندگی پر نہیں آتے وہ اگر عابد و شاکر ہونے کے مدعی ہوں تو انکا یہ دعوی صحیح نہ ہوگا۔

(۴۷)... یا أباھریرۃ ما الذی تغرس قلت غراسا لی قال الا ادلک علی غراس الجنۃ خیر لک من ھذا قال بلی یا رسول اللہ قال قل سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر یغرس لک بکل واحدۃ شجرۃ فی الجنۃ (سنن ابن ماجہ ص:۲۷۰)

ترجمہ: اے ابوہریرہ تو کیا چیز بو رہا ہے میں نے عرض کی اپنے لئے ایک درخت لگا رہا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا کیا میں تجھے جنت میں بونے والی کوئی ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس سے بہتر ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں ضرور بتلایئے! آپ نے فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہہ، ہر دفعہ پڑھنے پر تیرے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔

فائدہ: بعض دعائیں اور وظائف ایسے ہوتے ہیں جو بہت مختصر الفاظ لئے ہوتے ہیں لیکن انکی تاثیر اور اسکے فوائد بہت ہوتے ہیں یہ وظیفہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ انسان چلتے پھرتے ان الفاظ کو پڑھنے کی عادت بنا ڈالے تو یہ اسکے لیے ایک بڑی سعادت کی بات ہے۔

(۴۹)... یا اباھریرۃ اولٰئک الثلاثۃ اول خلق اللہ تسعر بھم النار یوم القیامۃ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج:۱، ص:۳۱۳)

ترجمہ: اے ابوہریرہؓ اللہ کی مخلوق میں تین قسم کے لوگ ہونگے جن سے قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم بھڑکائی جائے گی۔

فائدہ: یہ تین وہ ہونگے جنہوں نے اس دنیا میں گو بہت اچھے کام کیئے ہونگے مگر انکی نیت دکھاوے کی تھی (۱) قاری قرآن، (۲) صاحب مال، (۳) مجاہد۔ قرآت قرآن سے دولت اور شہرت مقصود تھی، نہ کہ رضائے الٰہی۔ خیرات وصدقات کی غرض سخی اور داتا کہلانا تھا اور لڑائی کے میدان میں اپنی بہادری کی جوہر دکھانا مقصود تھا نہ کہ خدا کے لیے جنگ و جہاد کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی نیکی بھی اسی وقت قبولیت کا شرف پاتی ہے جب وہ رضائے الٰہی پانے کیلئے ہو ورنہ یہی اعمال ندامت کا باعث ہونگے۔

یہ ارشادات تصوف کی ایک کتاب سے لیے گئے ہیں۔ محدثین کے ہاں ان میں کئی روایات میں کلام ہو سکے گا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ روایات ثبوت احکام میں نہیں فضائل اعمال میں ہیں جہاں کمزور روایات میں لے لی جاتی ہیں۔ ان کے آخر میں احتیاطاً او کما قال النبی ﷺ میں کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا:

(۵۰)... اشکمت بہ رمداً قال قلت لا یارسول اللہ ﷺ قال صل فان فی الصلاۃ شفاء (مسند احمد ج:۳، ص:۳۶۹)

ترجمہ: کیا تیرے آنسو کسی تکلیف سے ہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا نماز پڑھا کر پس نماز میں (اللہ نے) شفا رکھی ہے۔

فائدہ: نماز جس طرح روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہے جسمانی امراض کے دور ہونے کا باعث بھی بن سکتی ہے بشرطیکہ پوری توجہ اور اعتقاد کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

ایک گذارش: جو حضرات اس درس کو پڑھیں یا اپنے پاس رکھیں ان سے گذارش ہے کہ وہ ان میں سے کوئی چالیس روایات بھی کبھی کبھی پڑھ لیا کریں جو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوہریرۃؓ کا نام لے کر ان کو بیان فرمائی ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ انکو پڑھیں اور سنائیں بلکہ اسے عمل میں لانے کی بھی کوشش کریں۔

(۲)...درس امام ربانی حضرۃ الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ)
ان واعظوں کے نام جو لنگر خانوں میں خدا کے بندوں کو خدا سے دور رکھے ہوئے ہیں۔

اے آخرت کے حوالہ سے دنیا داروں سے انکی دنیا چھیننے والو...! اے حق تعالیٰ سے ناواقفو...! تم ان عوام کی نسبت توبہ کرنے کے زیادہ مستحق ہو، تمہیں اپنے گناہوں کا اعتراف ان سے پہلے کرنا چاہیے کہ تمہارے پاس نہ خیر ہے، نہ نفع، نہ نجات، نہ نور اور نہ ہی دین۔ رہی تمہاری دنیا سو وہ باقی رہنے والی نہیں ہے۔

تم جو کچھ (ان سے) لے رہے ہو اپنی طبیعت اور خواہش نفس سے لیتے ہو اور اسی کیلئے تم دنیا کماتے ہو نہ کہ آخرت کیلئے، میری توجہ تم پر ہے اور میرا یہ وعظ تمہارے ہی لئے ہے، (الفتح الربانی ص: ۶۴۰ ترجمہ از مؤلف)

اے بندگان خدا..! دائمی حیات کی طرف آؤ، اس چشمے کی طرف دوڑو جو کبھی خشک نہ ہوگا، ایسے دروازہ پر آ نکلو جو کبھی بند نہ ہوگا، ایسے سایہ کی طرف آؤ جو کبھی نہ ڈھلے گا، ایسے پھل کی طرف آؤ جو کبھی نہ سڑے کہ اس کی حقیقت بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

اے شہوات اور لذات کے پلے ہوئے اور اے ہوس کے پروردہ ...! خیر اسی میں ہے جسے تو پیچھے چھوڑ چکا۔ ہماری صدق ارادت کی آگ میں جل جا، یہ پردے اور دروازے خود جل جائیں گے پھر تیرے اور ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ رہے گا، تو اسے (خدا کو) اس طرح دیکھ پائے گا جیسے کہ تو ہمیں دیکھ رہا ہے (یہ احسان کی آخری منزل ہے) اس وقت تیرا اسکے فیصلوں پر آنا ہو سکے گا۔ (اسکے مقسوم پر راضی رہنا اس پر اس سفر کی انتہا ہے)

اے مدعی ولایت! دعوی مت کر یہ ایسا عمل ہے جو پھیل کر رہے گا، آواز دینے والا تیرے سر پر سے آواز دے گا۔ ولایت افعال میں ہے اقوال میں نہیں، یہ ایک اندرونی تعمیر ہے جسکی آبادی لوگوں میں ملے جلے رہنے سے ہی ہوگی۔ دل کی چابیاں ایمان میں ہیں اور انکی حقیقت کی تمہیں کوئی خبر نہیں۔ نفس مطمئنہ رکھنے والے کسی مفرد (یگانہ روزگار) کے دامن سے چمٹ جا اور اس سے تو دنیا چاہنے والا نہ ہو، ایک لقمہ بھی اس سے طلب نہ کرنا کہ وہ تجھے اسکے سے کپڑے پہننے کا موقع دے اور تو اسکے سامنے کھڑا ہو سکے اور جب تو اس حالت پر قائم رہے گا تو کیا عجب ہے کہ وہ مرد خدا تجھے قریب بلا لے اور اپنے کلمات کی گدڑی تجھ کو پہنا دے اور تجھے اپنے بعض احوال پر آگاہی بخشے اور تیرا دل ٹھہر جائے یہاں تک کہ جب تو وارادات الٰہیہ کو اپنے دل کی طرف آتے دیکھے تو اپنی آنکھیں بند کر لے اور اپنا سر جھکا دے اور اسکے راز کو کسی پر افشاء نہ کرے۔

اہل اللہ کے قلوب پر واردات حق انکے حالات اور مقامات کے موافق آیا کرتے ہیں۔ باطن میں جو تبدیلی اٹھتی ہے وہ ظاہر پر بھی اترتی ہے، اب وہ مرید جوان اسرار پر مطلع ہو ضرورت ہے کہ اندھا، بہرہ اور مست بنا رہے۔ (ایضاً ص:۴۰۰)

حضرت الشیخ جب اس مقام پر پہنچے تو بس یہی کہہ پائے، انکے گونگا بننے کا مطلب یہ نہیں وہ کلام نہ کریں نہ یہ کہ وہ دنیا چھوڑ دیں، حضرت خود وضاحت فرماتے ہیں:۔

> شریعت کی حدود اپنے اوپر لازم کر، نفس اور خواہش اور شیطان اور برے ہم نشینوں کی مخالفت کا پابند ہو، ایمان والا ہمیشہ انکے ساتھ جہاد میں رہتا ہے، نہ انکے سر سے خود ہٹتا ہے، نہ اسکی تلوار نیام میں جاتی ہے، نہ اسکے گھوڑے کی پیٹھ اسکی زین سے خالی ہوتی ہے، انکا سونا اہل اللہ کی طرح غلبہ کی حالت میں ہوتا ہے، فاقہ انکی خوراک ہے، انکا کلام بضرورت ہوتا ہے، گونگا رہنا انکی عادت ہے، اسکے سوا کچھ نہیں کہ تقدیر خداوندی انکو بلواتی ہے اللہ کا فعل ہی انکو بلواتا ہے اور انکے لبوں کو حرکت دیتا ہے۔ (ایضاً ص:۱۴۰)

(۳)...درس امام ربانی مجدالف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندیؒ

ان علماءِ بدعت کے نام جو لنگروں کے درمیان خدا کے بندوں کو خدا سے دور رکھے ہوئے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:۔

نعمت اسلام کی اولین مدد یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کی حفاظت کی جائے اور کتاب وسنت اور اجماع کے عقائد کلامی کو ظاہر کیا جائے تا کہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں پڑ کر راستہ نہ روک دے اور کام کو خرابی اور فساد میں نہ ڈال دے۔اس قسم کی امداد علماء حق کے ساتھ مخصوص ہے جنکا رجحان آخرت کی طرف ہے۔ دنیا پرست علماء جنکا مقصود یہ کمزور دنیا ہے انکی صحبت زہر قاتل ہے اور انکی بدی کا فساد دوسروں کو بھی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

زمانہ ماضی میں جو بلاء اور آفت بھی اسلام کے سر پر ٹوٹی وہ انہی علماء سوء کی شومی کی بدولت تھی۔(مکتوبات دفتر اول مکتوب:۴۷،ص:۴۴)

آپ کے نزدیک اس سیر وسلوک سے مقصود کیا ہے اسے آپ کے اپنے الفاظ میں پڑھیں:

اس سیر وسلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو بیرونی اورا ندرونی خداؤں کے فنا ہونے سے وابستہ ہے اور یہ اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے کیونکہ شریعت حقہ کے تین جزو ہیں: (۱) علم، (۲) عمل، (۳) اخلاص.. طریقت اور حقیقت دونوں اس جزو اخلاص کو کمال تک پہنچانے میں شریعت کی خادم ہیں۔اصل بات یہی ہے لیکن ہر شخص کا فہم و ادراک یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔اکثر مخلوق خواب وخیال میں آرام کر رہی ہے اور اخروٹ اور ناریل پر کفایت کر

چکی ہے شریعت کے کمالات کو کیا جانے۔ طریقت وحقیقت کی ماہیت کو
کیا پائے؟ اکثر لوگ شریعت کو پوست اور حقیقت کو مغز خیال کرتے
ہیں، یہ نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے صوفیوں کی سکر و مستی میں نکلی
ہوئی باتوں سے دھوکے میں آچکے ہیں۔ (دفتر اول مکتوب: ۴۰، ص: ۱۴۳)

علوم لدنیہ کی صحت و درستی کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعیہ کے ساتھ مطابقت و موافقت رکھتے ہوں، ان سے اگر بال برابر بھی تجاوز رہے تو وہ سکر کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور حق وہی ہے جو علماء اہل السنۃ والجماعۃ نے کہا ہے اسکے ماسوا یا زندقہ والحاد ہے اور یا سکر وقت اور غلبۂ حال ہے، اور یہ مطابقت پوری طرح مقام عبدیت میں میسر آتی ہے اسکے سوا کچھ نہ کچھ سکر موجود رہتا ہے۔ ... بگویم شرح ایں بے حد شود۔

ایک شخص نے حضرت خواجہ نقشبندؒ سے سوال کیا کہ سلوک سے کیا مقصود ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ:۔

اجمالی معرفت تفصیل کے درجے کو پہنچ جائے اور استدلالی معرفت
کشف کے درجے کو پہنچ جائے۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ معارف شرعیہ
سے زائد کچھ حاصل کرلے اگرچہ راہ سلوک میں علوم شرعیہ سے زائد
کچھ امور سامنے آتے ہیں لیکن اگر کسی کو نہایت کام تک پہنچا دیں تو وہ
تمام زائد امور بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ختم ہوجاتے ہیں اور وہی
معارف شرعیہ تفصیل کے رنگ میں علم و دانش میں باقی اور محفوظ رہتے
ہیں اور استدلال کے تنگ مقام سے نکل کر کشف کی فراخ اور کشادہ
فضاء میں آجاتے ہیں۔

یعنی جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام ان علوم شرعیہ کو وحی سے حاصل کرتے تھے یہ (سیر وسلوک میں چلنے والے) بزرگوار انہی علوم کو الہام کے طریقہ سے حق تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں۔ علماء نے یہ علوم بطریق اجمال شرائع انبیاء سے اخذ کئے ہیں، وہی علوم ان کو بھی اسی طور پر حاصل ہوتے ہیں لیکن اصل اور تابع ہونے کی حیثیت درمیان میں موجود رہتی ہے۔ اس قسم کے کمال کیلئے کامل اولیاء کرام میں سے بعض کو بڑی صدیوں اور ازمنہ دراز کے بعد منتخب کرتے ہیں۔ (دفتر اول مکتوب: ۳۰، ص: ۱۰۹)

(۴)...خواجہ خواجگان حضرت شاہ معین الدین اجمیریؒ (۶۲۷ھ)

سلطان الاولیاء حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں:۔

جب بندہ سراپا تقویٰ اور سراسر شریعت کا پابند ہوجاتا ہے تب مقام طریقت پر آتا ہے، اسکے بعد معرفت حاصل ہوتی ہے۔

(دلیل العارفین مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ)

دیکھئے تصوف کیا سالک کو شریعت سے کسی اور راہ پر لے جاتا ہے یا خود اسکی اپنی اساس بھی شریعت پر ہی ہے۔ حضرت خواجہ کاکیؒ آپ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر آپ کو توجہ دلاتے ہیں آپ آنکھ کھولتے ہی فرماتے ہیں:

شرع محمدی سے مفر نہیں۔ (اسرار السالکین منقول از خواجہ خواجگان ص:۱۳۲)

بارگاہ خداوندی میں نماز سے قرب حاصل ہوتا ہے جو باوضو سوتا ہے اسکی روح عرش تک پہنچتی ہے، عرفان میں ایک حالت یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک ہی قدم میں عرش تک کا فاصلہ طے ہوجائے اور دوسرے قدم میں انسان پھر اپنی جگہ واپس آجائے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ کے ہاں مقامات تصوف:۔

(۱)...عارفوں کا ایک مقام ایسا ہے کہ جب وہ اس پر پہنچتے ہیں تو تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اسے وہ اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

(۲)... چار چیزیں جوہر نفس ہیں (۱) درویشی میں اظہار غنی، (۲) بھوک میں اظہار سیری، (۳) غم میں اظہار سکون، (۴) دشمن سے بھی دوستی۔

(۳)...متوکل وہ شخص ہے کہ خلقت سے رنج و کلفت اٹھائے اور اسکی کسی سے شکایت کرے نہ حکایت۔

(۴)...؟

(۵)...آب رواں کی آواز سنو کہ کیسے زور و شور سے آتا ہے مگر جب

سمندر میں گرتا ہے تو کیسے خاموش ہو جاتا ہے۔

(۶)... نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بدوں کی صحبت برے کام سے بدتر ہے۔

(۷)... تم کو گناہوں سے اتنا ضرر نہیں پہنچتا جتنا کسی مسلمان کی بے حرمتی سے پہنچ سکتا ہے۔

(۸)... جہاں کی کل چیزوں سے یہ بہتر ہے کہ درویش درویشوں کے ساتھ بیٹھیں اور سب سے بری چیز یہ ہے کہ درویش مالدار لوگوں کے ساتھ بیٹھیں۔

(۹)... جب خدا تعالیٰ کسی کو اپنے انوار سے زندہ کرتا ہے تو اسے اللہ کا ولی کہتے ہیں، اللہ کا دوست وہ ہے۔

(۱۰)... سب وقتوں میں عمدہ وقت وہ ہے جو وسوسوں اور خطرات سے پاک ہو۔

(۱۱)... عارفوں میں صادق وہ ہے جسکی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو نہ وہ خود کسی کی ملکیت ہو۔

(۱۲)... آدمی فقیری کا مستحق اس وقت ہوتا ہے کہ عالم فانی میں اسکا کچھ باقی نہ ہو۔

یہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے بارہ ارشادات آپ کے سامنے ہیں، ان میں سے کونسی چیز ہے جو شریعت سے متصادم ہوتی ہے؟ کوئی نہیں۔ اگر کہیں کہ یہ جو کہا گیا کہ درویش کسی چیز کا مالک نہ ہو یہ قول بھی صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملتا ہے۔ اہل ولایت مجتہد فیہ مسائل میں اگر کسی انتہائی مشکل گھاٹی پر بھی آ جائیں تو اسے انکا تقویٰ سمجھیں۔ تقویٰ اگر کبھی فتویٰ سے مختلف ہو جائے تو اسے تعارض نہیں کہتے۔ تصوف کے تعارف میں اب تک جو باتیں کہی گئی ہیں ان میں یہ بات کہیں نہ ملے گی کہ درویشی کی راہیں اور سیر وسلوک کے اعمال شریعت سے جدا کسی دوسری لائن پر ملتے ہیں۔

(۵)...شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ (۶۳۲ھ)

تصوف کی بابت صوفیاء کرام کے ہزاروں اقوال موجود ہیں ہم یہاں ایک ضابطہ بیان کئے دیتے ہیں جو تصوف کے معنی پر حاوی و محیط ہے خواہ الفاظ مختلف ہوں لیکن معنی میں یکسانیت اور قربت ہوگی۔

صوفی وہ ہے جو اپنے اوقات کو ہمیشہ کدورت سے پاک رکھے، اسلئے کہ وہ اپنے قلب اور نفس کو گندگی سے ہمیشہ صاف کرتا رہتا ہے اور اس تصفیہ کو مدد اس امر سے پہنچتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مولیٰ کا محتاج رہتا ہے، اس ہمیشہ کے فقر و احتیاج کے باعث وہ کدورتوں سے پاک رہتا ہے اور جب کبھی اسکا نفس جنبش میں آتا ہے اور اپنی صفات میں سے کسی صفت پر ظاہر ہوتا ہے تو صوفی اپنی بصیرت نافذہ سے ادراک کرلیتا ہے اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے پس اس طرح اسکے اس تصفیہ دوامی کی بدولت اسکو جمعیت حاصل رہتی ہے۔ اگر اسکو اپنے نفس کی اس جنبش پر قابو نہ ہو تو اس سے اسکی جمعیت میں تفرقہ پڑ جائے گا اور صفا میں کدورت پیدا ہو جائے گی، سو اس طرح وہ اپنے رب کے ساتھ اپنے قلب پر اور اپنے قلب کے ساتھ اپنے نفس پر (نگران) قائم رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **کونوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط** (تم اللہ کیلئے قائم اور سیدھے گواہ عدل کے ساتھ رہو) یہی قوامیت نفس پر اللہ کیلئے بالتحقیق تصوف ہے۔ بعض ارباب تصوف کا ارشاد ہے کہ تصوف سراپا اضطراب ہے اور وقوع سکون میں تصوف نہیں ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ روح بارگاہ الٰہی کی طرف کھنچی گئی ہے مقصد اسکا یہ ہے کہ صوفی کی روح مقامات قرب کی طرف انجذاب کی گھات میں ہر وقت لگی رہے (یہی دوام اضطراب و سراپا اضطراب ہے) حالانکہ نفس اپنی حالت وضعیہ میں (جس طرح کہ وہ بنایا گیا اور وضع کیا گیا) اپنے عالم نفوس کی طرف تہ نشین ہونے والا ہے (جہاں سکون ہی سکون ہے) لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ انقلاب بھی لگا ہے۔ رسوب (تلچھٹ.. نیچے کی شراب) کو ہمیشہ الٹا پلٹا بھی جاتا ہے۔ پس صوفی کیلئے حرکت دوام ضروری ہے لیکن اس طرح کہ اسکے ساتھ ساتھ افتقار (فقر و

محتاجی) اور دوامی صفات بھی موجود ہوں اور اسکے ساتھ اصابت نفس کے مواقع پر بھی اسکی نظر ہو (جانتا ہو کہ نفس کب اور کہاں صواب اندیشی سے کام لے رہا ہے ایسے مواقع پر فرار نافع نہیں ہوگا بلکہ قرار کی ضرورت ہوگی بشرطیکہ صوفی ان مواقع کی چھان بین کرتا رہے)

اب جو کوئی ہماری ان باتوں سے آگاہ ہوگیا وہ تصوف کے معنی میں ان تمام متفرقات کو پائے گا جو اشارات میں بیان کئے گئے یعنی تصوف کی تعریف میں جو متفرق اشارات کئے گئے ہیں وہ سب یہاں یکجا کردئے گئے ہیں۔ (عوارف المعارف ص:۱۹۹ ترجمہ)

حضرت شیخ الشیوخ اس سے پہلے حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا یہ قول بھی درج کرآئے ہیں:۔

صوفی وہ ہے جو کدورت سے صاف، فکر سے خالی اور اللہ کیلئے انسانوں سے منقطع رہے اور اس کی نظر میں سونا اور مٹی برابر ہو۔ بعض ارباب تصوف سے جب اسکے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مخلوق کی موافقت سے دل کو صاف کرنا، اخلاق طبیعی سے الگ ہونا، صفات بشری سے سرد ہوجانا (جمود پیدا کرنا)، نفسیاتی خواہشات سے الگ تھلگ ہوجانا، صفات روحانیہ کی منزل بننا، علوم حقیقیہ سے تعلق پیدا کرنا اور شریعت میں حضرت رسول خدا ﷺ کی کامل اتباع کرنے کا نام تصوف ہے۔ (ایضا ص:۱۹۸)

حضرت ابوحفصؒ فرماتے ہیں:

تصوف کلیۃً آداب ہیں کہ ہر وقت کا ایک ادب ہے اور ہر حال کیلئے ایک ادب ہے اور جس شخص نے آداب اوقات کو اپنے ذمہ لے لیا تو وہ مردوں کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور جس نے ان آداب کو ضائع کردیا تو وہ اس راہ سے بعید ہے کہ قرب کا گمان رکھے اور وہ قبول کے درجہ سے مردود ہے (اسکو قبول کی امید نہیں رکھنا چاہیے)۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا عنوان ہے جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا لو خشع قلبه لخشعت جوارحه یعنی اگر انسان کا دل خاشع ہے تو اسکے جوارح و اعضاء بھی خشوع کرنے والے ہونگے۔ (ایضا ص:۱۹۵)

ان عبارات کو غور سے پڑھیے کیا ان میں کوئی ایسی بات ہے جو کتاب و سنت سے ٹکرائے۔ یہ حضرات تو سنت کے ایسے امین ہوتے ہیں کہ اس لائن میں ذرا سی کوتاہی بھی انکے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ حضرت سہروردیؒ نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے

بارے میں ایک حکایت اس طرح نقل کی ہے کہ:۔

انہوں نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا کہ چلو آج چل کر اس شخص کو دیکھیں جس نے خود کو ولی مشہور کر رکھا ہے اور یہ شخص اپنے گرد و نواح میں زاہد و عابد مشہور تھا، چنانچہ ہم لوگ اسکی طرف چلے جب وہاں پہنچے تو وہ مشہور ولی اپنے گھر سے مسجد کی طرف جانے کیلئے نکلا اور اس نے قبلہ کی طرف تھوکا یہ دیکھ کر حضرت بایزیدؒ نے کہا کہ الٹے پاؤں پھر چلو ہم سب کے سب واپس آ گئے یہاں تک کہ اس سے سلام علیک تک نہ کی، حضرت بایزیدؒ نے ہم سے کہا کہ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی سنت کا بھی معتمد امین نہیں ہے تو پھر یہ مقامات اولیاء و صدیقین کے دعوؤں کا امین کس طرح ہو سکتا ہے۔ (ایضاً ص:۱۹۴)

یہ چار حضرات پہلے دور کے ائمہ تصوف تھے، دیکھئے انکی ایک ایک بات کس طرح شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہے۔ دور آخر کے ان چار بزرگوں کا نظریہ تصوف پہلے آپ کے سامنے آ چکا ہے۔

(۱)...شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ..شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند،

(۲)...مجاہد الاسلام حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ..شاگرد خاص حضرت شیخ الہندؒ،

(۳)...مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ..خلیفہ خاص حضرت تھانویؒ،

(۴)...مؤرخ اسلام ادیب علام مولانا سید سلیمان ندوی قدس سرہ..صدر ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

اس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ تصوف جن چودہ سو سال سے گذرا ہے اس میں جو کچھ صف اول کے اکابر نے کہا تھا اس صدی کے آئمہ تصوف نے بھی وہی کچھ کہا ہے جس طرح حدیث و فقہ آج بھی وہی ہے جو پہلے دور میں تھی تصوف آج بھی وہی ہے جو پہلے دور کے اکابر اولیاء کرام کا تھا۔

یہ چودھویں صدی کے ایمہ تصوف اسی اسلامی تصوف کے وارث ہیں جو دوسری صدی کے آثار احسان میں چلا آ رہا ہے انہوں نے نظر و فکر کی وہ روشنی پائی جو پہلوں کے علم و عمل کی فیضان تھی۔

مبتدی ہو کوئی یا کہ ہو منتہی　　کہتے ہیں دوستو عارفا سبھی
اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر　　مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

اسباق اہل ولایت آپ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ سیر و سلوک میں چلنے والا ان بزرگوں سے تعلق قائم کرے جو پہلے ائمہ تصوف سے ایک سلسلہ وار تعلق رکھتے ہیں۔

اعمال سلوک و احسان کے موضوع پر ایک علمی اور تحقیقی پیشکش

عمدة البيان فی مباحث الاحسان

المسمی ب......

اعمال الاحسان

تالیف لطیف

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

ناشر : دار المعارف

اردو بازار، لاہور، پاکستان

URDU BAZAR, LAHORE, PAKISTAN

دار المعارف، دیوسماج روڈ، سنت نگر، لاہور

اعمال الاحسان

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

مقام احسان میں آنے کے لیے بزرگوں کے کچھ تجربات ہیں انکی روشنی میں اس منزل تک پہنچنے کیلئے ان اعمال کا بجالانا ضروری ہے، سالک ان راہوں سے گزرتا ہوا بالآخر خدا کی بادشاہی میں جگہ پالیتا ہے۔

۱-اخلاصِ نیت

اسلام میں تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے اور نیت فعل قلب ہے یہیں سے اعمال تصوف کی ابتداء ہوتی ہے۔ یہ راہ سلوک ہے جس پر دل کوٹھہرانا اور جمانا ہوتا ہے، ضروری ہے کہ اس راہ کے مسافر ان تین منزلوں کو سامنے لے کر چلیں۔

(۱) تزکیۂ قلب دلوں پر محنت کرنے کا نام ہے (۲) تمام روحانی بیماریاں دل میں پیدا ہوتی ہیں (۳) اعمال تصوف سے دل اصلاح پا کر برکتوں کا مورد بنتے ہیں۔ ان تین امور پر کچھ بحث پہلے ہو چکی ہے۔

۲-توبہ

راہ سلوک میں آنے والا توبہ سے اپنے عمل کا آغاز کرتا ہے اور یہ توبہ کسی اصلاح پائے اور اجازت پائے ہوئے بزرگ کے ہاتھ پر ہو تو اسے بیعت کہتے ہیں یہ بیعت توبہ ہے۔ پھر بیعت سلوک بھی اسی سے بنتی ہے۔ عورتوں کی توبہ کیلئے باپردہ حاضری اور اقرار کافی ہے بلکہ حاضری بھی ضروری نہیں۔ امام محی الدین النووی الشافعیؒ (۶۷۶ھ) اس کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

والتوبة أهم قواعد الاسلام وهی أول مقامات سالكی طريق

الآخرة (شرح صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۳۶)

ترجمہ: اور توبہ اسلام کی بنیادوں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے
اور یہ راہ سلوک کے مسافروں کا سب سے پہلا قدم ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی کے محدثین میں بھی راہ سلوک خاصی متعارف تھی اور اس پر چلنا آخرت کی ایک فکر سمجھا جاتا تھا، یہ حضرات سلوک وعرفان کے کسی طور مخالف نہ تھے۔

توبہ کی پھر کچھ شرائط ہیں اور اسکے کچھ احکام ہیں انہیں ہم انشاء اللہ العزیز آگے چل کر بیان کریں گے۔

۳۔کمال صحبت شیخ

شیخ طریقت کی خدمت میں گاہے گاہے کی حاضری یا مراسلت اس راہ میں چلنے والوں کی ضرورت ہے۔ شیخ کی بیعت راہ سلوک کے اولی الامر کی اطاعت کے طور پر ہے۔ امور مملکت کے اولی الامر علم واجتہاد کے اولی الامر اور راہ سلوک کے اولی الامر کی پیروی اور اطاعت میں کہیں باہمی ٹکراو نہ ہوگا۔ شیخ کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف میں ایک ترتیب ہوتی ہے جسے مشائخ طریقت ہی سمجھتے ہیں۔ ورد و وظیفہ گو تھوڑا ہی ہو مگر ذوق وشوق سے ہو وہ ان لمبے اذکار سے زیادہ مفید ہے جو طبیعت پر بوجھ محسوس ہوں۔

۴۔اذکار واوراد

اسلام میں بدنی اور مالی عبادات کے ساتھ زبان کی عبادت کے بھی احکام ہیں یہ اذکار واوراد ہیں۔ التحیات للہ میں تمام زبانی عبادات اللہ کیلئے بجالانے کا اقرار ہے۔ اذکار کی مختلف قسمیں ہیں جیسے سری اور جہری، انفرادی اور اجتماعی، دوضربی، سہ ضربی، چارضربی ذکر، ذکرنفسی، ذکرقلبی وغیرہ۔ پھران اذکار کے اپنے اپنے درجات اور احکام ہیں، سلطان الذکر، نفی واثبات، لطائف ستہ کو ذاکر بنانا وغیرہ اسی راہ کی منزلیں ہیں۔

۵۔مجاہدہ اور مخالفت نفس

نظر زبان اور قلب پر شریعت کے کڑے پہرے بٹھانا راہ سلوک کی ضروریات میں سے ہے۔ نفس آرام چاہے تو اسکے تقاضوں کو دبانا اور اس پر قابو پانا اس راہ کے لوازمات

ہیں۔نماز باجماعت کی پابندی، تہجد واشراق کی عادت تربیت نفس کے حالات میں سے ہیں۔

۶۔نوافل سے قرب الٰہی پانا

سالک اس راہ سے اللہ کے ہاں مقام محبوبیت پا جاتا ہے پھر ان میں ایسی سعید روحیں بھی نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں منہ مانگی مرادیں عطا فرماتے ہیں وہ اللہ کے نام پر قسم بھی کھالیں تو اللہ تعالیٰ انکی آبرو قائم رکھتا ہے۔

۷۔مراقبہ ومحاسبہ نفس

اس میں اپنے اعمال کی نگرانی کرنا ہے، اس میں سالک اپنے دن رات کے اعمال کا ایک باقاعدگی سے جائزہ لیتا ہے، اس میں اپنی اصلاح کے مراقبات بھی ہیں جو اس راہ کے سالکین کیلئے تجویز کئے گئے ہیں جیسے مراقبہ وحدانیت، مراقبہ صمدیت، مراقبہ عظمت، مراقبہ الوہیت وغیرہ انکی تفصیل آگے آئے گی۔

۸-الٰہی آیات میں فکر وتدبر کرنا

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا اور عظمت باری کے حضور اپنے کو مٹائے رکھنا، قدرت الٰہی کے حیرت انگیز مناظر کو دیکھ کر اپنی عاجزی کے احساس کو بڑھائے رکھنا اور اسکے حضور اپنے آپ کو جھکائے رکھنا۔سالک اس عمل میں کائنات کے ہر تصرف کو بلاواسطہ اللہ کی قدرت سے وابستہ کرنے کی عادت ڈالتا ہے اور اس دوران جو نور وہ اپنے دل میں محسوس کرے اسکو بلاحجاب اللہ کی تربیت سمجھتا ہے، جہاں کسی کمال کو دیکھے اسے اللہ تعالیٰ کے جمال لایزال کا جلوہ جانتا ہے یہاں تک کہ اللہ کی محبت اسکے دل میں بھڑک اٹھتی ہے۔محبت کا بیج کہاں پھوٹتا ہے اسے عقل و دانش کی خاک سے جو آیات الٰہی میں فکر کرکے عظمت الٰہی کے آگے دب چکی تھی تلاش کرے۔

آسمانی قبولیت کے دروازے کھلنے کی گھڑی

سالک جب ان اعمال کو پالیتا ہے تو اللہ کی محبت شدید اسکے دل میں جوش مارتی ہے اور اسکے انتہائی جذبہ تعظیم کے ساتھ مل کر سالک کے دل کی تہ سے سر نکالتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے بویا ہوا بیج زمین کے اندر پھوٹتا ہے اور اپنا سر نکالتا ہے اور پھر وہ وقت بھی آتا ہے کہ وہ ایک مضبوط درخت کی شکل اختیار کرلے اور اسکے پھل دور دور سے نظر آنے لگیں۔

جب سالک کے دل کی تہ سے یہ محبت کا جوش تعظیم کے ساتھ مل کر فوارہ کی طرح اچھلتا ہے تو سالک کے اپنے قوی باطنہ اس طرح گم ہونے لگتے ہیں جس طرح نمک پانی کے اندر گھلتا ہے یہ آسانی قبولیت کے دروازے کھلنے کی گھڑی آن لگی ہے۔

اعمال احسان کے لطیف اثرات

اللہ رب العزت کی شان کریمی سے ناممکن ہے کہ ان اعمال احسان پر اثر مرتب نہ ہو۔ ہم انہیں یہاں مقامات احسان سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱- مقام مشاہدہ

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللّٰہ لمع المحسنین

(پ:۲۱، العنکبوت:۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور انکے آگے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں اور اللہ اس مقام احسان میں آنے والوں کو اپنی محبت میں لے لیتا ہے۔ (یہ ان راہوں کا کھل جانا اور سالک کا انہیں دیکھ پانا یہ مشاہدہ ہے)

۲-شرح صدر

أفمن شرح اللّٰہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ

(پ:۲۳، الزمر:۲۲)

ترجمہ: سو اللہ تعالیٰ نے جس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیا وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور کی راہ پر آ لگا۔

یہ شرح صدر بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عطا ہے جسے سالک ہی محسوس کرتا ہے یہ مقام بیان میں نہیں آ سکتا۔

۳۔الٰہی ولایت

بندے کا خدا سے خالق و مخلوق کا تعلق تو شروع سے تھا جب بندہ نے ہوش سنبھالا تو اسے اللہ تعالیٰ سے عبد و معبود کا تعلق بھی ہو گیا اور بندہ عبادت کے آداب بجا لایا لیکن اعمال احسان سے بندہ خدا کی دوستی میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر بندہ خدا کی

محبت کو پالیتا ہے۔ جس طرح دنیا میں ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اللہ تعالیٰ اعلان فرماتے ہیں کہ وہ متقین کا دوست ہے۔

وان الظالمین بعضھم اولیاء بعض واللہ ولی المتقین

(پ: ۲۵، الجاثیہ: ۱۹)

ترجمہ: اور بیشک ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا دوست ہے۔

وھو یتولی الصالحین (پ: ۹، الاعراف: ۱۹٦)

ترجمہ: اور وہ بیشک دوست رکھتا ہے صالحین کو۔

ذالک بأن اللہ مولی الذین آمنوا وأن الکافرین لا مولی لھم.

(پ: ۲٦، سورہ محمد: ۱۱)

ترجمہ: یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے۔ (دوست ہے) اور یہ کہ کافروں کا کوئی دوست نہ ہوگا۔

خدا سے دوستی کا تعلق ہو یہ کوئی معمولی بات نہیں خدا کب کسی سالک کو اپنی دوستی میں جگہ دیتا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی، تاہم اس راہ میں سب سے بڑا مرتبہ خلت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل ہونے کا اعزاز دیا، حضور اکرم ﷺ نے اپنا خلیل اللہ رب العزت کو مانا اور اللہ کے بعد آپ کی یہ نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ میں چمکی۔

۴- مبشرات

اللہ تعالیٰ نے نبوت کا دروازہ بند کرنے کے بعد نبوت کی ایک کھڑکی کھلی رکھی یہ مبشرات ہیں، یہ نبوت کی کوئی نوع نہیں، اسکا ایک چھیالیسواں حصہ ہے، یہ وہ سچے خواب ہیں جو مومن کو دکھائے جاتے ہیں اور یہ آسمانی بشارتوں کی ایک راہ ہے، ان میں خدا کی حفاظت کا وعدہ نہیں خدائی حفاظت کا وعدہ کامل نبوت سے ہے جس میں نبوت کے تمام اجزاء موجود ہوں۔ سچا خواب تو صرف چھیالیسواں حصہ ہے یہ نبوت تامہ نہیں نہ اسے علی الاطلاق نبوت کہہ سکتے ہیں۔

۵- محدثیت

آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی کئی محدث ہوئے یہ وہ لوگ ہیں جو نبی تو نہیں ہوتے

لیکن خدا ان سے باتیں کرتا ہے۔ اس امت کے پہلے محدث حضرت عمر فاروقؓ ہوئے ہیں اور آپ کی متعدد موافقات ہیں جن میں آپ کی رائے کے مطابق آیات اتریں۔ محدث حضرات اونچے درجے کے صادق الظن ہوتے ہیں، روحانیت انہیں اتنا اونچا لے جاتی ہے کہ انکا گمان بھی حقیقت بنتا ہے تاہم عصمت کی ضمانت ان کو نہیں دی جاتی یہ مقام صرف نبوت کا ہے۔

۶۔ مکاشفات

سالکین کے قلوب پر الٰہی عنایات کبھی اس طرح بھی ظاہر ہوتی ہیں کہ ان سے غیب کے پردے اٹھنے لگتے ہیں، مکاشفہ پردہ اٹھنے کو کہتے ہیں۔ یہ جہان جس میں ہم رہ رہے ہیں اس سے عالم برزخ بھی پردے میں ہے، عالم آخرت بھی پردے میں ہے اور دوسروں کے دل بھی پردوں میں ہیں اور زمین کے اندر کی کاروائیاں بھی پردے میں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کا جاننے والا ہے بندہ ان میں سے کسی بات کو جان لے یہ خرق عادت کے طور پر ہوتا ہے اور یہ فعل خداوندی سے ہوتا ہے اور اسکے کئی شعبے ہیں۔

☆ فراست

یہ کشف کا ایک شعبہ ہے اس میں بغیر توجہ کے صفائی قلب کی بدولت وجدانی طور پر چھپے حقائق کا ادراک ہونے لگتا ہے صفائی قلب کے ساتھ مواظبت ذکر اور تقویٰ کا التزام ہو تو اسے یہ مقام فراست حاصل ہو جاتا ہے۔ اس امت میں یہ روحانی ارتقاء حضرت عثمان غنیؓ کو بشان اتم حاصل تھا۔

☆ کشف عالم آخرت

فرشتے عالم بالا سے تعلق رکھتے ہیں گو انکا آنا جانا اس جہاں میں بھی رہتا ہے۔ جنت اور دوزخ بھی عالم آخرت کے شعبے ہیں سالکین نے بارہا فرشتوں کو یہاں عالم بیداری میں دیکھا اور ان سے باتیں بھی کیں، حضرت مریمؑ اور حضرت خبیب بن عدیؓ نے تو اگلے جہاں کے پھل بھی یہاں چکھے۔ ہم اسکی کچھ تفصیل آگے کریں گے۔

☆ کشف صدور

یہ ایک اکتسابی عمل ہے، اس میں صفائی قلب کی بدولت دوسرے کے سینہ کی بات توجہ ڈالنے سے معلوم کر لی جاتی ہے، جس طرح ایکسرے (x-ray) سے اندر کی تصویر لی

جائے توجہ کی اس مشق سے دوسروں کے دلوں کی بات بھی کبھی منکشف ہوجاتی ہے تاہم اس میں قطعیت نہیں ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے اور آپ کو معلوم نہ ہوسکا کہ یہ فرشتے ہیں تو اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ان پر دریافت کی توجہ نہ ڈالی تھی انبیاء اس سے پرہیز کرتے رہے ہیں، یہ ایک اکتسابی عمل ہے۔ حضرت اسید بن حضیر کو ملائکہ کا کشف ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں سو بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا پتہ نہیں چلتا۔

☆ کشف قبور

آنحضرت ﷺ کا قبروں کے پاس سے گذرنا اور انکے اندر کے حالات کو پالینا احادیث میں عام ملتا ہے، اولیاء اللہ کے کشف قبور بھی اس جنس کی ایک نوع ہیں۔ انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات فضل خداوندی سے وجود میں آتی ہیں۔ غیب کی اطلاع خود پالینا کسی نبی یا ولی کے اختیار میں نہیں دیا گیا یہ ایک انعام الٰہی اور ثمرہ عمل ہے جو کسی سالک کو اعمال احسان میں آنے کے بعد ہی ملتا ہے اور وہ اس کی بعض جزئیات پالیتا ہے۔

☆ کشف امور

پیش آئے امور کو ساتھ ساتھ دور سے دیکھ لینا یہ کشف امور ہے۔ آنحضرت ﷺ سے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے غزوہ موتہ میں شہید ہونے والے حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے پردے اٹھے اور آپ نے اسکی اپنے پاس موجود صحابہ کرام کو خبر دی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس امت کے محدث حضرت عمر فاروقؓ نے دور سے اپنے جرنیل ساریہ کو دیکھا اور اسے صحیح پوزیشن لینے کی ہدایت فرمائی۔ جنگ میں اختیار کئے جانے والے نقشے کس طرح آپ کو پہلے دکھادئے جاتے یہ اسکی تفصیل کا موقع نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسا جو بھی فضل خداوندی سے ہوتا ہے، آپ اسکے لیے کوئی توجہ نہ باندھتے تھے۔ اور نماز میں تو آپ کی توجہ ہمہ تن خدا پر بندھی ہوتی تھی۔

۷- کرامات

کرامت ایک ایسی عزت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی راہ کے سالکین کو انکے کسی عمل پر خوش ہوکر عطا فرماتے ہیں۔ معجزہ نبی کو بطور ایک اعزاز کے نہیں بطور ایک نشان کے دیا جاتا

ہے اور اسکی ایک سرکاری حیثیت ہوتی ہے۔ نبی اپنی بات کو تحدی سے کہتا ہے، اس میں ایک دعوی ہوتا ہے، معجزات سے اس دعوی کی تصدیق مطلوب ہوتی ہے اور اس میں دوسروں کے عاجز ہونے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ نبی نبوت کا مدعی ہوتا ہے مگر ولی ولایت کا مدعی نہیں ہوتا۔ سو اسکے ہاتھ پر جو خرق امور ہو وہ ایک الٰہی کرامت ہے اس میں اسکا کوئی دعوی لپٹا نہیں ہوتا۔

نوٹ: کرامت اور استدراج میں فرق کرنا ضروری ہے۔ استدراج ایک اکتسابی عمل ہے جو مشق سے حاصل ہو جاتا ہے۔ استدراج میں توجہ ڈالی جاتی ہے، یہ درجہ بدرجہ آگے بڑھتا ہے اور یہ ایک امر باطل ہے۔ اسی طرح معجزہ اور جادو میں بھی فرق ہے۔ معجزہ میں نبی کی توجہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا نہ وہ کوئی توجہ باندھتا ہے اور نہ یہ بات درجہ بدرجہ آتی ہے بخلاف جادو کے کہ اس میں جادوگر کی توجہ اور مشق کو سب دخل ہوتا ہے، معجزہ میں حقیقت بدلتی ہے جادو میں حقیقت نہیں بدلتی اس میں انسانوں کی قوت متخیلہ اور انکے حالات سے کھیلا جاتا ہے۔

۸- تصرفات

اللہ تعالٰی نے انسانوں اور جنات کو کائنات میں کسی درجے میں تصرف کرنے کا موقع دیا ہے، جب کوئی شخص یہاں کوئی اچھا یا برا تصرف کرتا ہے تو اللہ تعالٰی اسکے مطابق اس عمل کو تخلیق بخش دیتے ہیں۔ وہ عمل اچھا ہو یا برا یہ اسی کا اکتساب ہے جو وہ یہ عمل کر رہا ہے البتہ یہ اسکی تخلیق نہیں تخلیق خدا کی طرف سے وقوع میں آتی ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔

ذالکم اللّٰہ ربکم خالق کل شیء لا الہ الا ھو

(پ:۲۴، المومن:۶۲)

قرآن کریم نے جادوگروں کے تصرف کا اس آیت میں پتہ دیا ہے:۔

فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللّٰہ. (پ:۱، البقرۃ:۱۰۲)

ترجمہ: سو وہ سیکھتے ہیں ان دونوں سے جس سے تفرقہ ڈالتے ہیں مرد میں اور اسکی بیوی میں اور نہیں وہ کسی کو ضرر دینے والے مگر یہ کہ یہ سب اذن الٰہی سے ہوتا ہے۔

یہاں صریح طور پر اسکی خبر دی گئی ہے کہ جادوگر اس درجے میں تصرف کر سکتے ہیں کہ مرد و عورت میں تفرقہ ڈال دیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کو عزت دیتے ہیں کہ سل تعط (مانگ تجھے دیا جائے گا)، شفاعت کرو قبول کی جائے گی تو بندے کبھی خدا کے نام پر قسم بھی کھا سکتے ہیں اور وہ جانتے ہیں خدا انکی عزت رکھے گا اور انکی اس عاجزانہ پکار کو سنے گا۔ یہ دوسروں کی نظر میں تو بندے کا تصرف ہے لیکن حقیقت میں یہ عمل تخلیق خداوندی سے ہی وجود پاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل أن یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی ااشکر ام اکفر (پ:۱۹، النمل:۴۰)

ترجمہ: کہا اس شخص نے جسے علم کتاب حاصل تھا میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں پیشتر اسکے کہ آپ کی آنکھ جھپکے، سو آپ نے اسی وقت اسے (اس تخت کو) اپنے پاس ٹھہرے پایا اور اس نے کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہوا وہ مجھے آزماتا ہے کہ میں اسکا شکر بجالاتا ہوں یا اسکے انکار کے درپے ہوتا ہوں۔

اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اور جنات کو بھی اس دنیا میں کسی حد تک تصرف کی قوت دی ہے مگر وہ کسی عمل کو وجود میں نہیں لا سکتے۔ ہمارے ہر عمل کا خالق ایک اللہ ہے۔ واللہ خلقکم وما تعملون (پ:۲۳، الصافات:۹۶)

یہ آٹھ اعمال احسان ہیں اور انکے آٹھ ثمرات ہیں، یہ انکا ایک اجمالی نقشہ ہے۔ اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان سولہ عنوانوں پر ترتیب وار گفتگو کریں گے ان مختلف منازل میں سالک کی روح مختلف حالات سے گذرتی ہے۔ اسکے بعد ہم انشاء اللہ روح کے چند دلآویز نقشے بھی آپ کے سامنے رکھیں گے اس سے اعمال احسان کے روحانی ثمرات کو سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔

واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضیٰ بہ

(۱) اخلاص نیت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

اس دنیا میں نیت ہی ہے جو کسی عمل کا باعث ہوتی ہے اور عمل کی حرکت کسی حاجت پر ہی اٹھتی ہے۔ اسکے تین درجے ہیں (۱) اسے کسی چیز کا علم ہو، (۲) اسے اسکی خواہش ہو، (۳) اسکے حاصل کرنے پر اسے قدرت ہو۔

کھانا ایک عمل اور حرکت ہے، (۱) کھانے کو دیکھے یا اسے بتا دیا گیا ہو، (۲) اسے بھوک بھی ہو، (۳) کھانے پر اسے قدرت ہو ہاتھ ناکارہ نہ ہوں۔ یہ تین حالتیں ہر حرکت کے آگے آگے ہوتی ہیں پھر وہ حرکت عمل میں آتی ہے۔

حرکت قدرت کے تابع ہے اور قدرت ارادہ کے، جب تک انسان کسی عمل کا ارادہ نہ کرے وہ کیسے اس کی حرکت پر آئے گا سو یہ ارادہ ہی اس کام کی نیت ہے۔

اسلام میں نیت کا درجہ خود عمل سے بھی زیادہ ہے۔ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:۔

نية المؤمن خير من عمله

ترجمہ: مومن کی نیت اسکے عمل سے بھی زیادہ اچھائی رکھتی ہے۔

عمل بلانیت کے عبادت نہیں بنتا اور نیت بلا عمل کے بھی عبادت بن جاتی ہے، تاہم یہ صحیح ہے کہ نیت سے قانون نہیں بدل جاتا۔ اگر کسی نے مسجد یا مدرسہ بنانے کی نیت کی یہ نیت بیشک خیر ہے مگر اسکے لیے وہ حرام مال لگانا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ اچھی نیت سے مال حرام حلال نہ ہو سکے گا۔ مومن کا دل خوش کرنے کی نیت ایک نیکی ہے لیکن اگر کوئی شخص جھوٹا خواب بنا کر اسے خوش کرے تو یہ حسن نیت جھوٹ کو حلال نہیں کر سکے گا ہاں کوئی خطرہ لگتا

نظر آ رہا ہو تو اس سے بچنے کے لیے (مثلاً خاوند بیوی کی مصالحت کے لیے) کسی قدر غلط بیانی کی اجازت ہے اور یہ جھوٹ کو حلال کرنا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص حج کی راہ میں تجارت کر لے تو اسکا حج ضائع نہ ہوگا اگرچہ وہ شخص اخلاص نیت پر نہ رہا۔

نیت کی اہمیت

بعض صورتوں میں نیت بدلنے سے مسئلے کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ ایک شخص کسی ہاشمی کو مال زکوۃ دیتا ہے وہ نہیں لیتا، وہ یہ مال کسی دوسرے شخص کو دے دیتا ہے وہ دوسرا شخص اب اپنے کو اس مال کا مالک سمجھتا ہے اور وہ مال اس ہاشمی کو بہ نیت ہدیہ دیتا ہے، اب اسکے لیے یہی مال جائز ہوگا صورت بدلنے سے مسئلے کا حکم بدل گیا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عمل نیت پر سبقت لے جاتا ہے۔ ایک شخص طلاق کی نیت کئے بغیر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نیت مذاق کی تھی مگر طلاق واقع ہو جائے گی بخلاف ایک پاگل کے جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور اسکی سرے سے کوئی نیت ہی نہیں تھی اسکا دل نیت کا محل ہی نہیں ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ وہ صاحب نیت تھا گو نیت اسکی مذاق کی تھی طلاق کی نہ تھی۔

حقیقت اخلاص

جب کوئی شخص عمل کرتا ہے تو لازماً اسکے پیچھے اسکا کوئی نہ کوئی تقاضا ہوتا ہے، یہ تقاضا اسکی نیت اور ارادہ ہے۔ اگر تقاضا ایک ہو تو یہ اخلاص ہے یہ اپنی نیت کو اس ایک کام کیلئے خالص کرنا ہے اور اگر وہ کسی اور تقاضے کو بھی ساتھ ملا لے گو وہ تقاضا فی نفسہ ناجائز نہ ہو تو اخلاص نیت نہ رہے گا مثلاً مومن روزہ اسلئے رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رضاء اور خوشی حاصل ہو ساتھ ہی اسکی نیت یہ ہو کہ کم کھانے سے اسکی صحت درست ہوگی تو اب روزے میں اخلاص نیت اسکے شامل حال نہ رہا، اللہ کی رضا کیلئے خالص عمل وہی ہے جس میں اپنی ذات کا کچھ فائدہ مدنظر نہ ہو (یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر انعامات عطا فرما دیں) اور اگر نیت میں ریا اور دکھاوے کا دخل ہو گیا تو عمل کا مقبول ہونا درکنار یہ الٹا سبب عذاب ہوگا۔

آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضور اخلاص کیا ہے آپ نے فرمایا:۔

أن تقول ربی اللہ ثم استقم کما أمرت

(کیمیائے سعادت ص: ۴۷۰، للامام غزالیؒ اردو ترجمہ)

ترجمہ: تو کہہ کہ میرا پالنے والا اللہ ہے پھر اس پر استقامت دکھا جیسا کہ تو حکم دیا گیا ہے۔

وہ حکم کہاں دیا گیا ہے؟ قرآن کریم میں یہ حکم آپ کو دیا گیا ہے:۔

فاستقم کما أمرت ومن تاب معک ولاتطغوا

(پ:۱۲، سورہ ھود:۱۱۲)

ترجمہ: آپ استقامت دکھائیں جیسا کہ آپ کو کہا گیا ہے اور جو آپ کے ساتھ توبہ پا گئے اور تم کبھی سرکشی نہ کرنا۔

اس حکم کی اطاعت کرنے والوں کیلئے یہ بشارت سنائی گئی ہے:۔

ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون

(پ:۲۴، حم سجدہ:۳۰)

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر استقامت سے رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور جنت کی بشارت لو جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔

یہ اولیاء کرام کا طبقہ ہے اور قرآن کریم نے ان کے حال پر یہ نص کی ہے:۔

ألا ان أولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون

(پ:۱۱، سورہ یونس:۶۲)

ترجمہ: خبردار! بیشک اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہیں اترتا اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

عبادت میں اخلاص کی ضرورت

عبادت میں اخلاص نیت فرض ہے طریقت اور سلوک میں قدم قدم پر اس استقامت کی ضرورت ہے۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

اس میں شک نہیں کہ صفات بشریت اور اغراض سے ایک کام کو صاف و خالص اور علیحدہ کرنا ایسا مشکل ہے جیسے گوبر اور خون سے دودھ کا

نکالنا۔ (کیمیائے سعادت ص: ۴۷۰)
دودھ خالص بھی رہے اور گوبر اور خون کے درمیان سے بھی ہو کر نکلے یہ فضل خداوندی سے ہی ہوسکتا ہے۔

ان لکم فی الأنعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین (پ:۱۴، النحل:۶۶)

ترجمہ: بیشک تمہارے لیے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے ساتھ ساتھ صاف اور پینے والوں کیلئے خالص دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں۔

یہاں لفظ خالص سے مراد یہ ہے کہ گوبر اور خون کی کوئی آلائش اس میں نہ آنے پائے۔ امام غزالیؒ یہاں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ سالک جب اس راہ میں نکلے تو اسکی عبادت ایسی خالص ہو کہ صفات بشریت اور اسکی حاجت مندی اسے اخلاص نیت سے محروم نہ کرسکے، اللہ کی راہ میں جو نکلے اسی جذبے سے نکلے عبادت میں جب تک ہر طرح کی آلائش سے خلوص اور پاکی نہ ہو عبادت عبادت نہیں رہتی۔

وما أمروا الا لیعبدوا اللّٰه مخلصین له الدین (پ:۳۰، البینہ)

ترجمہ: اور وہ نہ دئے گئے حکم مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی اس طرح کہ دین کو اسی کیلئے خالص رکھیں۔

فاعبد اللّٰه مخلصا له الدین الا للّٰه الدین الخالص

(پ:۲۳، الزمر:۲)

پھر فرمایا:۔

قل انی أمرت أن أعبد اللّٰه مخلصا له الدین (ایضاً:۱۱)

قل اللّٰه أعبد مخلصا له دینی (ایضاً،۱۴)

اس مقام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے یک رخا (کہ قصد اور نیت اسی ایک کی ہو) ہونے سے تعبیر کرتے ہیں:۔

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما أنا من المشرکین (پ:۷، الانعام:۷۹)

ترجمہ: میں نے پھیرلیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان
اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔
پھر سب انواع عبادت پر ایک جامع حکم لگایا:۔

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین لاشریک له وبذالک امرت وانا اول المسلمین.

(پ:۸، الانعام:۱۶۴)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کیلئے ہی ہیں، اسکا کوئی شریک نہیں مجھے اسی راہ پر رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے ماننے میں میں سب سے آگے ہوں۔

پھر انبیاء کرام کے ذکر میں فرمایا:۔

انا أخلصنٰهم بخالصة ذکری الدار (پ:۲۳، ص:۴۶)

ترجمہ: ہم نے انکو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا وہ یاد آخرت کی ہے۔

ان تمام مقامات پر اخلاص نیت شامل حال رہے اور نیت وہی عمدہ ہے جس پر اخلاص کا سایہ پڑا ہو۔ مولانا دریا آبادی غالبا حضرت تھانوی سے یہی نقل کرتے ہیں:۔

صوفیہ محققین نے لکھا ہے کہ سلوک وتصوف سے مقصود تمام تر رضائے الٰہی ہی رکھنا چاہیے نہ کہ تفاخر اور حصول مراتب ودرجات عالیہ

(تفسیر ماجدی ص:۱۰۸۲)

مجلسی طور پر شیخ یا کوئی بزرگ کوئی ایسی وضع اختیار نہ کرے کہ شیخ اس تفاخر اور اس مرتبہ امتیاز کا حریص دکھلائی دے وہ خواہش کرے کہ میرے آنے پر سب مریدین کھڑے ہوکر میرا استقبال کریں۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے بھی ایک کام اپنے ذمہ لے لیا صحابہ نے اسے آپ کے مرتبہ کے خلاف جانا آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ولکن اکره أن أتمیز علیکم فان اللّٰہ یکره من عبده أن یراه

متمیزا بین أصحابه

(الطبقات السنیہ ج:۱،ص:۵۷ تقی الدین بن عبدالقادر التمیمی)

ترجمہ: میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں تم میں ممتاز ہوکر رہوں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے اس طریق کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں میں امتیاز رکھتا دکھائی دے۔

صحابہ کو آنحضرت ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا لیکن وہ آپ کے استقبال کیلئے کھڑے نہ ہوتے تھے وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں:۔

لم یکن شخص احب الیهم من رسول الله ﷺ وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیته لذالک

(جامع ترمذی ج:۲،ص:۱۰۰ وقال ھذا حدیث حسن صحیح)

سالک اللہ کی یاد جس حال میں بھی کرے، وہ شیخ ہو یا مرید اخلاص نیت ہر وقت اور عمل کی ہر حرکت میں اس کے ساتھ رہنا چاہیے۔

(۲) توبہ

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد!

انسان پیدائشی طور پر گناہ گار نہیں، گناہ جب اس نے خود کمائے ہیں تو چاہیے کہ وہ انہیں اتار بھی سکے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے ممنوعہ درخت کے قریب جانے کی خطاء ہوئی تو انہوں نے وہیں توبہ کے آنسوؤں سے اپنی خطاء دھولی، اب انکی جو اولاد بھی ہوگی وہ فطرت پر ہوگی وہ زمین پر اپنے باپ کا گناہ لے کر نہیں آئے۔

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذالک الدین القیم (پ:۲۱،الروم:۳۰)

ترجمہ: سو آپ دین میں اپنا رخ ایک طرف ہی رکھیں یہی تراش اللہ کی ہے جس پر اس نے تراشا لوگوں کو، بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوؤں کو یہی دین قیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی تراش دین فطرت پر فرمائی آگے بچوں پر انکے والدین اثر انداز ہوتے ہیں اور وہ انہی نظریات کا ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ان گناہوں پر پیدا نہ فرمایا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ أو ینصرانہ أو یمجسانہ... ثم یقول فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا

(متفق علیہ مشکوۃ ص:۲۱)

ترجمہ: کوئی پیدا ہونے والا نہیں مگر یہ کہ وہ پیدا ہوا فطرت پر، یہ اسکے

ماں باپ ہیں جو اسے یہودی بناتے ہیں یا عیسائی یا مجوسی پھر اس پر آپ نے یہ آیت پڑھی فطرة اللّٰه التی فطر الناس علیها.

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ اس آیت پر لکھتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور بداءِ فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اسکے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گرد و پیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصل طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار کر کے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو ''عہدِ الست'' کے قصہ میں اسی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرۃً اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعدہٗ ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو حنفاء پیدا کیا پھر شیاطین نے اغواء کر کے انہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔ بہرحال دین حق دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اسکی فطرت پر مخلی الطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسی کی طرف جھکے۔ تمام انسانوں کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ (فوائد القرآن ص:۵۴۲)

جب انسان پیدائشی طور پر گنہ گار نہیں تو اگر یہاں وہ ماں باپ کے زیر اثر یا حالات و ماحول کے زیر اثر کوئی اعتقادی یا عملی گناہ کر پائے تو اس پر لازم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ کی راہ اختیار کرے اپنے گناہ کسی دوسرے کے ذمہ نہ لگائے نہ اسکے بدلے کسی کی موت کا عقیدہ رکھے، نیت خالص کرے اور سیدھے راستہ کی طرف آجائے۔

اخلاص نیت کے بعد توبہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ جس میں وہ بگڑا تھا اس بگاڑ کی اصلاح کرے، اس برے عقیدے یا عمل کو بالکل چھوڑ دے۔ اس اصلاح کے بعد وہ اسے برسر عام بیان کرے تا کہ اسکے زیر اثر اگر یہ برائی کسی اور جگہ پہنچی ہو تو وہاں سے بھی یہ برائی زائل ہو جائے اب وہ اس لعنت سے نکل جائیگا جس نے اسکی فطرت کو بگاڑا تھا۔ قرآن کریم میں ان تین باتوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

الا الذین تابوا وأصلحوا وبینوا فاولٓئک أتوب علیهم وأنا التواب الرحیم (پ:۲، البقرہ:۱۶۰)

ترجمہ: مگر وہ لوگ اس لعنت سے نکل گئے جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے بگاڑ کو اور اسے بیان بھی کر دیا تو میں انکو معاف کر دیتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان۔

الا الذين تابوا وأصلحوا واعتصموا بالله وأخلصوا دينهم لله فاولٓئک مع المومنين (پ:۵،النساء:۱۴۶)

ترجمہ: مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم بردار ہوئے اللہ کے سووہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ۔

یہاں تیسری بات اعتصام باللہ اور اخلاص للہ فرمائی اسے مقام توبہ میں قدم جمانا اور توبہ میں رسوخ پانا بھی کہہ سکتے ہیں۔

محدثین کے ہاں توبہ کی شرطیں:۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں توبہ پر محدثین کا نقطۂ نظر بھی واضح کر دیں۔ محدثین نے توبہ کیلئے یہ شرط رکھی ہے کہ نزع سے پہلے پہلے کی جائے، جب اگلے جہاں کے پردے اٹھنے لگیں تو توبہ قبول ہونے کا وقت باقی نہیں رہتا۔ حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

قال أصحابنا وغيره من العلماء للتوبة ثلث شروط (۱)ان يقلع عن المعصية، (۲) وان يندم على فعلها، (۳) وان يعزم عزما جازما ان لا يعود الى مثلها فان كانت المعصية تتعلق بآدمى فلها شرط رابع (۴) وهو رد الظلامة الى صاحبها أو تحصيل البراءة منه.

ترجمہ: علماء کہتے ہیں کہ توبہ کی تین شرطیں ہیں (۱)اس معصیت سے کنارہ کشی کرے، (۲)اپنے اس فعل پر ندامت محسوس کرے، (۳)پختہ عہد کرے کہ آئندہ ایسا کوئی گناہ نہ کرے گا۔ اگر یہ گناہ کسی آدمی کے باعث ہے تو اسکے لیے چوتھی شرط بھی ہے کہ (۴)اسکی ظلمت اسی کو لوٹائے اور اس سے اظہار بیزاری کرے (اس سے لاتعلق ہوجائے۔)

توبہ کی آخری گھڑی:۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:۔

قد جاء فی الحدیث الصحیح ان للتوبة بابا مفتوحا فلا تزال مقبولة حتی یغلق فاذا طلعت الشمس من مغربها اغلق وامتنعت التوبة علی من لم یکن تاب قبل ذلک وهو معنی قوله تعالٰی یوم یاتی بعض آیات ربک لاینفع نفسا ایمانها لم تکن آمنت من قبل أوکسبت فی ایمانها خیرا ومعنی تاب اللّٰه علیه قبل توبته ورضی لها وللتوبه شرط آخر وهو ان یتوب قبل الغرغرة .. وهی حالة النزع (شرح صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۴۶)

ترجمہ: حدیث صحیح میں آیا ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور وہ قبولیت پاتی ہے یہاں تک کہ اسکا دروازہ بند ہوجائے، جب سورج مغرب سے نکلے گا یہ دروازہ بند ہوجائے گا اور جس نے اس سے پہلے توبہ نہ کی ہو اسے توبہ کی توفیق نہ رہے گی اور یہی مراد ہے اللہ کے اس فرمان میں: جس دن تیرے رب کی بعض آیات ظاہر ہونگی کسی کو جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی خیر نہ کمائی ایمان لانا نفع نہ دے سکے گا اور تاب اللہ علیہ کا معنی ہے اسکی توبہ قبول کی گئی اور اللہ اس سے راضی ہوگیا اور توبہ کی ایک اور شرط بھی ہے کہ وہ غرغرہ (حالت نزع) سے پہلے توبہ کرے۔

ہم یہ بتا رہے تھے کہ توبہ کیلئے استقامت اور ثبات بہت ضروری ہے۔ تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں:۔

پہلے پہل جو چیز لازم اور ضروری ہے مقام توبہ میں قدم جمانا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ اولاً اس طریق کے طالب کو چاہیے کہ تمام منہیات شرعیہ کو خواہ از قبیل اعتقادیات ہوں خواہ از افعال واقوال، پھر خواہ از قبیل اخلاق و ملکات ہوں خواہ عبادات میں افراط وتفریط کے قبیل سے ہوں ان سب کو کتاب وسنت سے تنقیح وتفتیش کرے اگر خود کتاب وسنت کا عالم ہے

تب تو بات بنی بنائی ہے ورنہ علماء و محدثین سے استفسار کرے (اور انکی پیروی کرے)۔

اپنی کمال عاجزی اور اس بے نیاز مطلق کی طرف اپنی نہایت محتاجی کو اپنی نظر بصیرت کے سامنے بار بار پیش کرے اور تنہائی میں بیٹھ کر اپنے دل میں ملاحظہ کرے کہ ایسے منعم حقیقی اور بے نیاز تحقیقی کی ناخوشی اور ناراضی میرے جیسے عاجز اور بے مقدار کے حق میں جو سر سے پاؤں تک حاجت ہی حاجت ہے کس قدر قبیح اور نازیبا ہے اور اس معنی کو اپنے ذہن میں اس طرح مستحکم کرے کہ اس منعم حقیقی کی ناراضگی کا ایک امر عظیم اور خطرناک ہونا اسکے ذہن میں قرار پکڑ جائے یہاں تک کہ اگر اسکی ناخوشی کے واقع ہونے کا تصور کرے تو اسکے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ تمسک

بعد ازاں قرآن مجید فرقان حمید کی عظمت کا تصور کرے اور صمیم قلب سے ملاحظہ کرے کہ یہ ایک صفت ہے صفات ازلیہ ربانیہ سے جس کو عالم امکان کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہ تھی مگر حضرت حق جل وعلا نے محض اپنی عنایت بے غایت سے اپنے وصف ازلی اور کمال ذاتی کو زبان عربی میں نازل فرما کر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا ہے۔ جیسے ایک بادشاہ عظیم القدر اپنی دستار لے کر اسکا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اور اسکی دوسری جانب ایک فقیر مفلس اور عاجز بے مایہ کے ہاتھ میں دے دے جو التفات بادشاہانہ کی ہرگز لیاقت نہیں رکھتا اور اسے حکم دے کہ جب کبھی تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو اس دستار کو ہلا کر اس ذریعہ سے مجھے اپنی حالت جتلا دینا کہ ہم فوراً تیری طرف متوجہ ہو کر تیرے حال زار پر اپنی عنایت کو مصروف کر دیں گے۔

اس کلام پاک کی عظمت اسکے ذہن میں اس حد تک مستحکم ہو جائے کہ جب قرآن مجید کی طرف نظر کرے اور اس کلام پاک کا تعلق مصحف کے ساتھ ملاحظہ کرے تو اسکی آنکھ مصحف کی طرف نظر کرنے سے خیرہ ہو جائے اور اسکا سینہ اس کلام کی عظمت سے پاش پاش ہو جائے۔

اب چاہیے کہ توبہ کا عزم مصمم کرے اور اسکا طریق یہ ہے کہ ایام متبرکہ میں سے کوئی دن اختیار کر کے قرآن مجید کو اپنے ہمراہ لے کر ایک خالی مکان میں داخل ہو جائے اور بارگاہ رب العالمین میں نیاز بے انداز اور الحاح بے قیاس بجالا کے کہے کہ اے خدایا! میں ہر

طرح سے عاجز ہوں اور تو ہر چیز پر قادر ہے، توبہ جو راہ نبوت کا پہلا قدم ہے مجھے عنایت فرما۔

اس طالب کو لازم ہے کہ ایک مناسبت قوی اور خصوصیت زائد بہ نسبت قرآن مجید کے اپنے دل میں مستحکم کرے مثل مناسبت طالب کی اپنے شیخ سے مثلاً جو شخص کہ طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کرتا ہے ضرور اسکو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی جناب میں ایک اعتقاد عظیم حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی عظمت کے اس اعتقاد سے اسے ایک اور ہی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے۔

شیخ کے ہاتھ پر بیعت اسی بیعت کی ایک فرع ہے۔

سالک کی اصل بیعت اور فدائیت تو اسی چشمہ نور سے ہے جو اللہ کے کلام لم یزل اور سنت کی راہ بے بدل کی صورت میں چمکا تاہم کتاب وسنت کا یہ نور پہلے جن بزرگوں پر اترا ہو یہ طالب راہ نبوت اب ان میں کسی شیخ کے ہاتھ پر اپنی توبہ ظاہر کرے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ یہ بتلانے کے بعد کہ خدا اور طالب راہ نبوت کے درمیان واسطہ ربط قرآن مجید ہے، فرماتے ہیں:۔

بعد ازاں اسی توبہ کو کسی شیخ کے ہاتھ پر جو اتباع کتاب وسنت اور اجتناب بدعت میں اس زمانہ میں اپنے امثال واقران میں ممتاز ہو ظاہر کرے پس قرآن مجید کو اپنا شیخ حقیقی جانے اور اس بزرگ کو اپنا شیخ ظاہری پس ضرور ہے کہ اس صورت میں وہ اتباع قرآن کو اصل جانے گا اور اس شیخ کی اتباع کو اسکی فرع اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جب اصل وفرع آپس میں متعارض ہوتے ہیں اس وقت فرع درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے۔

یہ ہے تصویر مقام توبہ کی، اس وجہ سے جو اس طریق کے مناسب ہے اور اس طرز پر عقد توبہ کرنے میں فوائد عظیمہ اور منافع جلیلہ ہیں اور عمدہ منافع ان سے توبہ میں استقامت حاصل ہونا ہے۔ (صراط مستقیم ص: ۲۱۸)

یہ بیعت سلوک کی بات ہو رہی ہے اور بیعت سلوک کی کئی منزلیں ہیں۔ توبہ کی بیعت کسی کے ہاتھ پر بھی کی جاسکتی ہے دوسری بیعت سلوک ہے یہ راہ طریقت کے مسافروں کا دوسرا قدم ہے۔ طالب راہ نبوت بیعت توبہ پر جب قدم جمالے تو آگے وہ سلوک کی وادی میں جا قدم نکالتا ہے، بیعت سلوک ہر کسی کے ہاتھ پر نہیں یہ انہی کاملین کے ہاتھ پر ہوتی ہے جو خود دل کی صفائی پائے ہوئے ہیں اور اس راہ سے خدمت کی اجازت پائے ہوئے ہوں۔

(۴) کمال صحبت شیخ

سالک ایک ہی دفعہ سلوک کی ساری راہوں پر عبور نہیں پاتا، یہ نبوت نہیں جو ایک دفعہ ساری مل جائے، سلوک میں تدریج ہے سو سالک ہر راہ اور ہر موڑ پر شیخ سے رہنمائی پاتا ہے۔ وہ صحبت شیخ کا اتنا ہی محتاج ہے جتنی کوئی کار کو کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو ڈرائیور کی محتاج ہوتی ہے پھر جب ڈرائیور کسی سالک کو خود ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھادے تو بھی وہ اسکی پوری نگرانی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ تقویٰ وطہارت اور عزم واستقامت میں مسند (خلافت) لے لے۔

سالک جتنا شیخ کے قریب رہے گا اور اس سے جتنے قرب کے مواقع پائے گا اسے اتنا ہی کمالات شیخ سے حصہ ملے گا۔ یہ کمال صحبت شیخ ہے جو بعض دفعہ سالوں کی منزل دنوں میں طے کرادیتا ہے اور بعض سالک صدیق فطرت ہوتے ہیں جو ایک ہی دفعہ صحبت شیخ میں ایسے رنگین ہوئے کہ انکی نگاہ اپنی نگاہ نہ رہی بلکہ انہوں نے دنیا کی جس چیز کو دیکھا شیخ کی نظر سے دیکھا پھر جب قرب الٰہی کی دولت پائی تو انہوں نے یہ ثمرہ سلوک دیکھا کہ انکی نظر ہمہ تن خدا کی نظر تھی، بس ادھر ہی اٹھتی جدھر اسے طاعت الٰہی کا مقناطیسی جذب ملے۔

اس راہ کے مسافروں کو کمال صحبت شیخ سے جو فیض ملتا ہے اپنی دن رات کی جانفشانیوں سے بھی نہیں ملتا۔

به مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر را نبود زراہ و رسم منزلہا

مرید یہ نہ سمجھے کہ شیخ اسے ہر وقت انوار الٰہی میں مستغرق ملے گا وہ اسکی صحبت اور مجلس کو لازم پکڑے رہے تا وقت اسے وہ ساعتیں بھی مل جائیں جن میں شیخ اسے انوار الٰہی میں سرشار ملے۔ اولیائے کرام پر جب یہ گھڑی وارد ہو تو یہ لمحات قرب الٰہی اسے سینکڑوں سال کی عبادت سے بھی آگے نظر آئیں گے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضور اکرم ﷺ پر بھی کبھی وہ گھڑی آتی تھی جس میں کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل بھی آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں رسائی نہ پاسکتا تھا۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل او کما قال ﷺ. (مرقات ج:۱،ص:۵۷)

(۴) ذکر اللہ

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد!

قرآن کریم میں لفظ ذکر کئی معنوں میں آیا ہے۔ قرآن کریم کو بھی ذکر کہا گیا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون، تورات کو بھی ذکر کہا گیا ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر... الایۃ، یہ لفظ علم کیلئے بھی آیا ہے اہل علم کو فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون میں اہل ذکر کہا گیا ہے، تاریخی یاد کیلئے بھی یہ لفظ وارد ہے ذکر رحمة ربک عبده زکریا ... هذا ذکر من معی وذکر من قبلی، نصیحت کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے ان هو الا ذکر للعالمین، الم یأن للذین آمنوا أن تخشع قلوبهم لذکر اللّٰہ یہاں ذکر سے مراد زبانی عبادت کے طور پر اللہ کی یاد ہے، اسی طرح خدا کی یاد کرنے والوں کو قرآن کریم میں والذاکرین اللّٰہ کثیرا والذاکرات (پ:۲۲، الاحزاب: ۳۵) کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

نہایت افسوس کہ اس طرح ذکر کرنے کو بعض لوگ صرف صوفیہ کرام کی ایجاد بتلاتے ہیں اور اسے بدعت تک کہہ دیتے ہیں، یہ غلط ہے ہم ذیل میں قرآن کریم کی چند وہ آیات پیش کرتے ہیں جو اس طرح کے ذکر کی نشاندہی کرتی ہیں۔

یا أیها الذین آمنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللّٰہ کثیرا

(پ:۱۰، الانفال: ۲۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی فوج سے بھڑو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو۔

یا ایھاالذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا (پ:۲۲،الاحزاب:۴۱)
ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کو یاد کرو بہت زیادہ یاد۔
فاذکروا اللہ عند المسجد الحرام واذکروہ کما ھداکم (پ:۲،البقرۃ:۱۹۱)
ترجمہ: پس یاد کرو اللہ کو مشعر حرام کے نزدیک اور اسکو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں راہ دکھائی۔
الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ (پ:۱۳،الرعد:۲۸)
ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں انکے دل اللہ کے ذکر سے۔
ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ (پ:۲۳،الزمر:۲۳)
ترجمہ: پھر نرم ہوتی ہیں انکی کھالیں اور انکے دل اللہ کے ذکر پر۔

اللہ کی یاد سے انکے پورے بدن پر ایک رقت طاری ہوتی ہے اور انکے دل بہت نرم پڑ جاتے ہیں یہ اس ذکر کے آثار ہیں جو سالک کر رہا ہے۔

اب ہم یہاں چند احادیث بھی درج کئے دیتے ہیں جن میں پاک کلمات کا ذکر اس پیرایۂ ذکر میں ہے جو ہمیشہ سے مسلمان زبانی عبادت کے طور پر کرتے چلے آرہے ہیں، یہی وہ ذکر ہے جو قلیل اور کثیر کی تقسیم بھی پاتا ہے اور اسی پیرایہ میں پاک کلمات گنتی سے زبان پر لائے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرۃؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔
لا یقعد قوم یذکرون اللہ عزوجل الا حفتھم الملٰئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکر ھم اللہ فیمن عندہ (صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۴۵)
ترجمہ: کوئی لوگ اللہ عزوجل کے ذکر میں نہیں بیٹھتے مگر یہ کہ فرشتے ان پر چھا جاتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ان پر سکینہ اترتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان میں یاد کرتے ہیں جو اسکے ہاں ہوں (جیسے فرشتے)۔

۲۔ حضرت مصعب بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میرے والد نے آنحضرت ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے:۔

ایعجز احدکم أن یکسب کل یوم ألف حسنة فسأله سائل من جلسائه کیف یکسب احدنا ألف حسنة قال یسبح مائة تسبیحة فتکتب له ألف حسنة وتحط عنه ألف خطیئة
(صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۴۵)

ترجمہ: کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر روز ہزار نیکیاں کماؤ، ایک سائل نے پوچھا حضور! ہم میں سے کوئی کس طرح ہزار نیکیاں بنا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ سو دفعہ سبحان اللہ کہے اسکے لیے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس سے ہزار خطائیں اتار دی جائیں گی۔

۳۔ حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ:۔

ان رسول اللہ ﷺ خرج علی حلقة من اصحابه فقال ما اجلسکم قالوا جلسنا نذکر اللہ ونحمده علی ما هدانا للاسلام ومنّ به علینا قال واللہ ما اجلسکم الا ذاک قال اما انی لم أستحلفکم تهمة لکم ولکنه اتانی جبرئیل فأخبرنی أن اللہ عزوجل یباهی بکم الملئکة (صحیح مسلم ج:۲،ص:۳۴۶)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ صحابہ کے پاس سے گذرے جہاں وہ حلقہ لگائے بیٹھے تھے، آپ نے ان سے پوچھا یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اسکی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت دی اور اسکا احسان فرمایا، آپ نے فرمایا بخدا کیا تم اسی لئے یہاں بیٹھے ہو اور میں نے تمہیں قسم اس لئے نہیں دی کہ تم پر کوئی شک تھا بلکہ اسلئے کہ ابھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں تم پر فخر کر رہے ہیں۔

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

ان للہ ملئکة یطوفون فی الطرق یلتمسون أهل الذکر فاذا

رأوا قوما يذكرون الله تنادوا هلموا الى حاجتكم فيحفونهم بأجنحتهم الى السماء الدنيا قال فيسئلهم ربهم وهو أعلم منهم ما يقول عبادی قال يقول يسبحونک و يکبرونک و يحمدونک و يمجدونک ... فيقول فانی أشهدکم انی قد غفرت لهم قال يقول ملک من الملئكة فيهم فلان ليس منهم انما جاء لحاجة قال هم الجلساء لا يشقی جليسهم

(صحیح بخاری ج:۲،ص:۹۴۸)

ترجمہ: بیشک اللہ کے فرشتے ہیں جوراہوں میں پھرتے ہیں کہ اہل ذکر کو کہیں ڈھونڈ پائیں جب وہ کسی جگہ لوگوں کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو آواز دیتے ہیں کہ آجاؤ تمہاری ضرورت پوری ہوئی اب وہ اپنے بازوؤں سے انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور یہ نظارہ پہلے آسمان میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے اپنے بندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (اور وہ خود انہیں ان سے بہتر جانتا ہے) میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! وہ تیری پاکی بیان کررہے ہیں تیری کبریائی ذکر کررہے ہیں تیری حمد کہتے ہیں اور تیری مجد (بزرگی) بیان کرتے ہیں اللہ فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو میں نے انہیں بخش دیا ہے۔ایک فرشتہ کہتا ہے اے اللہ! فلاں شخص ان اہل ذکر میں سے نہیں وہ تو اپنے کسی کام سے آیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ ایسے ہم نشین ہیں کہ ان میں کوئی بھی بدقسمت نہیں رہتا۔

۵۔حدیث قدسی میں ہے:۔

يقول الله تعالىٰ أنا عند ظن عبدی بی و أنا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خير منهم (متفق علیہ مشکوۃ ص:۱۹۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں وہیں ہوتا ہوں جہاں میرا بندہ میرے بارے میں گمان کرے، میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں جہاں وہ

مجھے یاد کرے، اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں اسے ان سے بہت بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن بسرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کی

یا رسول اللہ ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فأخبرنی بشیء أتشبث به قال لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ

(رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکوۃ ص: ۱۹۸)

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! اعمال اسلام بہت ہیں مجھے کوئی ایسی بات بتائیں میں اسے تھام لوں، آپ نے فرمایا تیری زبان اللہ کی یاد سے خشک نہ ہونے پائے۔

۷۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں حضور ﷺ سے پوچھا گیا کون بندے اللہ کے یہاں زیادہ شان میں ہونگے؟ آپؐ نے فرمایا: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات (جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہوں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والیاں ہوں) اس پر آپ سے پھر پوچھا گیا کہ یہ اہل ذکر غازیان جہاد سے بھی بڑھ گئے؟ آپ نے فرمایا:۔

لو ضرب بسیفه فی الکفار والمشرکین حتی ینکسر و یختضب معا فان الذکر للہ أفضل منه درجة .. رواہ احمد والترمذی (مشکوۃ ص: ۱۹۹)

ترجمہ: اگر وہ اپنی تلوار سے کفار ومشرکین کو مارے یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ ساتھ ہی رنگین ہوجائے تو اللہ کا ذکر پھر بھی اس سے ایک درجہ آگے ہے۔

۸۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة قال حلق الذکر (جامع ترمذی ج: ۲، ص: ۱۸۹)

ترجمہ: جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو چارہ لو، صحابہ نے عرض کی وہ جنت کے باغ کیا ہیں آپ نے فرمایا ذکر کے حلقے۔

۹۔حضرت ام درداء کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یقول أنا مع عبدی اذا هو ذکرنی وتحرکت بی شفتاه

(سنن ابن ماجہ ص: ۲۶۸ و رواہ البخاری مشکوۃ ص:۱۹۹)

ترجمہ: میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اسکے ہونٹ ذکر میں میرے نام سے ہلتے ہیں۔

۱۰۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

لکل شیئ صقالة وصقالة القلوب ذکر اللّٰه وما من شیئ أنجی من عذاب اللّٰه من ذکر اللّٰه قالوا ولا الجهاد فی سبیل اللّٰه قال ولا ان یضرب بسیفه حتی ینقطع

(رواہ البیہقی کما فی المشکوۃ ص:۱۹۹)

ان احادیث میں بھی اسی ذکر کا بیان ہے جو زبان سے ہو اور اس میں شک نہیں کہ دلوں کے زنگ اسی ذکر سے دھلتے ہیں۔سو اعمال احسان میں اس ذکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہی تو ہے۔

ان احادیث میں اجتماعی ذکر کی بھی قوی شہادتیں ہیں لیکن ان میں سے کسی روایت میں ذکر بالجہر کی تصریح نہیں۔تیسری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے بیٹھنے کا سبب پوچھا انہوں نے کہا ذکر کیلئے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اجتماعی ذکر بالجہر نہ تھا۔

ذکر بالجہر بھی درست ہے بشرطیکہ انفرادی ہو اور جہر بھی زیادہ نہ ہوا کیلئے نماز پڑھتے بھی وہ قرأت بالجہر کرسکتا ہے۔آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس سے گزرے اور انہیں آہستہ آواز سے نماز پڑھتے ہوئے پایا آپ نے اسکی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں اسے سنا رہا ہوں جسے میں بلا رہا ہوں **قد اسمعت من ناجیت**، پھر آپ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس سے گذرے تو وہ اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے آپ نے ان سے بھی پوچھا اور انہوں نے کہا میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں **انی أوقظ الوسنان و أطرد الشیطان** آپ نے ان دونوں حضرات کو درمیانی آواز کی تلقین فرمائی۔

فقال النبی ﷺ یا أبابکر ارفع من صوتک شیئا وقال لعمر اخفض من صوتک شیئا (رواہ ابوداؤد مشکوۃ ص:۱۰۷)

ترجمہ: اے ابوبکر آپ اپنی آواز کو کچھ اونچا کریں اور اے عمر آپ اپنی آواز کو ذرا کم کریں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے بشرطیکہ اجتماعی طور پر نہ ہو اپنے اپنے طور پر ہو اور اگر اجتماعی ہو تو یہ ملحوظ رہے کہ مسجدوں میں نہ ہوتا کہ عام نمازیوں کا جو مسجد پر حق ہے انکی حق تلفی نہ ہو، کم از کم یہ ضرور پیش نظر رہے کہ اس وقت کوئی نمازی یا قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا کوئی تشویش محسوس نہ کرے حتی کہ مسجد میں سونے والے معتکف کو بھی پریشانی محسوس نہ ہو۔

بزرگان دین ذکر کی مجلسیں اپنے حلقوں میں قائم کرتے تھے اور ذاکرین بھی ذکر کے اپنے حلقے بناتے تھے۔ حدیث نمبر ۳ میں یہ الفاظ آپ کے سامنے آچکے ہیں ان رسول **الله صلى الله عليه وسلم خرج على حلقة من اصحابه... الحديث**

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ذکر کے حلقہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

بہت سے ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہوکر ذکر کرنے سے (۱) دلچسپی ذکر میں اور (۲) تعاکس انوار قلوب میں اور (۳) ہمت کا بڑھنا اور (۴) سستی کا دفع ہونا اور (۵) مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں اسکو ذکر حلقۂ کہتے ہیں اس حدیث میں اسکی اصل مع اشارہ کے اسکی برکات کی طرف موجود ہے۔ (التکشف ص ۲۷۳)

مسجدوں میں اجتماعی ذکر کرنے سے نمازیوں کی حق تلفی کے اندیشہ سے بزرگوں نے علیحدہ خانقاہیں بنائیں۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

حضرات صحابہ و تابعین بوجہ قوت قلب و قرب عہد فیض مہد تحصیل ملکہ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ تھے، بعد میں تفاوت احوال و طبائع کے سبب عادۃ اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی۔ خلوت مکانی و بعد عن عامۃ الخلق پر۔ اس وقت حضرات مشائخ میں خانقاہیں بنانے کی رسم بمصلحت محمود ظاہر ہوئی۔ (ایضا)

پانچویں صدی کے حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کیمیائے سعادت میں جگہ جگہ خانقاہ کا ذکر کرتے ہیں۔ (دیکھئے اردو ترجمہ کیمیائے سعادت ص: ۲۳۳، ۳۴۵، ۵۰۸ طبع کشمیری بازار لاہور)

پھر تیرھویں صدی تک اسی لفظ کا ذکر اہل علم کے ہاں عام رہا ہے۔ (دیکھئے رد المحتار ج:۱،ص:۶۱۵)

مسئلہ ذکر بالجہر

خانقاہی اذکار میں بیشک ذکر بالجہر کی اجازت ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے مسجدوں میں بھی ذکر بالجہر قائم کر رکھا ہے، نامناسب نہ ہوگا کہ ہم کچھ اس کا بھی یہاں ذکر کردیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے کچھ لوگوں کو مسجد میں ذکر بالجہر کرتے پایا تو آپ نے اسے بدعت فرمایا اور انہیں مسجد سے اٹھادیا:۔

صح عن ابن مسعودؓ انه أخرج جماعة من المسجد يهللون و يصلون على النبى صلى الله عليه و سلم جهرا و قال لهم ما أراكم الا مبتدعين (شامی ج:۲،ص:۳۵۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو جو مسجد میں بلند آواز سے کلمہ شریف اور درود شریف پڑھ رہے تھے باہر نکال دیا اور فرمایا کہ تم مجھے بدعتی دکھائی دے رہے ہو۔

فقہ حنفی کی سب سے بڑی سند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو انہیں بھی نہ مانے آپ ہی بتائیں وہ حنفی کیسے ہوسکتا ہے۔

حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام تین موقعوں پر آواز اونچی کرنا مکروہ سمجھتے تھے (۱) جنازے کے ساتھ، (۲) جنگ کے وقت، (۳) ذکر کرتے وقت۔

كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم يكرهون الصوت ثلثا الجنائز والقتال والذكر (سیر کبیر ج:۱،ص:۸۹)

فقہ حنفی کی معتبر کتاب فتاویٰ قاضی خان میں ہے:۔

يكره رفع الصوت بالذكر فان أراد أن يذكر الله يذكره فى نفسه (فتاویٰ قاضی خان ج:۱،ص:۹۱)

ترجمہ: اونچی آواز سے اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے اگر کوئی اللہ کا ذکر کرے تو اپنے جی میں کرے۔

علامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) فرماتے ہیں کہ یہاں کراہت سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔
الکراھة فیھا کراھة تحریم (البحر الرائق ج:۲،ص:۱۹۹)
امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کے نزدیک یہ اس صورت میں ہے کہ ذکر مسجد میں ہو۔
دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔
اذ مذھبہ کراھة رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حیث لم یشوش علی المصلین او لم یکن ھناک مصلون
(مرقات ج:۲،ص:۲۲۳)
ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں اونچی آواز نکالنا ذکر میں بھی مکروہ ہے خواہ وہاں نمازیوں کی نماز میں خلل نہ بھی آتا ہو یا وہاں نمازی ہی نہ ہوں۔
محدث کبیر علامہ حلبی حنفی (....ھ) ذکر بالجہر کو خلاف امر قرآن کہتے ہیں:۔
ولابی حنیفة أن رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للامر فی قولہ تعالٰی ادعوا ربکم تضرعا وخفیة (کبیری ص:۵۶۶)
ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اور یہ قرآن حکیم کے اس حکم کے خلاف ہے۔
ادعوا ربکم تضرعا و خفیة (پ:۸،الاعراف:۵۵)
ترجمہ: اپنے رب کو زاری سے اور آہستہ آواز سے پکارو۔
علامہ شامی (...ھ) کتاب الحظر والاباحۃ میں لکھتے ہیں:۔
وما یفعلہ متصوفة زماننا حرام لایجوز القصد و الجلوس الیہ
(شامی ج:۵،ص:...)
ترجمہ: ہمارے زمانہ کے جھوٹے صوفیوں نے جو اونچے ذکر شروع کر رکھے ہیں انکی طرف جانا اوران میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔
افسوس کہ آجکل مسجدوں میں نہ دوسروں کے قرآن پڑھنے کی پروا ہے نہ کسی معتکف کے سونے کی نہ دیر سے آنے والوں کی نماز کی اور ذکر کی مجلسیں ایسے جوش سے قائم ہوتی ہیں کہ الامان والحفیظ۔

مولانا احمد رضا خان بھی کہتے ہیں:۔

بیشک ایسی صورت میں انکو جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے۔(فتاویٰ رضویہ ص:۵۹٦)

اللہ تعالیٰ ان مشائخ کرام پر رحمتیں اتارے جنہوں نے مریدین کی تربیت کیلئے خانقاہیں قائم کیں تا کہ مسجدوں کا احترام اوران پر نمازیوں کا حق قائم رہے اور انکے متوسلین اور مریدین حسب ضرورت کبھی ذکر بالجہر بھی کرسکیں، اس میں ایک ذوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بطور علاج کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ذکر کرنے کے دوران بسا اوقات ذاکرین وجد میں بھی آجاتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی کچھ گذارشات پیش کردیں جائیں۔

ذکر کرتے لوگ جب وجد میں آنے لگیں

صفات الٰہیہ پر توجہ جمائے سالک پر کبھی ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ وہ انہیں میں گم ہوجائے، اس کیف کی بازیابی میں وہ بار بار اسماء واذکار کا تکرار کرے۔ وجد کی یہ حالت خود آنحضرت ﷺ پر بھی دیکھی گئی اور صحابہ کرام پر تو یہ صورت بھی دیکھی گئی کہ وہ رک رک کر ہوش میں آتے تھے۔ وجد کی ہیئات حسب مراتب مختلف ہیں۔ حضرت امیر خسرو اس مقام کی لذت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

خدا خود میر مجلس بود اندر لا مکاں خسرو
محمد شمع محفل بود در جائے کہ من بودم

مجدد مأۃ چہاردہم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

وجد کہتے ہیں حالت غریبہ محمودہ کو، آگے اسکے مراتب وہیئات مختلف ہیں اور جوریا سے نہ ہو سب محمود ہے۔(التکشف ص:۳۱۵)

آپ ایک وعظ میں فرماتے ہیں:۔

وجد حالت غریبہ محمودہ غالبہ کا نام ہے مثلاً غلبہ شوق یا غلبہ خوف....اسکے لیے چلانا کودنا لازم نہیں اور اس حالت وجد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے تقشعر منه جلود الذين... الاية (پ:۲۳،الزمر:۲۳)

ترجمہ: بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے
ہیں اپنے رب سے۔(دعوات عبدیت ج: ۵،ص: ۱۲۷)

عربی میں وجد کے معنی پالینا کے ہیں، وجد یجد. سالک جب ذکر الٰہی میں کوئی خاص حالت پالے اور اس میں اسے کوئی کیف محسوس ہو یہاں تک کہ اس میں گم ہوجائے تو یہ حالت وجد ہے اور اس میں اسے ایک خاص لذت ملتی ہے۔

اعمال تصوف میں سالک پر کبھی یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ اس پر رقت طاری ہوجائے اور وہ آگے نہ چلے اس مقام پر رک جائے اور اس تصور میں کھو جائے۔

آنحضرت ﷺ پر حالت وجد و کیف

۱۔ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ نماز میں پوری رات ایک ہی آیت پڑھتے رہے وہ آیت یہ ہے:۔

ان تعذبهم فانهم عبادک وان تغفرلهم فانک أنت العزيز
الحكيم. (پ:۷، المائدہ: ۱۱۸)

ترجمہ: اگر آپ انکو عذاب دیں تو وہ بندے ہیں آپ کے اور اگر آپ
انکو معاف کردیں تو آپ ہی ہیں زبردست اور حکمت والے۔

آپ پوری رات یہ ایک آیت پڑھتے رہے آپ کے رکوع بھی اس سے اور سجدے بھی اسی حال سے گذرتے رہے اور اس کیفیت میں یہ چیز جائز تھی یہاں تک کہ صبح ہوگئی آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنے لئے شفاعت کی درخواست کی تھی اللہ نے وہ مجھے عطا فرمائی آپ ﷺ نے پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھادئے اور کہا اللّٰھم امتی اے اللہ میری امت کی طرف بھی نظر رحمت فرما! اور آپ پر پھر رقت طاری ہوگئی آنسو جاری ہوگئے جبرئیل امین نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے اپنی امت کی فکر ظاہر کی، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا آپ سے کہدو کہ اللہ آپ کو آپ کی امت کے بارے میں بھی خوش کریں گے۔(تفسیر ابن کثیر ج:..ص:..)

آپ جب پوری رات ایک آیت پڑھتے رہے تو ظاہر ہے کہ آپ کو اس میں ایک خاص کیف آرہا تھا۔

۲۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا اقرأ علی مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ! میں نے کہا آپ کو کیسے سناؤں یہ تو اترا ہی آپ پر ہے، آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اسے کسی دوسرے سے سنوں۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں:۔

فقرات علیه سورة النساء حتی بلغت

ترجمہ: میں نے آپ کو سورہ نساء پڑھ کر سنائی میں جب اس آیت پر پہنچا

﴿ فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بک علی هولاء شهیدا ﴾ (پ:۵،النساء:۴۱)

(ترجمہ) پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا۔

تو آپ ﷺ نے مجھے تھمنے کو کہا! آپ نے فرمایا **امسک** اب بس کرو اور آپ کی دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔

(صحیح بخاری ج:۲،ص:۶۵۹)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اس آیت سے آخرت کا منظر مستحضر ہوگیا تھا اور آپ کو اپنی امت کے کوتاہ عمل اور بے عمل لوگوں کی بابت خیال آیا اس لئے آنسو مبارک جاری ہوگئے۔(معارف القرآن ج:۲،ص:۴۴۰) آپ نے انہیں مزید پڑھنے سے روک دیا اب آپ مزید سننے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔

صحابہ کرام پر وجد کی حالت۔ یہاں وجد سے مراد شدت کیفیت ہے کوئی اظہار مسرت نہیں

ا۔حضرت معاویہؓ پر وجد کی حالت

حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا، آپ نے فرمایا:۔

اول من یدعی یوم القیامة آدم علیه السلام فتراأی ذریته فیقال هذا ابوکم آدم (صحیح بخاری ج:۲،ص:۹۶۶)

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے پہلے جس کو آواز دی جائے گی آدم علیہ السلام ہونگے، آپ کی اولاد آپ کو دیکھے گی سو کہا جائے گا کہ یہ

تمہارے باپ آدم ہیں (علیہ السلام)۔

پھر آدم علیہ السلام کو کہا جائے گا اخرج بعث جهنم من ذريتك اپنی اولاد میں سے جہنیوں کو ایک طرف نکالیں، حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے کم اخرج (میں کتنے نکالوں) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہر سو میں سے ننانوے نکال لیں یہ جہنم کا حصہ ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو قاریوں سخیوں اور مجاہدوں کے بارے میں بتلایا اور فرمایا اولئک الثلثة اول خلق الله تسعر به النار (یہ تین طبقے وہ پہلے ہیں جن سے جہنم بھڑکے گی)۔ حضرت شفی اصحی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث سنی اور حضرت معاویہؓ کو سنائی، پھر کیا ہوا اسے جامع ترمذی کے ان الفاظ میں دیکھیں۔

قد فعل بهولاء هذا فكيف بمن بقى من الناس ثم بكى معاوية بكاء شديدا حتى ظننا انه هالك وقلنا قد جاء نا هذا الرجل بشر ثم افاق معاوية ومسح عن وجهه وقال صدق الله و رسوله (جامع ترمذی ج:۲،ص:۶۱)

ترجمہ: جب ان لوگوں سے یہ کہا گیا کہ جہنم انہی سے بھڑکائی گئی تو ان پر کیا گزرے گی جو باقی رہ گئے؟ پھر حضرت معاویہؓ رو پڑے آپ پر رونے کا حال وارد ہو گیا ہم نے سمجھ لیا کہ ابھی یہ گئے کہ گئے کہ یہ شخص (شفی اصحی) تو ہمارے پاس ایک بڑی ابتلاء لے کر آیا ہے آپ پر پھر کچھ افاقہ ہوا آپ نے اپنے چہرے سے پسینہ صاف کیا اور کہا اللہ اور اسکے رسول برحق نے جو کہا حق کہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو اس حالت وجد میں یہ جہنم بھڑکانے والے طبقات بصورت کشف دکھائے گئے تبھی تو آپ نے افاقہ پانے پر یہ کلمہ تصدیق کہا صدق الله و رسوله اس سے حضرت معاویہ کی باطنی حالت اور روحانی بزرگی کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کس درجہ کے اہل طریقت حضرات میں سے تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

حضرت معاویہؓ کی حالت سے اسکا (وجد کا) صریح اثبات ہوتا ہے۔

(التکشف ص:۳۱۵)

آپ نے افاقہ پاتے اور کلمہ تصدیق کہتے پھر سورہ ہود کی آیت ۱۵ اور آیت ۱۶ تلاوت فرمائی:

من كان يريد الحيوة الدنيا و زينتها نوف اليهم اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون أولئک الذين ليس لهم في الآخرة الا النار وحبط ما صنعوا فيها و باطل ما كانوا يعملون.

(پ:۱۲، ھود:۱۶)

ترجمہ: جو کوئی چاہے دنیا کی زندگانی اور اسکی زینت بھگتا دیں گے ہم انکو انکے عمل دنیا میں اور انکو اس میں کچھ نقصان نہیں، یہی ہیں جنکے واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے سوا اور برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں اور خراب گیا جو کمایا تھا۔

حضرت شفی اصحی کی روایت میں قاریوں، سخیوں اور مجاہدین کے دکھاوے کے اعمال پر یہ قرآن کی شہادت ہے جو حضرت معاویہؓ نے تصدیق مزید کیلئے پیش کی، اس سے حضرت معاویہؓ کے گہرے علم قرآن کا پتہ چلتا ہے۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کے بارے میں واقعی صحیح فرمایا تھا "انه فقيه" کہ آپ فقیہ ہیں۔ (صحیح بخاری ج:۱، ص:۵۳۱) اور یہ روایت خود حضرت معاویہؓ بیان کیا کرتے تھے۔

قال حميد بن عبد الرحمن سمعت معاوية خطيبا يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين (صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۶)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرمائیں اسے فقہ دین عطا فرما دیتے ہیں۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ پر وجد کی حالت

آپ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرنے لگے تو اچانک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے کچھ وقفے کے بعد افاقہ ہوا اور آنحضرت ﷺ سے حدیث سننے کا نقشہ باندھا اور پھر سخت چیخ ماری اور آپ بے ہوش ہو گئے پھر افاقہ فرمایا اور اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا

اور حدیث بیان کرنے لگے اور پھر چیخ ماری اور اس حدیث کے منظر کے پیش نظر پھر بے ہوش ہوگئے، آپ گرنے لگے تھے کہ آپ کو تھام لیا اور پھر چوتھی بار آپ نے وہ حدیث بیان کی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی اس حالت وجد کا ذکر آپ کو جامع ترمذی کی اسی روایت میں ملے گا جس میں حضرت معاویہؓ کے رونے اور وجد میں آنے کا بیان ہے۔

فقال ابوهريرةؓ افعل لأحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله صلى الله عليه و سلم عقلته و علمته ثم نشغ ابوهريرة نشغة فمكث قليلا ثم أفاق فقال لأحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذا البيت ما معنا أحد غيرى وغيره ثم نشغ ابوهريرة نشغة شديدة ثم أفاق ومسح وجهه وقال افعل لأحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا وهو في هذا البيت ما معنا أحد غيرى وغيره ثم نشغ ابوهريرة نشغة شديدة ثم مال خارا على وجهه فأسندته طويلا ثم أفاق فقال حدثني رسول الله صلى الله عليه و سلم..... الحديث (جامع ترمذی ج:۲،ص:۶۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہاں میں ایسا کروں گا میں تم سے ایسی ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کروں گا جس کو میں نے سمجھا ہوگا اور جانا ہوگا۔ پھر ابوہریرہ نے ایک چیخ ماری (یہ کیفیت بے تابی کی یا تو شدت خوف سے ہوئی ہے کہ حدیث کا بلا کسی کمی بیشی کے بیان کرنا بڑی احتیاط کی بات ہے اور یا شدت شوق سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالست آنکھوں میں پھر گئی) ہم بڑی دیر تک منتظر رہے پھر انکو افاقہ ہوا اور فرمایا کہ میں تم سے ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان میں بیان فرمائی ہے کہ ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور آپ کے، پھر ابوہریرہؓ نے بڑی زور سے ایک چیخ ماری پھر انکو افاقہ ہوا اور پسینہ منہ پر سے پوچھا اور فرمایا کہ میں یہ کام کروں گا

یعنی تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں گا میں اور آپ اس مکان میں تھے ہمارے پاس اس وقت سوائے میرے اور آپ کے اور کوئی نہ تھا، پھر ابو ہریرہؓ نے بڑی زور سے چیخ ماری پھر آگے کو جھک کر منھ کے بل گر پڑے میں انکو بڑی دیر تک اپنے سہارے لگائے رہا پھر افاقہ ہوا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی......(الحدیث)

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر وجد کی حالت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حدیث روایت کرتے کس طرح حضور ﷺ کی یاد میں ایک کیفیت میں آتے، اسے ان الفاظ میں دیکھیں:۔

فاذا هو محلول ازار قميصه منتفخ أوداجه مغروقة عيناه ثم قال هكذا او فوق ذا أو قريب من ذا أو كما قال رسول الله ﷺ

(المستدرک ج:۱، ص:۱۹۴)

ترجمہ: آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہیں آپ کی رگیں پھول رہی ہیں آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں پھر آپ نے کہا: اس طرح یا اس سے کچھ اوپر یا اسکے قریب یا اس جیسے حضور ﷺ نے فرمایا۔

بعض علماء نے حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں بھی اس قسم کے الفاظ نقل کئے ہیں انکے آخر میں وارتعدت ثیابه کے الفاظ بھی ہیں کہ آپ کے کپڑوں میں کپکپی دکھائی دے رہی تھی۔ کیا یہ وجد کا کھلا مظاہرہ نہیں؟

صحابہؓ پر جو اس قسم کی وجد کی منزلیں آتی تھیں وہ اجتماعی مجلسوں کے ڈرامے نہ تھے، وہ جہاں کہیں اتفاقاً بیٹھے تو سابق گزرے ہوئے لمحات کی یاد میں ان پر ایسے حال وارد ہوجاتے رہے۔ آج کل جو جھوٹے پیروں نے محفلیں لگا کر مریدوں کو وجد میں لانے کا جو دھندا جاری کر رکھا ہے اسکی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں، علماء شریعت نے اکٹھے ہوکر جہراً ذکر کرنے اور وجد کی صورتیں پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ احسن الفتاویٰ میں ۱۳۷۲ھ کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:۔

اسکا شرع میں کوئی ثبوت نہیں جہراً ذکر کرنا جیسا کہ فی زمانہ مروج ہے

یہ مکروہ ہے لما فی الشرح التنویر هل یکره رفع الصوت بالذکر والدعا قیل نعم وقال فی الشامیة (قوله قیل نعم) یشعر بضعفه مع انه مشی علیه فی المختار والملتقی فقال وعن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه کره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنازة والزحف والتذکیر فما ظنک عند الغناء الذی یسمونه وجدا ومحبة فانه مکروه لا أصل له فی الدین وأیضاً فیها قبیل فصل فی اللبس وما یفعله متصوفة زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس الیه (شامیہ کتاب الحظر والاباحۃ ج: ۵) (احسن الفتاویٰ کامل مبوب ص: ۱۲۶)

ترجمہ: شرح تنویر میں ہے کیا ذکر کرتے آواز اونچی کرنا اور اس میں دعا کرنا مکروہ ہے؟ کیا گیا ہے ہاں ایسا ہی ہے۔ علامہ شامی نے ردالمختار میں کہا ہے یہ جو قیل کہا گیا ہے وہ اس کے ضعف کا پتہ دیتا ہے اس کے ساتھ یہ بھی مانیں کہ اس نے اسے مختار اور ملتقی میں بھی ذکر کیا ہے اور اس میں نبی کریمؐ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن پڑھنے اور نماز جنازہ میں جنگ میں اور تذکیر میں اسے مکروہ ٹھہرایا ہے تو تم ہی بتاؤ کہ گانے کے طور پر پڑھنا جسے کہ وجد و محبت میں آنا کہتے ہیں تو یہ بیشک مکروہ ہوگا اور اس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اور اس میں عبس کی بحث سے کچھ پہلے یہ بھی ہے کہ ہمارے اس دور میں جھوٹے صوفی جو یہ مجلسیں لگاتے ہیں یہ حرام ہے ان کا قصد کرنا ان مجلسوں میں جا پہنچنا جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ج ۴ میں مروج وجد پر بہت زیادہ رد کیا ہے جو قابل دید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

راہ سلوک میں ذکر کے مختلف طریقے

راہ ولایت میں دل کو شوق کے ساتھ خدا کی طرف لگایا جاتا ہے، دل اس طرف نہ آئے تو ذکر بالجہر بقدر ضرورت تجویز کیا جاسکتا ہے اور یہ بطریق علاج ہے نہ کہ بطریق مسئلہ۔

ذکر جہری اور آہستہ ذکر کرنا

قرآن کریم میں ذکر کے بارے میں اصل حکم بیشک یہ ہے اذکر ربک تضرعا وخیفۃ لیکن کسی دینی مصلحت سے (دلوں میں شوق پیدا کرنے کیلئے) خانقاہوں میں، مجلسوں میں ذکر بالجہر کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ دیکھئے اسلام میں لہو ولعب سے بچنے کی کس زوردار انداز میں تاکید کی گئی جیسے مزامیر شیطان سے، لیکن شادی کے موقع پر بچیوں کو گانے کی اجازت دی گئی۔ آنحضرت ﷺ کے دو بدری صحابی قرظہ بن کعب اور ابومسعود انصاری ایک شادی میں موجود تھے اور بچیاں گا رہی تھیں۔ حضرت عامر بن سعد نے کہا:۔

أنتما صاحبا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومن اھل بدر ویفعل ھذا عندکم (سنن نسائی ج:۲،ص:۹۲)

ترجمہ: تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور اہل بدر میں سے ہو اور تمہارے سامنے یہ کچھ ہو رہا ہے۔

ان دونوں نے عامر بن سعد کو کہا:۔

اجلس ان شئت فاسمع معنا وان شئت اذھب قد رخص لنا فی اللھو عند العرس

ترجمہ: تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر انہیں سنو اور چاہو تو چلے جاؤ شادی کے موقع پر ہمیں اسکی اجازت دی گئی ہے۔

ان دونوں بزرگوں نے اپنے اجتہاد کو منوانے پر زور نہیں دیا عمل کے دونوں رستے کھلے بیان فرمائے۔ جس طرح یہاں کسی مصلحت کیلئے اس قدر گانا سننے کی رخصت ہے اسی طرح دلوں میں راہ ولایت کا شوق پیدا کرنے کیلئے مسجدوں میں نہیں اپنے طور پر ذکر بالجہر کریں یا دلوں میں شوق پیدا کرنے کیلئے کلمات ذکر بار بار زبان پر لائیں یا اسکے حسب حال کچھ اشعار سنیں تو اسکی بھی بقدر حاجت اجازت ہونی چاہیے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

جب تفریح اسماع حسیہ ایک درجہ تک مرخص فیہ ہے تو تفریح اسماع روحیہ کسی درجہ تک کیوں نہ ماذون فیہ ہوگی۔ (التکشف ص:۳۵۳)

اس راہ اجتہاد سے محققین نے ذکر بالجہر کی کچھ اجازت دی ہے۔

ذکر لفظی اور ذکر نفسی

قرآن کریم کے بارے میں کلام نفسی اور کلام لفظی کے مباحث علماء کی نظروں سے مخفی نہ ہونگے اور اہل علم کلام کے ان پیرایوں سے ناواقف نہ ہونگے۔ زبان سے ذکر کرنا جہراً ہو یا خفاءً کلام لفظی ہے اور بات جی کے اندر ہی ہو تو یہ کلام نفسی ہے۔ فرمان الٰہی ہے واذکر ربک فی نفسک (پ:۹، الاعراف: ۲۰۵) اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے جی میں، اسکا معنی یہی ہے ای بقلبک یعنی تو اپنے رب کو دل میں یاد کر، یہ کلام نفسی ہے۔

پھر راہ ولایت کے سالکوں نے دونوں کو یکجا کرنے کیلئے کلام لفظی کی دلوں پر ضرب لگائی اور کلام لفظی کو دلوں میں داخل کرایا، یہ سالک کے دل میں نور اترنے کی ابتداء ہوگئی۔

ہر فن میں مقام اجتہاد ضرور آتا ہے اس راہ کے قادری سلسلہ کے محققین نے دلوں کی اس ضرب کے مختلف اطوار معلوم کئے اور ذکر کی تقسیم اس پہلو سے بھی ہوئی:۔

ذکر یک ضربی اور ذکر دو ضربی

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:۔

پہلے پہل یک ضربی کرنا چاہیے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے بڑی شدت اور بلند آوازی سے نکال کر اپنے منہ کے سامنے ضرب لگائے اور اس لفظ مبارک کا تلفظ کرتے وقت ایسا خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ ایک نور اسکے منہ سے نکلا ہے اور جس وقت ضرب تمام ہو جائے گی اس وقت ایک لمبی سی گھڑیال کی آواز کی طرح خیال میں رہے گی۔ (صراط مستقیم ص: ۱۶۰)

ذکر یک ضربی کے راسخ ہونے کے بعد ذکر دو ضربی شروع کرے اس کا طریق اس طرح ہے:۔

نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے زور سے بلند آواز کے ساتھ نکال کر داہنے زانو میں ضرب کرے پھر متخیل آواز کے امتداد کو آہستگی سے داہنے کندھے تک کھینچ کر وسط سینہ میں پہنچائے اور اس طرح خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ نور برآمد ہو رہا ہے اور زانو اور پہلو اور کاندھے اور داہنے ہاتھ کی جگہ تمام وہ نور ہو گیا ہے یعنی یہ سب اعضاء باطل و نابود ہو گئے ہیں اور اس نور نے انکی جگہ لے لی ہے، پھر ذرا سی دیر سکوت کرے اور اس

سکوت میں نور کا اعضاء مذکورہ کی جگہ ہونا لحاظ میں رکھے تا کہ اسکے ذہن میں اس نور کی صورت ان اعضاء کی جگہ خوب بیٹھ جائے بعد ازاں اسی لفظ کو اس نور کے ہمراہ سینہ کے وسط سے داہنے شانہ تک کھینچ کر دل پر شدت اور زور سے ضرب لگائے اور ایسا خیال کرے کہ وہی نور جو اسکے داہنی جانب محیط ہوگیا تھا دل میں اتر گیا ہے پھر تھوڑی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں اس طرح خیال کرے کہ وہی نور جو اسکے دل میں اتر گیا تھا اسکے تمام بدن کے اندر سرایت کر گیا ہے۔ (صراط مستقیم ص:۱۶۲)

ذکر سہ ضربی اور چار ضربی

طریقہ ذکر سہ ضربی کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب داہنی طرف میں اسی طریق سے لگائے جو مذکور ہوا اور دوسری ضرب بائیں جانب میں اسی طریق پر لگائے اور تیسری ضرب دل میں لگاوے۔

ذکر چار ضربی کا طریق یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب طریق مذکور پر داہنی جانب میں لگاوے اور دوسری بائیں جانب میں اور تیسری دل میں اور چوتھی اپنے روبرو لگاوے اس وضع پر کہ اس چوتھی ضرب کے ساتھ یہ خیال کرلے کہ گویا جو نور اسکے ساتھ برآمد ہوا ہے نیچے سے احاطہ کرتا ہے حتی کہ اسکو سارا گھیر لیا ہے اور وہ بالکل اس میں محو و مستغرق ہوگیا ہے بلکہ اسکے بدن کی جگہ وہ نور قرار پکڑ رہا ہے۔

اس طریق مذکور پر اس ذکر کی غایت اور نتیجہ یہ ہے کہ اسم ذات کے ذکر کا اثر ذاکر کے تمام بدن پر اجمالا اور تفصیلا احاطہ کرلے اور بشریت کی ظلمت تمام بدن سے عموما اور اعضائے مذکورہ سے خصوصا نکل جائے اور فنائے جسمانی کی تمہید ہوجائے اور فکر و ذکر کے ساتھ مخلط ہوجائے اور ذکر سے مراقبہ کی طرف انتقال کرنے میں قریب تر ہو۔ خلاصہ یہ کہ جب اذکار چہارگانہ کے آثار یک ضربی سے لے کر چہار ضربی تک ظاہر ہوجائیں اس وقت فکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے۔ (صراط مستقیم ص:۱۶۲)

ان چاروں میں سے زیادہ اہم اور مشکل ذکر یک ضربی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اسکی کچھ تفصیل بھی کردی ہے ہم اسے یہاں نقل کئے دیتے ہیں:۔

بیان اسکا یہ ہے کہ جب انسان زور سے بلند آوازی کے ساتھ کوئی آواز نکالنا چاہتا ہے پہلے اس سے کہ کوئی سنائی دینے والی آواز پیدا ہو ایک جنبش ظاہر ہوتی ہے اور اس

جنبش کو صورت خیالی کہہ سکتے ہیں اور جس وقت زور کی جہری آواز تمام ہو جاتی ہے اسکے تمام ہونے کے بعد اور پہلے اس سے کہ دم اپنی جگہ پر آجائے اور منہ اور لب اور زبان کی ہیئت وشکل اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرے ایک ایسا امتداد صوتی خیال میں رہتا ہے کہ کان کو اسکے سننے سے کچھ حصہ نہیں لیکن آواز کرنے والا جانتا ہے۔ پس اس پچھلی آواز متخیل کو زیادہ تر کھینچے اور اس آواز کے ساتھ نور متخیل کو زیادہ لمبا اور پھیلا ہوا چادر نورانی کی طرح بنا کر اپنے منہ کے سامنے سر پر ڈالے اور تمام بدن کو سر سے پاؤں تک اسکے ساتھ احاطہ کرلے پھر اس آواز متخیل سے بھی سکوت اور خاموشی اختیار کر کے اس طرح خیال کرے کہ چادر نورانی ہر طرف سے اسکے بدن میں اندر چلی گئی ہے اور سینہ کے وسط میں جا کر جمع ہوگئی ہے اور پھر چند بار بہ سبب تکرار اس نور کے تہ بر تہ ہو کر تمام جسم کی جگہ وہی نور قرار پکڑلے گا اور اس سکوت میں اپنے لحاظ کو ذات حق کی طرف متوجہ کرے اور پھر اس لحاظ کے ٹھہرنے اور نور کے سینہ میں جمع ہونے کے بعد پھر اسی طرح ذکر کرے اور اس ذکر کو کثرت سے لگاتار کرتا رہے تاکہ قابو میں آجائے۔ (صراط مستقیم ص:۱۶۱)

ان راہوں سے راہ ولایت میں آنا (اللہ کی محبت کی راہ میں آنا) کوئی مسئلہ شریعت نہیں ہے شریعت کا تقاضا بس یہی ہے کہ اللہ کی محبت زیادہ سے زیادہ دل میں ہو، اسکے پیدا کرنے کیلئے جو طریقے بھی اختیار کئے جائیں وہ نفس انسانی کو رام کرنے اور اسکے تقاضوں کو دبانے کے ذرائع یا طرق علاج تو سمجھے جاسکتے ہیں انہیں مسائل شریعت کا نام نہیں دیا جاسکتا ورنہ یہ سب طریقے بدعت ہو جائیں گے، بدعت سے بچنے کیلئے محققین راہ طریقت نے ان کا نام شغل رکھا ہے۔ شغل ایک مصروفیت ہے جو کسی جائز شوق میں درکار ہو یہ یک ضربی ذکر ہو یا دوضربی ذکر اسے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ طریقہ قادریہ کے اشغال کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں تاکہ انہیں کوئی نادان بدعت نہ کہہ سکے۔

آپ آگے اشغال طریقہ چشتیہ کو ذکر کرتے لکھتے ہیں:۔

اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں نئے طریق پر جو قوت اثر اور جلدی سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے فوائد کے ظاہر ہونے کے موجب ہوں اور مجاہدات اور ریاضات متعارفہ کے لحاظ سے آسان دکھلائی دیں۔ (صراط مستقیم ص:۱۷۲)

یہاں آپ نے اسے صریح طور پر نئے طریق کے الفاظ سے ذکر کیا ہے تاکہ اس میں کوئی مظنۂ بدعت نہ رہے۔ بدعتی بدعت کو نیا طریقہ کہہ کر اختیار نہیں کرتا وہ اسے ایجاد کر کے شریعت میں داخل کرتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منہا

حضرت شاہ صاحب نے اشغال طریقہ چشتیہ میں صرف دوضربی ذکر کی تربیت دی ہے اور پھر ذکر کے یہ تین پیرائے بتلائے ہیں:۔

(۱) الا اللہ کا ذکر، (۲) صرف لفظ اللہ کا ذکر بدوں ضرب شدید اور جہر مفرط، (۳) لا الٰہ الا اللہ۔

پھر بتلایا کہ اب مراقبہ کرے اور ذکر کو چھوڑ دے، اس مراقبہ میں اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی کرے۔

پھر اس راہ کے طالب کی منزلیں ان لطائف میں ہیں:

نفس، سر، خفی، اخفی، روح، قلب۔

۱۔ لطائف ستہ (چھ لطائف جو انسان کے اندر ہیں) کے مواضع کو معلوم کرنا اور انہیں ذاکر بنانا۔

۲۔ حبس نفس کے ساتھ نفی واثبات کرنا لا...... الٰہ...... الا اللہ۔

۳۔ سلطان الذکر، یہ مقام نفی واثبات کی بڑی مشق کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ شغل نفی۔

ان منازل سے گزرنے کے بعد سالک کا سینہ اتنا صاف مجلی اور مزکی بن جاتا ہے کہ اس پر کشف کے دروازے کھلنے لگتے ہیں۔ یہاں ہم اعمال احسان سے بحث کررہے ہیں کشف ثمرات احسان میں سے ہے اسکا بیان انشاء اللہ العزیز بعد میں آئے گا۔

یہاں ہم ذکر کی بحث کو ختم کرتے ہیں یہ اذکار کسی شیخ کامل کی رہنمائی میں عمل میں لائے جائیں تو ان سے نفع حاصل ہوتا ہے اور ان سے تزکیہ کی دولت ملتی ہے ہم نے یہاں صرف انکے علمی تعارف کے لیے کچھ باتیں لکھ دی ہیں تاکہ طلباء ان امور سے اجنبی نہ رہیں وہ جان لیں کہ ان اعمال کی ایک اپنی حقیقت ہے۔

(۵) مجاہدات اور مخالفت نفس

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

مجاہدات اور مخالفت نفس پر سالک کو بدوں کمال تعلق شیخ قابو نہیں ملتا۔ پہلا مجاہدہ نظر، زبان اور قلب پر شریعت کے پہرے بٹھانا ہے اور (۲) بری صحبت سے بچنا ہے (۳) برائی کا خطرہ بھی ہو تو اس مجلس سے بچے۔ یہ راہ سلوک کی ضروریات میں سے ہیں اس میں جب کوئی کمی یا قصور واقع ہو تو پھر (۱) اخلاص نیت سے (۲) توبہ کی طرف لوٹے اور (۳) خصوصی ذکر سے اپنے دل سے اس نئے لگے زنگ کو دھوئے اور اپنی ان واردات اور علاج میں شیخ سے کمال تعلق قائم کرے۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں کہ سالک اس راہ میں مایوسی کو قریب نہ آنے دے۔

باز باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگاہِ ما درگاہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

توبہ ٹوٹ جائے تو یہ گرہ پھر باندھی جا سکتی ہے لیکن سالک نیت نہ بدلے یہ خیال نہ کرے کہ اب مجھے خدا کی طرف نہیں چلنا میں اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکا، یہ بات اس پر چھائی رہے کہ مجھے اس راہ میں چلنا ہے اگر کہیں رک گیا تو پھر چل پڑتا ہے اور نہیں رکا تو تیز گام ہوتا ہے۔ نیت قائم رکھنے اور ذکر جاری رکھنے سے اسے توبہ کا پھر موقع مل جائے گا۔

گناہ کا شوق اور اسکی لذت کی کشش ایک طرف اور اللہ کا خوف اور توبہ پر استقامت دوسری طرف،...... یہ دو شر اور خیر کے لشکر آپس میں ٹکراتے ہیں اور سالک اپنی نیت اور ارادہ خیر کے پلڑے میں ڈال دیتا ہے، یہ مجاہدہ ہے جس سے اسے گذرنا پڑتا ہے اور اپنی نیت قائم رکھنی ہوتی ہے۔

ہے شوق و ضبط شوق میں دن رات کشمکش
دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشان کئے ہوئے

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ (خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ جب انسان کا دل گناہ کی طرف مائل ہو تو سمجھے کہ اللہ کی رحمت کا وقت قریب آ گیا ہے یہ بڑا قیمتی وقت ہوتا ہے، سالک سوچے اگر میں نے مجاہدہ کر کے اٹھنے والی برائی کو پیچھے دھکیل دیا اور اپنے شوق کو ضبط شوق سے دبا دیا پھر اللہ کی رحمت کی گھڑی آ پہنچی اب آگے اللہ کے رستے کھلے ہیں اور بندہ مقام احسان میں داخل ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا و ان الله لمع المحسنین.

(پ:۲۱، العنکبوت:۶۹)

ترجمہ: اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں اور بیشک اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔

مجاہدہ بمقابلہ نفس ہے یا بمقابلہ شیطان

انسان کو نیک کام سے پیچھے رہنے میں اگر آرام ملتا ہو اور وہ اپنے اس آرام کی خاطر اس کام سے جی چرائے تو یہ نفس کا حملہ ہے اور شیطان ایسا نشانہ باندھے جس سے نفس کو گو کوئی راحت نہ ملتی ہو لیکن اسکی عبادت بدمزہ ہو جائے تو یہ شیطان کا حملہ ہے، اس سے بچنا استعاذہ سے ہوتا ہے فاستعذ بالله من الشیطن الرجیم میں اسی کی تعلیم دی گئی ہے اور نفس کے حملہ سے بچنا مجاہدہ سے ہوتا ہے۔

نماز نہ پڑھنے میں، صبح جلد نہ اٹھنے میں، وضو سے بچنے میں، انسان کو جو آرام ملتا ہے اسکی خاطر اگر وہ نماز کی طرف نہیں آتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا جاتا ہے تو یہ اتباع نفس ہے اور نماز پڑھتے اسکو دنیا کے کسی کام کا خیال آ گیا تو یہ شیطان کا حملہ ہے کیونکہ اس سے اسے کوئی حظ نفسانی نہیں مل رہا وہ صرف ذوق عبادت کو کھو رہا ہے۔

نفس کے تقاضوں کو دبانا اور اپنے کو راہ عمل پر لانا یہ مجاہدہ ہے اور شیطان کے حملہ سے بچنے کی سعی یہ استعاذہ ہے۔ سالک کو مجاہدہ اور استعاذہ کے عمل کی راہیں معلوم ہونی چاہئیں۔

(۶) مراقبات

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

مراقبہ کا لفظ رقبہ (گردن) سے ہے اسکا مطلب خدا کی طرف دھیان باندھنا ہے یہاں تک کہ اپنے آپ کو اپنے گردو پیش سے بھی فارغ کردیا جائے۔ اہل طریقت اپنے آپ کو اس دھیان میں لاکر اپنی گردن جھکا دیتے ہیں اور اپنا محاسبہ کرتے ہیں اس عمل کو اہل طریقت کے ہاں مراقبہ کہا جاتا ہے اور اسکی کئی اقسام ہے۔

یہ لفظ کوئی ایسا نہیں جس سے اہل سنت یونہی بدکیں اور اس سے کوئی وحشت محسوس کریں۔ صحیح مسلم کے کتاب الذکر میں ایک یہ باب بھی ملتا ہے۔

فضل دوام الذکر و الفکر فی امور الآخرۃ و المراقبۃ و جواز ترک ذلک فی بعض الأوقات و الاشتغال بالدنیا

(صحیح مسلم ج:۲، ص: ۲۵۵)

ترجمہ: ہمیشہ ذکر میں رہنے کی فضیلت، امور آخرت میں رہنے کی فضیلت، مراقبہ کرنے کی فضیلت اور اس سے کبھی فارغ رہنے اور دنیاوی کاموں میں مشتغل رہنے کی رخصت۔

مراقبہ اپنے آپ کی نگرانی کرنا ہے اس میں سالک اپنے دن رات کے اعمال کا جائزہ لیتا ہے اور اپنی آخرت کی طرف دھیان کرتا ہے اور اسکے لیے سر جھکا کر بیٹھ جاتا ہے، یہ یکسوئی حاصل کرنے کیلئے بمنزلہ علاج ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

مراقبہ اہل طریقت کی عادت لازمہ ہے رہ گئی اسکی خاص ہیئت یہ اسکے

راسخ ہونے کیلئے ہے مقصود بالذات نہیں اس لیے اس ہیئت کے منصوص ہونے کی ضرورت نہیں۔ (التکشف ص:۴۰۱)

مراقبہ کی حقیقت دل کی دیکھ بھال ہے۔

مراقبہ کی اصل حقیقت دل کی دیکھ بھال ہے۔ انسان اگر ہر وقت اس پر نہ رہ سکے اور اسے کچھ دنیا کے کاموں میں لگنا پڑے تو اسکی اجازت ہے لیکن اللہ کی طرف دھیان لگائے رکھنا اور اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنا یہ مومن کا وہ مقام ہے جسے صحابہ ہمیشہ چاہتے تھے اور آنحضرت ﷺ بھی انہیں اس طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔

۱۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سواری پر سوار تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

یا غلام احفظ اللّٰہ یحفظک احفظ اللّٰہ تجدہ تجاھک......

(رواہ احمد والترمذی، مشکوۃ ص:۴۵۳)

ترجمہ: اے لڑکے اللہ کی طرف دھیان رکھا کرو اسے تم اپنے سامنے پاؤ گے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اس دھیان (مراقبہ) پر جو ثمرہ مرتب ہوتا ہے وہ قرب و معیت ہے۔ مراقبہ کرنے والا اللہ کی محبت پا جاتا ہے۔

۲۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دبسی (پرندے کا نام) اڑا، آپ کی اس پر نظر پڑی اور توجہ بٹ گئی آپ کو یاد نہ رہا کہ کتنی نماز پڑھی تھی جب انہوں نے محسوس کیا کہ دل نماز میں حاضر نہ رہا تھا اور اسکا سبب یہ خوشنما باغ تھا تو آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا یہ سارا باغ اللہ کی راہ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا:

فجعل یتبعه بصره ساعة ثم رجع الی صلوته فاذا هو لایدری کم صلی فقال لقد اصابتنی فی مالی هذا فتنة فجاء الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم فذکر له الذی أصابه فی حائطه من الفتنة وقال یا رسول اللّٰه هو صدقة للّٰه فضعه حیث شئت

(موطا امام مالک ص:۳۶)

اس روایت پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

صوفیہ کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے جب تغیر پاتے ہیں اسکی تلافی کرتے ہیں۔ اس صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اسکی محمودیت ظاہر ہوئی کیونکہ انکا یہ تنبہ اثر اسی مراقبہ کا ہے۔ (التکشف ص: ۳۸۵)

۳۔ صحیح مسلم میں باب المراقبہ کے تحت ہے کہ حضرت حنظلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پریشان خاطر حاضر ہوئے اور کہا نافق حنظلة کہ حنظلہ منافق ہوگیا ہے، جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو اس طرح ہوتے ہیں گویا جنت اور دوزخ دیکھ رہے ہوں اور جب ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو ہماری توجہ مال واولاد میں لگ جاتی ہے، اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

و الذی نفسی بیدہ ان لو تدومون علی ما تکونون عندی وفی الذکر لصافحتکم الملائکة علی فرشکم وفی طرقکم ولکن حنظلة ساعة ساعة ثلث مرات. (صحیح مسلم ج:۲،ص: ۳۵۵)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم دائما اسی حالت پر رہو جس میں تم میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے ساتھ تمہارے بستروں پر اور تمہارے رستوں میں تم سے مصافحہ کرتے لیکن اے حنظلہ ایسا تو کبھی کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حنظلہ کس طرح اپنے دل کے حال پر نظر رکھتے تھے اور اسکی انہیں پوری فکر رہتی تھی۔ یہ اپنے دل کی پوری نگرانی کرنا ہے اسے ہی مراقبہ کہتے ہیں۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) حدیث احسان کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وحاصل جمیع الاقوال الحث علی الاخلاص فی الاعمال و مراقبة العبد ربه فی جمیع الاحوال قال بعض العارفین الاول اشارة الی مقام المکاشفة و معناہ اخلاص العبودیة و رؤیة الغیر بنعت ادراک القلب عیان جلال ذات الحق وفنائه عن الرسوم فیه والثانی الی مقام المراقبة فی الاجلال وحصول

الحیاء من العلم باطلاع ذی الجلال

(مرقات شرح مشکوۃ ج:۱،ص:۶۰)

ترجمہ: ان تمام اقوال کا حاصل اعمال میں اپنے آپ کو اخلاص پر لانا ہے اور بندے کا اپنے رب کے حضور اپنے آپ کو تمام حالات میں مراقبہ پر لانا ہے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ حدیث احسان میں پہلی بات میں مکاشفہ ہے اور دوسری میں مراقبہ ہے۔

ان مقامات تصوف کے یہ تذکرے محدثین میں عام ملتے ہیں اس سے پتہ چلا کہ جس طرح حدیث و فقہ علوم اسلامی کے مخزن ہیں تصوف بھی دین کا اسی طرح ایک اہم شعبہ ہے طریقت ہرگز شریعت کا غیر نہیں۔

تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد شہید فرماتے ہیں:۔

جب آدمی یادداشت کے طور پر ہمیشہ ان امور مذکورہ کو ملاحظہ کرتا رہے تو یکی امید ہے کہ اسکو صفائی حاصل ہوجائے گی دل میں صرف تصفیہ اور تخلیہ کا گمان پیدا ہوجانے سے ہی اس پر بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ اسکا امتحان کرے۔ (صراط مستقیم ص:۱۲۹)

مراقبے کی مختلف اقسام

سلسلہ قادریہ کے اشغال میں یہ دو مراقبے ہیں: (۱) مراقبہ وحدانیت، (۲) مراقبہ صمدیت اور سلسلہ چشتیہ میں ایک ذکر کے اندر مراقبہ ہے جس میں ذکر چھوڑ کر مراقبہ کرتے ہیں یہ مراقبہ بس اسی پیرایہ میں کیا جاتا ہے۔

یہ سلوک راہ ولایت کے مراقبے ہیں۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے مزید براں سلوک راہ نبوت کے بھی دو مراقبے ذکر کئے ہیں: (۱) مراقبہ عظمت، (۲) اور مراقبہ الوہیت۔ اور سلوک کسی ایک طریق میں منحصر نہیں۔ مراقبہ موت تو سب طریقوں میں ایک سا ہے۔ ہم یہاں ان پانچ مراقبوں کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مراقبہ وحدانیت

اسکا طریق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو کہ لاشریک لہ اسکا مبین ہے ہر جگہ لحاظ

کرے کہ ہر زمان و مکان میں وہی ذات پاک یگانہ و بے ہمتا موجود ہے اور اس ملاحظہ کی تین صورتیں ہیں (۱) اول یہ کہ ہر چیز کی نفی کر کے اسکی جگہ حق تعالیٰ کے وجود کو سمجھے، (۲) دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کو ان چیزوں کا عین خیال کرے، یہ دونوں طریق مراد نہیں بلکہ ان دونوں طریقوں سے پرہیز اور اجتناب لازم سمجھے اور تیسری صورت جو اس جگہ مراد ہے وہ یہ ہے کہ اسکے وجود کو تمام اشیاء کا غیر ہر جگہ میں تصور کرے نہ ان چیزوں کی نفی کرے اور نہ انکو عین خداوند تعالیٰ کا جانے۔ مثال اس طرح ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس معنی سے فارسی میں لفظ ہست کے ساتھ اور لفظ ہندی میں لفظ ہے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ معنی ہر جگہ موجود ہے اور کسی چیز کا عین نہیں بلکہ ہر چیز کا غیر ہے باوجود آنکہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں۔ (صراط مستقیم ص:۱۶۲)

(۲) مراقبہ صمدیت

مراقبہ وحدانیت کے استحکام و استقرار کے بعد مراقبہ صمدیت کرے اور اس کے دو مرتبے ہیں ایک ابتداء اور ایک انتہا۔ اسکی ابتدا سے تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام چیزوں کے محتاج ہونے اور اسکے تمام اشیاء سے مستغنی اور بے نیاز ہونے کا اجمالاً ملاحظہ کرے پس جب یہ مرتبہ مستحکم ہو جائے تو اسکی انتہا کے حاصل کرنے کی طلب کرے اور اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے محتاج ہونے کا اس کی طرف تمام امور معاش و معاد میں تفصیل وار ملاحظہ کرے بایں طور کہ یہ ملاحظہ نہایت محبت اور الفت اور نہایت عجز و زاری کے ساتھ ملا ہوا ہو یعنی اس طرح ملاحظہ کرے کہ مجھے ہر چیز میں اسکی طرف حاجت ہے اور اسکی امداد و اعانت کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں ہوسکتا خواہ بڑا کام ہو یا سہل اور ہلکا سا کام ہو، امور معاش سے ہو یا معاد سے اور اس مراقبہ سے اسکو بڑی الفت اور محبت اور ایک راہ جناب کبریائی میں حاصل ہو جائے گی کہ اپنی جان اور مال اور عزت و آبرو کو اسکی مرضی میں بلکہ صرف اس کے نام پر فدا کرنا سہل اور آسان معلوم ہوگا بلکہ اسکو اپنے فخر و اعتبار اور عزت و مرتبے کی ترقی کا سبب شمار کرے گا۔ اور یہ اس امر کے اعتقاد میں بخوبی مستقر و مستحکم ہو جائے گا۔ (ایضاً)

(۳) مراقبہ نور

طریق یہ ہے کہ اس نور کو کہ استقرار کے بعد عرش کے اوپر فائض ہو کر تمام عالم کو محیط ہو گیا ہے اسی نور میں مراقبہ کرے اور ذکر کو چھوڑ دے اور مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ اپنی نفی

اور تمام عالم کی نفی جو نور مذکور کے احاطہ کے طفیل ہوئی تھی قصدی لحاظ سے ملحوظ کر کے اسے اس طرح اپنے قابو میں لائے کہ اولاً بدوں لحاظ کے بھی اپنی اور تمام کائنات کی نفی اسے آسان ہوجائے اگرچہ نفی اس نور سے منفک نہیں ہوتی لیکن اس شخص کو چاہیے کہ نفی کو مقصود ولذاتہ بنا کر شغل نفی کو مستحکم کرے پھر استحکام نفی کے بعد یا توحید صفاتی ظاہر ہوگی یا انوار کا مشاہدہ ہوگا۔ دوسرا طریق مطلب یابی کا راستہ ہے پس جس طریق پر (پہلے مذکور ہوا) ان نورانی حجابوں سے تجاوز کرتا جائے تاکہ سب سے اخیری حجاب سے جو نسبت بیرنگی سے نامزد ہے فائز ہو اگرچہ اس طریق کی نسبت کو مہتاب کے نور کے ساتھ جو پھیلا ہوا ہو تشبیہ دیتے ہیں لیکن فی الحقیقت بے رنگ ہے ایک گونہ رنگ جو معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرتے ہی نامعلوم ہوجاتا ہے کوئی رنگ خیال میں نہیں گذرتا اور جب اس حجاب اخیر سے بھی تجاوز واقع ہوجائے گا تو ذات بحت کا وصول جو منتہائے سلوک ہے متحقق ہوجائے گا۔ (ایضاً ص: ۱۷۴)

(۴) مراقبہ عظمت

جب حب ایمانی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اس وقت طالب کی ہمت کا بلند پرواز طائر اس راہ کے مشہور ترین نشان اور اس طریق کے واضح ترین علامات پر جسکا نام فنائے ارادت ہے پہنچ جائے گا۔

جب فنائے ارادہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسکی علامت یہ ہے کہ طالب محدثین اور شہداء کے زمرہ میں داخل ہوجائے اس وقت مراقبہ عظمت شروع کرے، بیان اسکا اس طرح ہے کہ جس طرح سالکان راہ ولایت پہلے ملکہ یادداشت کے حاصل کرنے میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل کی توجہ لگی رہنا اور بعد اس سے کہ یادداشت کا ملکہ انکے نفس کی صلب میں راسخ ہوجاتا ہے اس وقت اسکو بعض صفات کے ساتھ ممزوج کرتے ہیں جیسے (۱) اس ذات منبع البرکات کا تمام کائنات پر احاطہ کرنا، (۲) مظاہر متعددہ میں ظاہر ہونا، (۳) یا کثرت کونیہ کا اس ذات سے صادر ہونا، (۴) یا اس طالب کی نسبت اس ذات کا قرب اور معیت وجودیہ۔ اسی طرح اس طالب یعنی طالب راہ نبوت کو چاہیے کہ بعد حصول ملکہ یادداشت کے صفت سلطنت اور حکومت کو ضم کرے اور مضمون آیت:

لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض

اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں،

وله ما سكن فى الليل و النهار

اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں،

وهو الله فى السمٰوات و فى الارض

اور وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں،

يعلم سركم و جهركم

جانتا ہے تمہارے چھپے اور کھلے کو......

کو ملاحظہ کرے اور معیت قرب علمی کو اپنے پیش نظر رکھے اور اسکی سلطنت و حکومت کا انبساط آسمان اور زمین پر اور خشکی اور سمندر اور آبادی اور ویرانہ اور بسیط اور مرکب اور اپنے اندر اور باہر کی ہر جگہ مساوی اور برابر سمجھے پس جو حرکت اور سکون کہ اس سے یا اس کے غیر سے صادر ہو صرف اس حرکت یا سکون کے صادر ہونے سے یہ مضمون اسکے تہہ دل سے اٹھ کھڑا ہوتا ہو کہ اسکو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو خلوات اور جلوات بلکہ تمام حالات میں اکیلا اور تنہا نہ سمجھے بلکہ اسکا حال اس آدمی کے حال کی طرح ہوتا ہے کہ اسکے ہمراہ ہمیشہ ایک ایسا شخص لگا رہتا ہے کہ اسکو اس آدمی کے ساتھ علاقہ ابوت کا بھی ہے اور علاقہ تربیت کا بھی اور علاقہ ولایت کا بھی ہے اور علاقہ سلطنت کا بھی اور علاقہ آقائی کا بھی اور استاذی اور پیری کا بھی اور علاقہ محبیت اور محبوبیت کا بھی (یہ بیک وقت سات رشتے ہیں)۔

اور یہ سالک صرف قرب وجودی پر اکتفا نہ کرے یعنی محض اس قدر جان لینا کہ وہ شخص میرے ساتھ موجود ہے اس راہ میں کفایت نہیں کرتا بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ شخص دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور مطیع کی اطاعت اور مخلص کا اخلاص قبول فرماتا ہے اور اس پر تحسین و آفرین کرتا ہے اور آخرت میں ثواب جزیل اور دنیا میں قرب اور وجاہت اسکو عطا فرماتا ہے اور اسکو اپنے خاص غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور گنہ گار کی نافرمانی کو رد کرتا ہے اور اس پر لعنت اور نفریں بھیجتا ہے اور آخرت میں عذاب شدید اور دنیاوی دوری اور خواری اسکو نصیب ہوتی ہے اور اسکو کفران نعمت کے زمرہ سے شمار کرتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو سہل سی طاعتوں کے سبب جو کمال اخلاص اور نہایت فرمانبرداری سے ملی ہوئی ہوں معاف کر دیتا ہے

اور بڑی بڑی بندگیاں چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سبب سے جو خباثت نفس اور مخالفت حق سے ملے ہوئے ہیں حبط اور برباد کردیتا ہے غرض کہ نکتہ گیری اور نکتہ نوازی اسکی شان ہے۔

یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ طالب راہ نبوت کو لازم ہے کہ اس مضمون کا تفصیل سے اپنے ذہن میں تصور کرے حاشا و کلا تصورات عقلیہ سے کیا کام نکلتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حال اس طالب کا اپنے تمام احوال میں اس شخص کے حال کی طرح ہو جائے جو ایسے شخص کا ملازم ہو جسکے اوصاف پہلے مذکور ہو چکے ہیں اور اسی طرح حق سبحانہ کی سلطنت کے تمام کائنات پر انبساط کے ملاحظہ سے صرف یہی مقصود نہیں کہ اسکو اپنے ذہن میں تصور کر کے فقط اذعان عقلی کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح آفتاب ریگستان کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں اور بحر زخار کی امواج میں سے ہر موج میں چمکتا ہے اور دیکھنے والے کے خیال میں اس طرح گذرتا ہے کہ ایک نور کا دریا موجزن ہے اسی طرح فیاض رحمان کی تدبیر واحد جو تمام کائنات پر مبسوط ہے جہاں کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں جلوہ گر اور تمام علویات وسفلیات میں بلحاظ مجموعی وفرادی نمایاں ہو جائے۔ (صراط مستقیم ص: ۲۲۳، ۲۲۵)

(۵) مراقبہ الوہیت

آیئے مراقبہ الوہیت کی حقیقت بھی دیکھیں۔ حضرت سید احمد شہید فرماتے ہیں:۔

جب مراقبہ عظمت اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسکے کمال کی علامت یہ ہے کہ توکل کی روح اسکے ساتھ لگ جائے اور بعض ارباب کمال اس مقام میں زمرہ اہل خدمات میں بھی داخل ہو جاتے ہیں اس وقت مراقبہ الوہیت کو شروع کرنے اسکی تصویر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے شئون بے شمار ہیں منجملہ انکے شان حلم کی ہے کہ باوجود مخالفین کی سخت مخالفت کرنے کے انکے مواخذہ اور پاداش میں جلدی نہیں فرماتا اور منجملہ انکے شان عفو ہے کہ ہر چند گنہ گار لوگ فاحش ترین قبائح اور بدترین معاصی کے مرتکب ہو جاتے ہیں لیکن جب نیاز کی پیشانی نہایت انکسار کے ساتھ اسکی دہلیز پر آ گرتے ہیں اور اخلاص دل سے توبہ کرتے ہیں تو وہ رحیم مطلق انکے گناہوں سے درگزر کر کے اس تائب کو اپنی کنف رحمت میں کمال عنایت اور مہربانی سے پرورش کرتا ہے اور اس ناشائستہ گناہ کو نسیا منسیا کردیتا ہے اور عذاب کو انعام سے بدل دیتا ہے۔

اور منجملہ انکے شان فیض عموم کی ہے جیسے بارش کا برسانا اور کھیتوں کا اگانا وغیرہ وغیرہ کہ کامل اور ناقص اور مطیع اور عاصی اور محبّ اور معاند اور مکلف اور غیر مکلف اس میں شرکت رکھتے ہیں اور اسکے دریائے رحمت نے سب کو گھیر لیا ہے اور آیت و رحمتی وسعت کل شیئ (پ:۹، الاعراف:۱۵۶) اور میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے۔ اس عموم رحمت کے بیان سے ایک حرف ہے۔

اور منجملہ شیون الٰہی کے شان وسعت ہے کہ نفس کاملہ انسانیہ میں وسعت حوصلہ اسکا ایک نمونہ ہے، بیان اسکا یہ ہے کہ جس طرح بعض نفوس کاملہ بشریہ وسعت صدر میں نہایت اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم اور رنگارنگ واقعات کے درپیش ہونے اور طرح طرح کے کارخانوں کے اہتمام سے تنگدل اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہر ہر امر کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر ایک معاملہ کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں اور ہر ایک کارخانہ کو اسی حد پر رکھتے ہیں جو اسکے لائق ہے نہ اس قدر افراط کرتے ہیں کہ تمام ہمت سے ایک ہی کارخانہ کے اہتمام میں غرق ہو جائیں اور دوسرے کارخانہ کو برباد کر دیں یا ایک کارخانہ والوں کو اتنا تسلط دے دیں کہ دوسرے کارخانہ والے رعایا کی طرح انکے ہاتھ میں مقہور ہو کر اصل مالک کارخانہ کو فراموش کر دیں، نہ اتنی تفریط کریں کہ کارخانہ بالکل بے رونق ہو جائے اور اس کارخانہ کے کارندے ذلیل وخوار ہو کر گمنام اور بیکار بیٹھ رہیں اور اسی طرح لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک مزاج اور استعداد والے اور ہر قسم کی غرض اور حاجت والے کے ساتھ اس وضع سے پیش آتے ہیں کہ انکے مناسب حال ہے اور اس قسم کا معاملہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس شخص کی استعداد کا پیالہ پُر ہو جاتا ہے اور اسکے ذہن میں اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ جو خصوصیت مجھے انکے ساتھ حاصل ہوگئی کسی دوسرے کو اگرچہ خدمت اور مرتبہ میں مجھ سے اعلیٰ اور افضل ہو حاصل نہیں ہوئی۔

الغرض اس کلام کے مغز کو دریافت کر کے وسعت حوصلہ کے معنی کو خوب ذہن نشین کرنا چاہیے۔ بعد ازاں سمجھنا چاہیے کہ جس قدر کارخانہ خدائی اور ان نفوس کاملہ میں فرق ہے اسی قدر وسعت الٰہیہ اور ان بزرگوں کے وسعت حوصلہ میں فرق ہے اور جس کسی نے وسعت الٰہیہ کا معنی خوب سمجھ لیا وہ جس قدر رنگارنگ کارخانوں اور گوناں گوں معاملات پر اطلاع پائے گا اسی قدر انبساط وسعت الٰہیہ اسکے ذہن میں قرار پکڑے گی۔

اور منجملہ شیون الٰہیہ کے دشمنوں کی دشمنی کی پروانہ کرنا ہے کیونکہ حضرت حق کے دشمن اور اس جواد مطلق کے کافر نعمت اس منعم حقیقی کی مخالفت اور اس مالک تحقیقی کے اوامر کی نافرمانی اور اسکے احکام شرعیہ کے مقابلہ اور انبیاء علیہم السلام کی تحقیر میں کس قدر کوشش کرتے ہیں اور وہ جواد مطلق اپنی بخشش اور جود کا دروازہ ان بدبختوں پر بند نہیں کرتا اور اپنی ولایت اور کفالت کی حفاظت سے ان کو نہیں نکالتا بلکہ اگر بطریق تادیب کے ایک طرح سے ان پر مواخذہ کرتا بھی ہے تو اور ہزاروں طریق سے بیشمار نعمتوں کا ان پر فیضان کرتا ہے۔ (صراط مستقیم ص: ۲۲۷، ۲۲۹)

ایک شبہ کا ازالہ

حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا ارشادات میں لفظ ''راہ نبوت کا طالب'' کا بہت ملتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کی کچھ تفصیل بھی ساتھ ہی کردی جائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کے دو طریق ہیں (۱) راہ نبوت، (۲) راہ ولایت۔ راہ نبوت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کیلئے حضرات انبیاء کرام نے جو راستہ اپنایا وہ درس و تدریس اور نقل و روایت کا راستہ ہے اس راستہ کو اختیار کیا جائے اس راستے پر چلنے والے عام طور پر فقہاء عظام اور علماء کرام ہیں اور کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں علماء اور فقہاء اس راستے پر نہ چلے ہوں اور اس پر چل کر خدا تک نہ پہنچے ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے العلماء ورثة الانبیاء ارشاد فرماتے ہوئے اسی کا بیان کیا ہے کہ انبیاء جن راستوں سے گزرے ہیں علماء انہی راستوں کے وارث ہیں اسکا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس راہ پر چلنے والا مقام نبوت پر آجاتا ہے، نہیں! یہاں اس طریق کا بیان ہے جس سے بندہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

اور راہ ولایت سے مراد وہ طریق ہے جو صوفیہ کرام اور اہل دل لوگوں کی راہ ہے اس راہ سے بھی خدا کی محبت اور اسکی معرفت حاصل ہوتی ہے اللہ کے ہزارہا بندے راہ ولایت سے اس تک پہنچے اور اسکی محبت میں اپنے آپ کو لٹا دیا تھا۔

یہ دونوں سلسلے انبیاء کے ہیں، ولایت کے طالب بھی اپنے سامنے دونوں رستے پاتے ہیں ایک راہ نبوت اور ایک راہ ولایت۔ شاہ اسمٰعیل شہید نے صراط مستقیم کا تیسرا باب راہ ولایت کے سلوک میں اور چوتھا باب سلوک راہ نبوت پر باندھا ہے اور سلوک راہ نبوت سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سالک اخیر میں مقام نبوت پالیتا ہے۔ جو حضرات اسکی تفصیل دیکھنا

چاہیں وہ صراط مستقیم کا مذکورہ باب ملاحظہ فرمائیں۔

سوانبیاء راہ نبوت سے بھی خدا تک پہنچتے ہیں اور راہ ولایت پر بھی ان کا سفر رہتا ہے، یہ امتی ہیں جن میں کچھ راہ نبوت پر چل کر العلماء ورثۃ الانبیاء کا مصداق بن جاتے ہیں اور کچھ راہ ولایت پر اپنا سفر طے کرتے ہیں اور اہل دل لوگوں میں وہ اپنی جگہ پالیتے ہیں۔ علم کی راہ سے محنت کرنا ہر کسی کو میسر نہیں آتا لیکن محبت الٰہی کی آگ تو ہر دل میں بھڑک سکتی ہے۔

مراقبوں کے اثرات

مراقبوں کے آثار تین طرح پر ظاہر ہوتے ہیں اول یہ کہ جس چیز کا مراقبہ طالب حق کرتا ہے اسی چیز کے لوازم اسکے نفس میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اسکی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کریم ایک لطیف غذا کھا رہا ہو اور ایک بھوکے مفلس نے سوال کی نگاہ اس غذا پر لگائی ہو اور نہایت طمع کے ساتھ اسے تاک رہا ہو تو ضرور ہے کہ وہ کریم النفس اس غذا کا ایک آدھ لقمہ اس مفلس کو دے دے گا، اسی طرح جب طالب حق اپنی بصیرت کو نہایت خواہش اور کمال طلب سے شئون الٰہیہ میں سے کسی شان پر لگا دے تو البتہ اس شان کے لوازم اور اس کے آثار میں سے کچھ حصہ طالب کی استعداد کے اندازہ پر اسکے نفس کے آئینہ میں منعکس ہو جاتا ہے۔ اگر مراقبہ عظمت کیا ہو تو اسے ملاء اعلیٰ میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر اس نے مراقبہ الوہیت کیا ہے تو اسکو وسعت حوصلہ اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ کرنے اور عفو وحلم کا ملکہ ہاتھ آجاتا ہے۔

دوسرا طریق اس طالب کو مقبولیت عامہ کا حاصل ہو جانا ہے اور ملاء اعلیٰ اور ملاء اسفل اور ارواح مقدسہ اور قلوب صلحاء میں اسکا ہر دل عزیز ہو جانا ہے۔

تیسرا طریق نوافل عطایا کا طریق ہے جس طرح کسی مفلس نے ایک منعم کے لذیذ کھانوں اور مزیدار میووں اور عمدہ پوشاکوں کی طرف آنکھ لگائی ہو تو مالک نے ان چیزوں میں سے بھی ایک لقمہ اسکو بخش دیا اور کچھ نقد بھی دے دیا (حالانکہ اس پر اسکی نگاہ انتظار نہ تھی) ان بخششوں کو جن کے حاصل ہونے کی امید نہ تھی نوافل عطایا کہتے ہیں۔

یہ نوافل عطایا کسی قاعدہ اور قانون میں جس کو عقول بشریہ ادراک کرسکیں ضبط نہیں ہوسکتے کیونکہ اس عطیہ نافلہ کی تعیین اس مراقبہ کے آثار کی مناسبت پر منحصر نہیں بلکہ اس طالب کی استعداد کی مناسبت پر موقوف ہے۔ (صراط مستقیم ص: ۲۳۰، ۲۳۱)

مراقبہ کیا ہے؟ یہ خدا کے حضور گردن جھکانے کا نام ہے، اس میں کہ اپنے اعمال پر نادم ہو یا اللہ کے حضور سراپا نیاز ہو کر جھکتا ہو یا ان شئون میں نظر کرتا ہو جو سالک کے گرد ہر آن ظہور پذیر ہیں۔

مراقبہ کیا ہے؟

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اس دور میں سب سے زیادہ مؤثر مراقبہ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی شارح مثنوی مولانا روم جو تقریباً سب اکابر علماء دیو بند اور جناب پیر مہر علی شاہ صاحب کے مرشد عام تھے، کا ہے۔ افادہ عام کے لیے ہم اس کے کچھ اشعار بھی ہدیہ قارئین کیے دیتے ہیں۔

نالۂ امداد غریب مرشد عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

الٰہی یہ عالم ہے گلزار تیرا
عجب نقش قدرت نمودار تیرا
عجب رنگ بے رنگ ہر رنگ میں ہے
یہ ہے رنگ صنعت کا اظہار تیرا
یہ نقشہ دو عالم کا جو جلوہ گر ہے
ہے پردے میں روشن سب انوار تیرا
بہر رنگ ہر شے میں ہر جا پہ دیکھو
چمکتا ہے جلوہ قمر وار تیرا
تو ظاہر ہے اور لاکھ پردے میں تو ہے
تو باطن ہے اور سخت اظہار تیرا
تو اوّل تو آخر تو ظاہر تو باطن
تو ہی تو ہے یا کہ آثار تیرا
نہیں دیکھتا کچھ وِلے دیکھتا ہوں
ہر اک جا پہ نقشہ طرحدار تیرا

عفو کس سے چاہے گنہگار تیرا
کہو کس سے چھوٹے گرفتار تیرا
نگاہ کرم تک بھی کافی ہے تیری
اگرچہ ہوں بندہ بہت خوار تیرا
مرض لا دوا کی دوا کس سے چاہوں
تو شافی ہے میرا میں بیمار تیرا
الٰہی میں سب چھوڑ گھر بار اپنا
لیا ہے پکڑ اب تو دربار تیرا
کہا جاوے جس کا نہ ہو کوئی تجھ بن
کسے ڈھونڈے جو ہو طلب گار تیرا
نہ پوچھے سوا نیک کاروں کے گر تو
کہاں جاتا بندہ ناچار تیرا
رہے گا نہ کچھ نقد عصیاں سے میرا
لگے گا جو رحمت کا بازار تیرا
جہاں لطف گل ہے وہیں خار غم ہے
ہے گل خار میں گل میں ہے خار تیرا
خوشی غم میں رکھی اور غم خوشی میں
عجب تیری قدرت عجب کار تیرا

اعمال الاحسان ساتواں عمل ضرب نوافل کا ہے اس کا ذکر صریح طور پر صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ہم اس پر اس مضمون اعمال الاحسان کو ختم کرتے ہیں۔ اعمال الاحسان میں ان باتوں کو لانا جن کی اصل صحابہ کرام کبار تابعین اور ائمہ اربعہ سے نہیں ملتی۔ وہ اس راہ میں لائی گئی بدعات ہیں۔ جن میں بقول حضرت امام ربانی اور میرے ہی اندھیرے ہیں۔

(۷) قرب نوافل

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

ظاہر ہیں جو ظلم نظر آئے اور بے موقع کام سمجھا جائے وہ بھی نہیں کرتا نہ کسی بے قصور کو پکڑتا ہے نہ کسی کی ادنی نیکی کو ضائع کرتا ہے اپنی حکمت بالغہ سے نیکی اور بدی کے ہر ایک درخت پر وہی پھل لگاتا ہے جو اس کی طبیعت نوعیہ کا اقتضاء ہو۔

اسلام میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ عبادات بہت ہیں مگر بہترین پیرایہ عبادت نماز ہے، اخلاصِ نیت اسکی ابتداء ہے اور آیات الٰہی تک پہنچنا اسکی انتہاء ہے۔ نمازی جب نماز ختم کرے تو یوں دکھائی دے جیسے ابھی اس جہاں میں آ رہا ہے اور دوسروں کو سلام کر رہا ہے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ رہا ہے، یہ پہلے کہیں اور تھا۔ آیات الٰہی کے یہ جلوے حضرت عمرؓ اپنی نماز میں عام دیکھتے تھے۔ سالک احسان کا کامل ترین مقام نماز میں ہی پاتا ہے اسے **أن تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** کی حقیقت نماز میں ہی ملتی ہے۔ کھڑے ہوکر ایاک **نعبد** کا اقرار عبادت نماز میں ہی کیا جاتا ہے۔

نماز میں فرائض کی ادائیگی ایک حکم ہے اور نوافل کی ادائیگی محبت الٰہی میں اپنا ایک اٹھتا قدم ہے۔ فرض نماز ہر مسلمان ادا کرتا ہے اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کے دائرۂ محبت میں آ جاتا ہے لیکن نوافل کی سعادت کسی قلب خاشع اور سالک طالب کی ہی قسمت میں ہوتی ہے۔ یہ قرب نوافل ہے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی گود میں جا بٹھاتا ہے جیسی وہ ذات بے مثال ہے ایسی اسکی گود بے مثال ہے یوں سمجھئے جیسے سالک کہتا ہے:۔

اے مرے محبوب میرے دلربا   مجھ کو آغوش محبت میں بٹھا

حدیث قدسی میں ارشاد ربانی ہے:۔

وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی أحبته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده الذی یبطش بها ورجله الذی یمشی بها وان سالنی لأعطینه ولئن استعاذنی لأعیذنه وما ترددت عن شیئ أنا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت وأنا اکره مساء ته ولا بد له منه

(صحیح بخاری ج:۲،ص:۹۶۳)

ترجمہ: اور میرا بندہ نوافل سے برابر میرے قرب میں آتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنی محبت میں لے لیتا ہوں جب میں اسے اپنی محبت میں لے لوں (جو اسے قرب نوافل سے ملی) تو میں اسکا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی کو ہاتھ میں لیتا ہے اور اسکا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے جو وہ مانگے میں اسکو دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ میں آئے میں اسے پناہ دیتا ہوں اور میں نے اپنی ناپسندیدگی میں اس جیسا کوئی کام نہیں کیا کہ اس مومن کی جان لوں جو موت نہیں چاہتا اور میں اسکے اسے برا سمجھنے کو ناپسند کرتا ہوں مگر اسے اس سے چارہ نہیں۔

انتہاء درجے کی یہ معیت سالک کو قرب نوافل سے نصیب ہوتی ہے اس سے پہلے وہ قرب فرائض سے اللہ تعالیٰ کے دائرۂ محبت میں آچکا۔ مذکورہ بالا حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:۔

وما تقرب عبدی بشیئ احب الی مما افترضت علیه

ترجمہ: میرے بندے نے اس سے زیادہ میرے کسی پسندیدہ طریق سے میرا قرب نہیں چاہا جتنا اس عمل سے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرب فرائض سے بندہ اللہ تعالیٰ کے اس مقام محبت میں آتا ہے کہ اسکے آگے محبت کی کوئی اور منزل نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی معیت اسے قرب نوافل سے ہی ملتی ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انکے مقام ولایت کی اس طرح تصدیق کی، اس

حدیث سے پہلے یہ الفاظ بھی موجود ہیں:۔

من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب

ترجمہ: جس نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی میری طرف سے اسے اعلان جنگ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ جنگ اسے کس قعر میں گراتی ہے اور کیسے گراتی ہے یہ ہمارا اس وقت کا مبحث نہیں، ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قرب فرائض سے ملتی ہے اور قرب فرائض میں وہی آسکے گا جسکی نماز ایسی مرتب ہو کہ درمیان سلسلہ کسی اینٹ کا خلا نہ ہو اور یہ وہ نماز ہے جو بلا عذر شرعی کبھی جماعت کے بغیر نہ ہوئی ہو۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اقیموا الصلوۃ کے حکم کے تحت نماز قائم کی اور اس میں حضور ﷺ کی اتباع نمازی کو اللہ کے دائرہ محبت میں لے آئے گی:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم (پ:۳،آل عمران:۳۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو یہ میری اتباع میں ہے اس سے خدا تمہیں اپنا پیار دے گا اور تمہارے گناہ بخشے گا۔

حضور ﷺ کی سب سے بڑی اتباع نماز میں آپ کی پیروی ہے اور اس آیت میں قرب فرائض سے اللہ تعالیٰ کے دائرہ محبت میں آنے کا اشارہ دیا گیا ہے.... اللہ کی معیت اس سے بھی آگے کی ایک منزل ہے اور یہ مقام ولایت حسب تصریح حدیث قدسی قرب نوافل سے ملتا ہے۔

اعمال الاحسان میں ساتواں عمل قرب نوافل ہے اس کا ذکر صریح طور پر صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اعمال الاحسان میں ان باتوں کا لانا جن کی اصل صحابہ کرام یا تابعین کبار اور ائمہ اربعہ سے نہیں ملتی وہ اس راہ میں لائی گئی بدعات ہیں۔ جن میں بقول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ہم ان شاء اللہ آسانی توجہات کے بعد ان بدعات کی کچھ نشاندہی کریں گے۔ **واللہ الموفق لما یحبہ و یرضی بہ**

مراقبہ کی کھڑکی سے

خدا کو دیکھنے کی آٹھ فطری راہیں

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

مقام احسان کا بڑا درجہ یہ ہے کہ عبادت کرتے بندہ اس طرح ہو گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے، یہ نہیں کہ وہ واقعی خدا کو دیکھ رہا ہو، وہ محسوس کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں جلوہ گر ہیں اور وہ اس طرح شئون الٰہی کا نظارہ کر رہا ہے۔ **ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک**

اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے آٹھ فطری دروازے اس آیت میں کھولے ہیں، ان پر سالک غور کرے تو احسان کی راہ اس پر کھلنے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یہ آٹھ جلوے سالک کو خدا تعالیٰ کی معرفت کی آغوش میں لا بٹھاتے ہیں:۔

(۱) ان فی خلق السموات والارض (۲) واختلاف اللیل والنهار (۳) والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس (۴) وما أنزل اللّٰه من السماء من ماء (۵) فأحیا به الارض بعد موتها (۶) وبث فیها من کل دابة (۷) وتصریف الریاح (۸) والسحاب المسخر بین السماء والارض لأیات لقوم یعقلون

(پ:۲،البقرۃ:۱۶۴)

ترجمہ: بیشک زمین اور آسمان کی پیدائش میں...... اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں...... اور کشتیوں میں جو لے کر چلتی ہیں لوگوں کے کام

کی چیزیں......اور پانی میں جسکو اتارا اللہ نے آسمان سے.....اور زندہ کیا اس سے زمین کو اور وہ مردہ ہو چکی تھی...... اور پھیلائے اس نے زمین میں ہر قسم کے جانور...... اور ہواؤں کے بدلنے میں ......اور بادل میں جو آسمان و زمین میں اسکے حکم سے مسخر (تابعدار) ہوا ہوا ہے۔ بیشک ان سب میں (آٹھوں حقیقتوں میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کے) کھلے نشان ہیں اہل عقل کیلئے۔

(۱)...زمین وآسمان کی پیدائش

افلاک متعدد ہیں اور ان میں ستارے بھی متعدد ہیں، کوئی آسمان بڑا ہے کوئی چھوٹا اور اسی طرح کوئی ستارہ بڑا ہے کوئی چھوٹا، مگر جرم علوی ہونے میں سب ایک طبیعت پر پیدا ہوئے ہیں۔ پھر کسی کا رنگ مائل بہ سرخی ہے، کسی کا مائل بہ سفیدی، کسی کی حرکت ایک طرف اور کسی کی دوسری طرف اور یہ سب فلک میں برابر تیر رہے ہیں۔ **وکل فی فلک یسبحون.** (پ:۲۳، یٰسٓ:۴۰)

سیارے فضا میں اپنی اپنی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں، ان سیاروں میں کتنی دنیائیں بس رہی ہیں اور کتنی گذرگاہیں ہیں یہ ابھی تک کوئی جان نہیں سکا، قرآن کریم نے صرف یہ کہا **وما یعلم جنود ربک الا هو** (پ:۲۹، المدثر:۳۱)

سورج چاند اور زمین کی اپنی اپنی گردشیں اور سورج گرہن اور چاند گرہن کے پردے، یہ ایسا لطیف نظام ہے کہ اسے خود بخود چلنے والا نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ سب چیزیں اجسام ہیں اور ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب حادث ہے یعنی پہلے نہ تھا سو زمین اور آسمان کی تخلیق اور اس نظام کی ترتیب لازماً کسی قادر ومختار مدبر کے حکم سے وجود میں آئی ہوئی ہے، از خود نہیں چل رہی۔

یدبر الأمر من السماء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقداره ألف سنة مما تعدون (پ:۲۱، الم السجدہ:۵)

ترجمہ: وہ تدبیر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک، پھر چڑھتا ہے وہ کام اسکی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری

گنتی میں۔

پھر اس نے زمین میں جس طرح دھاتیں اور معدنیات پیدا کیں اور انسانوں نے ان سے بڑے بڑے کارخانے اور ملیں قائم کیں بھلا ان چیزوں کی بنیادی پیدائش کے بغیر انسان ان میں سے کسی چیز کے بنانے پر قادر تھا؟ کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں...اے اللہ! بیشک تو حق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۲)...دنوں اور راتوں کا اختلاف

رات جاتی ہے اور دن آتا ہے یہ رات دن کا نظام ہے، پھر کبھی رات دن میں چلی جاتی ہے (رات چھوٹی ہو جاتی ہے) اور کبھی دن رات میں چلا جاتا ہے (رات لمبی ہونے لگتی ہے) اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک ہی وقت میں کہیں دن اور کہیں رات۔ آج دنیا اپنی جملہ ترقیات اور سائنسی اکتشافات کے باوجود دنوں اور راتوں کو اپنے کنٹرول میں لینے سے قاصر ہے ناچار برطانیہ میں رہنے والوں کو خود ہی سال میں دو دفعہ گھڑیوں کو ایک گھنٹہ آگے اور پیچھے کرنا پڑتا ہے۔

پھر چاند کی پہلی دس راتوں میں ہم عجیب نظام دیکھتے ہیں کہ یہ اول میں روشن ہوتی ہیں پھر اندھیری ہوتی جاتی ہے اور اخیر کی دس راتیں ابتداء میں تاریک رہتی ہیں اور پھر روشن ہوتی ہیں اور درمیانی دس راتوں کا حال ان دونوں سے جداگانہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ خالق اضداد ہے جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے ایسا ہی تمہارے حالات و کوائف کو بھی اپنی حکمت اور مصلحت کے موافق ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر ماجدی ص: ۷۸۹)

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں...اے اللہ! تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۳)... جہازوں کی سمندروں میں روانگی اور تمام دنیا کے انسانوں کو انکی ضروریات کا پہنچنا

زمین کے جس طرح اوپر ہوا ہی ہوا ہے اسکے اردگرد پانی ہی پانی ہے، سمندر میں سے صرف چوتھائی زمین اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ہے اور اسی پر یہ پانچوں براعظم مع اپنے

اردگرد کے جزیروں کے قائم ہیں۔ افریقہ، ایشیا، آسٹریلیا، یورپ اور امریکہ سب مل کر کل زمین کا چوتھائی حصہ ہیں، جسے ربع مسکون کہا جاتا ہے۔ کہیں سینکڑوں کوسوں میل تک زمین میں سمندر کی کوئی شاخ چلی گئی ہے جس کو خلیج کہا جاتا ہے۔

دور دراز ملکوں میں جو لوگ جاتے ہیں وہ اپنے ہاں کے عمدہ عمدہ کارآمد اسباب وہاں لے جاتے ہیں اور وہاں کے اُگنے والے اور اسباب پھر اپنے ہاں لے آتے ہیں، اس نظام تجارت کی کامیابی میں بہت زیادہ دخل ان کشتیوں اور جہازوں کا ہے۔ کس نے سمندروں کو انکے اٹھانے کے لائق بنایا اور کس نے جگہ جگہ ضرورات زندگی کے پہنچنے کے اسباب پیدا فرمائے؟ پھر ان بحری جہازوں کو سمندروں میں چلتے پہاڑوں کی سی موجوں سے بچانا اور ہواؤں کو موافق رکھنا سب اسکے دست قدرت میں ہے۔ (تفسیر حقانی ج:۳، ص:۱۵)

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں.....اے اللہ! تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۴)...آسمانوں سے مینہ کا اتارنا اور اسی سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا

ہزاروں من پانی زمین سے اُٹھ کر ہوا کی گاڑی پر لدا ہوا اوپر آتا ہے اور بادل بن کر فضا کے مختلف خطوں کو گھیر لیتا ہے، فرشتے ہوا کی ان گاڑیوں میں لدے بادلوں کو حسب ضرورت ادھر ادھر لئے پھرتے ہیں۔ پھر یہ پانی پھر سے زمین پر برستا ہے اور ندی نالوں کے ذریعے دریاؤں میں اور دریاؤں کے ذریعے سمندروں میں چلا جاتا ہے پھر پانی پر سورج کی شعاعیں اپنا اثر ڈالتی ہیں اور پھر پانی ہوا کی گاڑی پر لد کر اوپر چڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں.....اے اللہ! تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۵)...زمین کے اندر اندر زندگی کے مختلف جلوے

پھر اس پانی سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس سے ہزاروں جڑی بوٹیاں، طرح طرح کے اناج، رنگا رنگ کے پھول اور مختلف ذائقوں کے پھل اگتے ہیں۔ انسان بس یہی کام کرتا ہے کہ زمین میں بیج ڈالدئے اور فصلیں ہوئیں تو کاٹ لیں اور پھل آئے تو اتار لئے لیکن زمین کے اندر اندر یہ سارا کام کس کی قدرت سے ہو رہا ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے نور آفتاب
کس نے بھردی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

باوجودیکہ ایک زمین ہے اور وہی پانی مگر ایک درخت شیریں ہے تو دوسرا تلخ بلکہ ایک ہی درخت میں کہیں سرخ پھول ہیں تو کہیں سفید، پھر نباتات میں جو کچھ دست قدرت نے گلکاریاں کیں اسکی تو نقل کرنے میں بھی بڑے بڑے نقاش حیران و سرگرداں ہیں۔ باوجودیکہ ایک مادہ ایک پانی ایک ہوا ایک آفتاب و ماہتاب کی شعاع اس پر پڑتی ہے۔ نباتات میں یہ کچھ اختلافات یہ سب نیرنگیاں اس قادر مطلق کے دست قدرت سے ہیں جو درپردہ ہر ایک کے پیچھے جلوہ گر ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید وحدہ لاشریک مے گوید

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں....اے اللہ! تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۶)...زمین پر حیوانات کا پھیلانا اور انکی ہزارہا انواع واقسام

حیوانات کی گنتی اور شمار بشر کی قدرت سے خارج ہے، ان میں توالد و تناسل سے پیدا ہونے والے بھی ہیں جیسے انسان چوپائے درندے پرندے اور تولید سے پیدا ہونے والے بھی ہیں جیسے برساتی مینڈک اور حشرات الارض، زمین کے اندر پیدا ہونے والے جیسے کیڑے اور بچھو۔

توالد و تناسل سے پیدا ہونے والے جس نطفہ سے پیدا ہوئے وہ ایک متشابہ الاجزاء قطرہ ہے، پھر وہ کون ہے جو اسی نطفہ کی تقسیم کرتا ہے، اس سے کسی قدر قلب کو کسی قدر جگر کو کسی قدر دماغ کو کسی قدر ہڈیوں کو اور کسی قدر بالوں کو حصہ دیتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ انسان کا اپنا فعل ہے جو اندر ہی اندر بن رہا ہے ہم کہیں گے کہ جو ابھی خود نہیں بنا وہ آگے عمل کیا کرے گا، پھر جب یہ انسان کامل بن کر باہر آتا ہے تو اس سے پھر ایسا ایک بال بھی نہیں بن سکتا، ایک دانت نہیں بن سکتا، سفید بال کو سیاہ نہیں کرسکتا۔

پانی پر تصویر کھینچنا کتنا مشکل کام ہے مگر اللہ تعالیٰ کی شان قدرت دیکھئے کہ نطفہ ایک قطرہ ہے یہ وہی قادر مطلق ہے جو پانی پر تصویر کھینچتا ہے اور بچوں کی شکلیں باپ یا ماں کے مشابہ اتر جاتی ہیں۔

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں...اے اللہ! تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۷)...ہواؤں کا جہات مختلفہ میں چلنا

جس طرح بارش مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے تصریفِ ریاح (ہواؤں کا ادلنا بدلنا) متعفن فضا کو تازہ کردیتا ہے۔ بارشوں سے نباتات کی زندگی ہے تو تصریف ریاح سے انسانوں اور جملہ حیوانات کی زندگی ہے۔ یہ ہوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں آہستہ آہستہ متعفن ہوجاتی ہے اگر یہ ایک جگہ رکی رہے تو اس جگہ کوئی زندہ نہ رہ سکے۔ ہوا زہریلی ہوجاتی ہے، دست قدرت ان ہواؤں کو ادلتا بدلتا رہتا ہے اور انسان پھر تازہ ہوا میں سانس لینے لگتا ہے۔ ہوائیں جب مٹی یا ریت کو چھوکر آگے بڑھتی ہیں یا اس سے رگڑ کھاتی ہیں تو تازہ ہوجاتی ہیں ریت اور مٹی انکے زہریلے اثرات کو اپنے میں جذب کر کے ختم کردیتی ہیں۔ اسی طرح ہوائیں جب درختوں سے ٹکراتی ہیں تو انکے پتے بھی ہوا کو صاف کرتے ہیں۔ سو ہواؤں کی گردش اور آندھیوں کا زور متعفن فضا کو صاف کرنے میں اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔ جب آندھیاں چلتی ہیں تو گھروں کے تاریک سے تاریک گوشے میں انکی ہوا پہنچتی ہے۔ اگر یہ زوردار ہواؤں کا چلنا اور کبھی آندھیوں کی صورت اختیار کرنا نہ ہوتا تو ربع مسکون پر زندگی بہت مشکل ہوجاتی۔

پھر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ گرم اور سرد ہواؤں کے چلنے سے موسموں پر کیا اثر پڑتا ہے اور تیز لو کے چلنے سے کس طرح فصلیں پکتی ہیں، الغرض تصریف ریاح میں سینکڑوں حکمتیں پوشیدہ اور ظاہر ہیں۔

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں....اے اللہ! تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۸)... ہزارہا من کے بادل زمین وآسمان میں مسخر کھڑے ہیں

پانی کی فطرت نیچے بہنا ہے مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ یہ کس طرح ہوا کی سواری لے کر بادلوں کی صورت میں آسمان اور زمین کے مابین مسخر کھڑا ہے، وہیں یہ برسے گا جہاں اذن الٰہی ہوگا اور اسی قدر برسے گا جس قدر خدا تعالیٰ نے چاہا۔ فضا میں کس کی قوت ان

بادلوں کو تھامے ہوئے ہے اور کس کی تقسیم انہیں پھیلائے ہوئے ہے، کہاں یہ پانی فصلیں اگائے گا اور کہاں یہ درختوں پر پھل لائے گا اور کہاں اس سے ندی نالے چلیں گے اور ان سے حیوانات نہائیں گے اور کہاں کہاں اسکے تالاب بنیں گے جہاں سینکڑوں ہزاروں مویشیوں کے پانی پینے کے گھاٹ ہونگے؟

یہ خدا کی وحدانیت اور اسکی صفات کمالیہ پر آٹھ وہ آفاقی شہادتیں ہیں جن سے تمام نعمتوں اور کل بھلائیوں کا خدا کی طرف سے پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی لکھتے ہیں:۔

> مرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے اور یہی اصل ہے مراقبہ صوفیہ کی۔ (تفسیر ماجدی ص:٦٢)

مراقبہ کی کھڑکی سے خدا ان مراقبین کو نظر آ جاتا ہے۔

آسمان ٹھوس مادی اجسام ہیں یا خلاء میں محض حد نظر ہیں، کچھ بھی ہو ہر صورت میں انکی وضع، ساخت، ترکیب، ہیئت انسانی دسترس سے بالا نظر آتی ہے اور گنتی شمار سے باہر۔ کواکب و سیاروں کے سکون و حرکت کا نظام کون قائم کئے ہوئے ہے؟ ستاروں کی روشنی اور انکے طلوع وغروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے ہے؟ نظام فلکی کے بیشمار اجزاء وعناصر ہیں یہ ترکیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت وصنعت کے دم سے قائم ہے؟ گرمی وسردی اور برسات ہر موسم میں انکے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون لاتا ہے؟ یہ تسلیم کرنے سے چارا نہیں کہ اللہ تعالٰی نے اس کائنات میں اپنے آپ کو اپنی قدرتوں میں ظاہر کیا ہے۔ (تفسیر ماجدی ص:٦١)

اب جتنی خدا کی قدرت ہمارے سامنے جلوہ پیرا ہے اتنی ہی اسکی عظمت ہمارے دل و دماغ میں اور اترتی ہے اور اسی وقت اگر ہم اپنے آپ کو عاجز اور کمزور محسوس کریں اور زیادہ سے زیادہ تعظیم کے ساتھ اللہ رب العزت کے آگے جھکیں تو حب عقلی اور حب ایمانی جمع ہوگئے اور یہ معرفت الٰہی کا نقطۂ آغاز ہے۔ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیلؒ شہید لکھتے ہیں:۔

عجائبات قدرت کے دلآویز نقشے میں دھیان جمانا

جب یہ فکر حد کمال کو پہنچ جاتا ہے تو الفت شدید تعظیم مفرط کے ساتھ ملی ہوئی اسکے دل کی تہہ میں سے سر نکالتی ہے اور اسکے سب قوی باطنہ کو مضمحل کردیتی ہے اور ایک ایسی

حالت طاری ہوجاتی ہے کہ اسکی تشبیہ بجز گھل جانے نمک کے پانی میں یا اضمحلال شبنم کے آفتاب کے سامنے اور کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی اور اسکی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ اگر اوپر دیکھتا ہے تو آیات عظمت وانعام کی پاتا ہے اور اگر پاؤں کے نیچے دیکھتا ہے تو آثار عظمت و انعام دیکھتا ہے اور اگر اپنے اندر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے باہر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے آپ کو اسکی خدمت اور اسکے انعام کے شکر میں خاک کے برابر کردے بلکہ خاکستر برباد بناڈالے اور پھر اس سعی بلیغ کو اپنے خیال میں اسکے انعامات سے موازنہ کرتا ہے اور عقل کی ترازو میں اسکی عظمت کے ساتھ تولتا ہے تو انفعال اور شرمندگی کا دریا اپنے دل کی پیشانی سے ٹپکا دیتا ہے اور اپنے آپ کو اس میں مستغرق جانتا ہے بلکہ اپنے جوارح اور اپنی قوتوں کو بھی منجملہ اسکی نعمتوں کے شمار کرکے اور اسکی قدرت کے عجائبات کو پہچان کر نہایت درجہ کی محبت اور تعظیم بہم پہنچاتا ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بہ کویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کہ دامنت گرفتہ بہ سوئم کشیدہ است

یعنی مجھے اپنی آنکھ پر اسلئے ناز ہے کہ اس نے تیرا جمال دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر اسلئے کہ تیرے کوچہ میں چل کر گئے ہیں میں اپنے ہاتھوں کو ہر وقت ہزار مرتبہ اسلئے چومتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر اسے میری طرف کھینچا۔

نوٹ: یہ مراقبہ صوفیہ وہ عمل سلوک ہے جس کے ثمرات زیادہ فاصلے پر نہیں اسکے ساتھ ہی ملنا شروع ہوجاتے ہیں اور انسان اس کھڑکی سے اللہ تعالیٰ کو ان آٹھ فطری راہوں سے دیکھ پاتا ہے جو اس کائنات میں اسے دیکھنے کی باطنی کھڑکی ٹھہرے ہیں۔

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین

اعمال احسان پر مرتب ہونے والے آثار

ثمرات الاحسان علی اعمال الاحسان

المسمی ب...

ثمرات الاحسان

الا خوف علیهم ولا هم یحزنون. یستبشرون بنعمة من اللہ وفضل وأن اللہ لا یضیع اجر المؤمنین.

نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم ہے، خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی

(پ:۴، آل عمران:۱۷۱)

تالیف لطیف

حضرت العلامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ

راہ سلوک کے مسافروں پر آسمانی توجہات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

راہِ سلوک پر چلنے کے کچھ ثمرات کبھی اس دنیا میں بھی سامنے آنے لگتے ہیں اور سالک کے دل سے الٰہی محبت کا فوارہ اس طرح جوش مارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الفت شدیدہ جو نہایت درجے کی تعظیم سے ملی ہوتی ہے سالک کے ظاہر و باطن پر چھا جاتی ہے۔ یہ سب لافانی محبت کے کھیل ہیں۔ حضرت سید احمد شہید اسے حب ایمانی کا لقب دیتے ہیں اور چونکہ اس محبت کا بیج سالک کی عقل کی خاک میں بویا ہوتا ہے اسلئے اسے حب عقلی سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔

معرفت الٰہی جب سالک کے دل کی تہ سے سر نکالتی ہے جیسے بیج مٹی کے نیچے پھٹتا ہے تو اس سے ایک باریک سوئی سی سر نکالتی ہے اسی طرح یوں سمجھئے سالک کے دل سے معرفت الٰہی کی سوئی نے سر نکال دیا اور معرفت الٰہی کے ثمرات یہیں سامنے آنے لگے یہ وہ آثار قبولیت ہیں جو مومن کبھی اس دنیا میں ہی دیکھ لیتا ہے۔

اب ہم ان ثمرات معرفت الٰہیہ کو تمام ہمت وعزیمت، مکاشفات، مبشرات، کرامات اور تصرفات کے عنوان سے آپ کے سامنے لاتے ہیں۔ **واللہ ھو الموفق لما یحب و یرضی بہ**

(۱)... پہلا انعام الٰہی..تمام ہمت

حب ایمانی کے اثرات میں سے ایک اثر تمام ہمت وعزیمت کا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں صرف ہوجانا ہے۔ ہمت بندہ مومن کا وہ ارادہ ہے جس کے تحت وہ اپنے مقصود کی طرف ایسی توجہ جماتا ہے کہ اسکا دھیان اسکے سوا کسی اور طرف نہیں جاتا ''ھم'' عربی میں فکر کو کہتے ہیں، سالک جب پوری فکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ باندھے اور پھر انتہا تک اس توجہ پر قائم رہے تو یہ ہمت ہے جو اس نے پالی۔ ابتداء میں یہ ھم ہے اور انتہا میں ہمت

ہے، یہ ایک ایسا ملکہ ہے جب سالک اسے پالے تو وہ عبادت کی لذت پالیتا ہے۔ شیخ الاسلام شیخ ہرویؒ منازل السائرین میں لکھتے ہیں:۔

باب الھمة. الھمة ما یملک الانبعاث للمقصود صرفا

(منازل السائرین ج:۳،ص:۱)

نماز میں دل اللہ تعالٰی کی طرف تبھی لگتا ہے کہ سالک مقام ہمت پالے، اس میں ذرا بھی توجہ ادھر ادھر ہوجائے تو وہ سمجھے کہ اس پر مصیبت کا ایک پہاڑ آ گرا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

ان حضور القلب سببه الھمة فان قلبک تابع لھمتک فلایحضر فیما یھمک (احیاء العلوم ج:۱،ص:۱۶۲)

ترجمہ: عبادت میں دل لگا رہے اسکا سبب ہمت ہے، تمہارا دل تمہاری ہمت کا تابع ہے سو یہ ادھر نہ چلے جو تجھے فکر میں ڈالے۔

دل کو ہمت سے مقصودِ حقیقی پر لگانے کی ایک مثال

ایک صحابی حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یکا یک ایک پرندہ (دبسی) باغ کے پیڑوں پر آ کر پھنس گیا واقعہ کی حد تک بات سامنے آتی تو حرج نہ تھا لیکن آپ کو باغ کے گھنے پن کا خیال آ گیا یہ خیال آنا مقام ہمت کے منافی تھا، آپ مقام ہمت کو پا چکے ہوئے تھے اور اسکی لذت سے آشنا تھے۔ نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا باغ اللہ کی راہ میں وقف کردیا کہ جو چیز انکی ہمت میں حائل ہو وہ انکے پاس رہنے کے لائق نہیں۔

فاذا ھو لایدری کم صلی فقال لقد اصابتنی فی مالی ھذا فتنة فجاء الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فذکر له الذی اصابه فی حائطه من الفتنة وقال یارسول اللّٰہ ھو صدقة للّٰہ فضعه حیث شئت (موطا امام مالک ص:۳۶)

یہ ہے مقام ہمت اور اپنے دل کی نگرانی کرنا اور یہ حقیقت ہے کہ حضور قلب کی دولت صحبت صلحاء کے بغیر نہیں ملتی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کمال التفات سے سالک مقام ہمت کی طلب کرتا ہے لیکن اسکے لیے ایک شرط ہے وہ کیا؟ توحید قبلۃ التوجہ۔ آپ مرزا بدیع الزمان کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

وحیث طلبت الهمة من کمال الالتفات فبشریٰ لک ترجع سالما وغانما ولکن لابد ان تراعی شرطا واحدا وهو توحید قبلة التوجه (المنتخبات من المکتوبات ص:۳۲)

یہ کمال التفات اعمال احسان میں سے ہے لیکن یہ ملکہ ہمت اسکے آثار وثمرات میں سے ہے، صاحب ہمت اپنے مقصود پر اس طرح جما ہوتا ہے جیسے پیاسا کتنے ہی حالات سے کیوں نہ گزرے اسکی توجہ بس ایک پانی پر ہی لگی ہوتی ہے۔ (دیکھئے القول الجمیل ص: ۹۵ از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) اہل حق کے ہاں مومن کی ہمت پوری نماز میں صرف اللہ رب العزت پر جمی رہے اسی کی طلب اور تمنا رہے تو یہ عزیمت ہے۔

یہ ہمت کی لذت کیسے ملتی ہے؟ جو نماز میں اور مراقبات میں یک سوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اپنے دھیان کو جما سکے، اس میں کامیاب ہو تو تمام ہمت ہے۔

خیال آنے اور توجہ جمانے میں فرق

بعض پنڈت مسلمانوں کی نماز پر بایں طور اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان نماز میں قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن میں پہلے پیغمبروں کے بہت سے واقعات اور انکے شیاطین سے معرکے مذکور ہیں اور عبادت صرف خدا کی ہوتی ہے یہ سارے جہاں کے واقعات عبادت میں کیسے آگئے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ جب ہم قرآن پڑھتے ہیں اور ان وقائع ماضیہ سے گذرتے ہیں یا گذشتہ انبیاء کے تذکروں کی تلاوت کرتے ہیں تو قرآت کرتے یا سنتے صرف انکا خیال ذہن سے گذرتا ہے انکی طرف خیال باندھ کر ہم قیام یا رکوع یا سجدہ نہیں کرتے خیال صرف خدا کی طرف باندھتے ہیں، حاضری اسی کے حضور دے رہے ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص نماز میں اپنی ہمت خدا سے پھیرے اور یہ سمجھے کہ اب میں حضور ﷺ کے سامنے پیش ہو گیا ہوں اور اب نماز میں میرا قبلہ توجہ حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے تو اس سے نماز باقی نہ رہے گی

کیونکہ اب یہ خدا کی عبادت نہیں رہی غیر خدا کی عبادت بن گئی ہے۔

سو خیال آنے اور کسی بزرگ پر توجہ جمانے میں اصولی فرق ہے خیال سے تعظیم لازم نہیں اور توجہ باندھنا تعظیم کے بغیر ممکن نہیں۔

سو نماز میں قرآن پڑھنے سے کسی طرف صرف ہمیت (اپنی ہمت اور توجہ پھیرنا) نہیں ہوتا، عبادت میں جب صرف ہمت کیا جائے تو بیشک خدا کی تعظیم میں مخلوق کی تعظیم شامل ہو جاتی ہے۔ مجددی سلسلے کے بزرگ اپنے مریدین کو نماز میں خدا سے توجہ پھیر لینے سے سختی سے منع کرتے ہیں اور اسے شرک بتاتے ہیں۔

ہاں نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقبول بندہ پر خود کچھ نقشے کھول دے تو یہ فعل خداوندی ہے بندے نے خود اپنی ہمت کو نہیں توڑا۔ صرف ہمت نہیں کی۔

حضرت عمرؓ پر نماز کی حالت میں واردات

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:۔

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے ہاں اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اسکی طرف متوجہ کرنا اور نیت میں اس مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے اخلاص کے مخالف ہے۔

اور خود بخود مسائل کا دل پر آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق باخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں پس انکے حق میں یہ ایک ایسا کمال ہے کہ مثال کے طور پر مجسم ہوگیا اور انکی نماز ایسی عبادت ہے کہ اسکا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آگیا ہے۔

اور جو کچھ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ نماز میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے سو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

پاک لوگوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر (جنگل کا جانور شیر اور پینے کا دودھ) برابر ہیں۔
حضرت خضرؑ کیلئے تو کشتی توڑنے اور بے گناہ بچے کو مار ڈالنے میں کوئی گناہ نہ تھا مگر دوسروں کیلئے یہ نہایت درجے کا گناہ ہے۔ حضرت عمرؓ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل انداز نہ ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے کا ذریعہ ہو جاتی تھی اسلئے کہ وہ تدبیر اللہ تعالیٰ کے الہامات میں آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیوی بالکل اسکے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے

(صراط مستقیم ص:۱۲۶)

نمازی جب تک خود دوسری طرف التفات نہ کرے وہ نماز میں رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللّٰہ عز و جل مقبل علی المصلی لایزال اللّٰہ مقبلا علی العبد قائما فی صلوته مالم یلتفت (سنن نسائی ج:۱،ص:۱۷۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نمازی پر توجہ ڈالتے رہتے ہیں جب تک وہ خود کسی اور طرف توجہ نہ پھیرے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

نمازی جس طرح پوری نماز میں اپنے سر اور آنکھ کو کسی اور طرف پھیرنے کا مجاز نہیں وہ اپنے دل کو بھی کسی اور طرف نہ پھیرے۔

(احیاء العلوم ج:۱،ص:۱۴۹)

ہو جس پہ عبادت کا دھوکہ مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

(۲)...دوسرا انعام الٰہی..مبشرات

نبوت کے تمام دروازے بند ہو چکے صرف ایک کھڑکی کھلی رہی، سالکین اس راہ

سے خدا کو دیکھتے رہے خدا کو اسکی قدرتوں کے آئینہ میں دیکھنا تو بیداری میں بھی ہے لیکن سچے خواب اسے عالم رؤیا میں دکھائے جاتے ہیں۔ اس راہ سے اولیاء کرام کا جو سلسلہ چلا انکے سرخیل حضرت امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) ہوئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

یا أیھا الناس انه لم یبق من مبشرات النبوة الا الرؤیا الصالحة یراھا المسلم اوتری له

(سنن ابی داؤد ج:۱،ص:۱۲۷۔ سنن نسائی ج:۱،ص:۱۱۸)

ترجمہ: اے لوگو! بیشک نبوت کی مبشرات سے سچے خواب جو مومن دیکھتا ہے یا اسکے بارے میں دکھائے جاتے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

الرؤیا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة و اربعین جزء من النبوة (صحیح بخاری ج:۲،ص:۱۰۳۴)

ترجمہ: مرد صالح کو اچھے خواب آنا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

جس مرد صالح میں نبوت کا یہ چھیالیسواں حصہ پایا جائے گا حضور ﷺ نے اسے الرجل الصالح کے نام سے ذکر فرمایا، معلوم ہوا کہ وہ نبوت کا چھیالیسواں پاکر کسی درجے کا نبی نہیں بن جاتا وہ رجل صالح ہی رہتا ہے۔ قرآن کریم نے جن انعام یافتہ لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ چار ہیں۔ (۱) نبیین، (۲) صدیقین، (۳) شہداء، (۴) صالحین... ان میں صالح چوتھے درجے میں ہے۔ قادیانیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ صاحب مبشرات کسی درجے میں (غیر تشریعی درجے میں) نبی بن جاتا ہے۔ نبوت ملنے کے سب دروازے بند ہو چکے ہیں اور مبشرات کا جو سلسلہ قائم ہے وہ ایک راہ ولایت ہے جس پر فائز ہونے والے صالحین امت تسلیم ہو سکتے ہیں انہیں نبی کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔

آنحضرت ﷺ کا کل عہد نبوت ۲۳ سال ہے جسکی چھیالیس ششماہیاں بنتی ہیں، حضور غار حرا پر چھ ماہ جاتے رہے یہ آپ کے تیئس سالہ عہد نبوت کی پہلی ششماہی تھی، اس پر آپ نے نبوت کا دعوی نہیں فرمایا۔ جب آپ کے سچے خوابوں کا عہد بھی عہد نبوت نہیں سمجھا گیا تو اور کون ہے جس کے مبشرات کو نبوت کا نام دیا جا سکے؟ نبوت اسی حقیقت کا نام ہے جس

میں یہ چھیالیس اجزاء سب کے سب بیک وقت موجود پائے جائیں نبوت یا نبی کا لفظ صرف اسی پر آسکتا ہے جس کو شریعت کی رو سے نبی کہا جاسکے، کسی ایک جزء کے ہونے پر یہ نام روک دیا گیا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ (۶۳۸ھ) لکھتے ہیں:۔

مع هذا لایطلق اسم النبوة والنبی الا علی المشرع خاصة فحجر هذا الاسم لخصوص وصف معین فی النبوة

(الفتوحات المکیہ ج:۲،ص:۳۷۶)

ترجمہ: ایک جزء پائے جانے کے باوجود نبوت کا نام یا نبی کا نام کسی پر نہ آسکے گا سوائے اسکے جس کو شریعت نبی کہے سو یہ نام نبوت کے کسی خاص وصف معین پر بولا جانے سے روک دیا گیا ہے۔

قادیانی مغالطہ دینے کیلئے مشرع کا معنی صاحب شریعت نبی کرتے ہیں اس صورت میں شیخ اکبر کی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہوگا:

نبوت کا لفظ یا نبی کا لفظ صرف صاحب شریعت نبی پر ہی بولا جاسکتا ہے اور کسی پر نہیں، نبوت کا کوئی جزء کسی کو ملے اسے نبوت یا نبی کا نام نہ دیا جاسکے گا۔

مبشرات کا مقام ولایت

کوئی واقعہ ابھی پیش نہیں آیا کسی مرد صالح نے اسے پیش از وقوع خواب میں دیکھا اور کچھ وقت کے بعد وہ ویسے ہی واقع ہوا تو کیا یہ ایک عالم غیب کی خبر نہیں؟ نبی بھی عالم غیب کی خبریں دیتا ہے مگر ان خبروں پر چاروں طرف سے حفاظت کے پہرے ہوتے ہیں شیطان ان میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتا۔ صاحب ولایت لوگ بھی کبھی غیب کی کئی باتیں پیش از وقوع دیکھ لیتے ہیں لیکن ان پر حفاظت کا کوئی پہرہ نہیں ہوتا سو کسی بزرگ کا خواب یا کشف دین میں کسی طرح مہر یا سند نہیں سمجھا جاتا۔

خواب میں اور اسکی تعبیر میں کیا علاقہ ہے یہ ایک بہت باریک علم ہے جو وہبی ہے اسے اکتساباً حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم میں اسے تاویل الاحادیث (دکھائی گئی باتوں کی مرادات) کہا گیا ہے۔ یہ علم حضرت یوسف علیہ السلام کو خصوصی طور پر عنایت کیا گیا تھا۔

انبیاء کرام میں یہ نعمت خصوصی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کو ملی، صحابہ میں

حضرت عمرؓ شہباز عالم تکوین تھے، تابعین میں یہ دولت امام ابن سیرینؒ کے حصہ میں آئی اور قرون وسطیٰ میں اسکے اسرار محی الدین ابن عربیؒ پر کھلے، متاخرین میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اس فن کے امین تھے۔

راہ سلوک کے مسافروں کو چاہیے کہ اعمال احسان کے آثار میں خواب دیکھیں تو انہیں اپنے شیخ یا انکے قریب کے لوگوں کے سوا کسی سے عام بیان نہ کریں۔

کہ سالک بے خبر بود زراہ و رسم و راہ منزلہا

خواب میں اشیاء کا تمثل مختلف صورتوں میں

کوئی بات باوجود اپنی حالت وضعی کے کسی دوسری صورت پر ظہور کرے اسے تمثل کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو مثالی کہتے ہیں۔خواب و مکاشفات میں تو اکثر اشیاء متمثل ہوتی ہیں اور خرق عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی اسکا تمثل ہوتا ہے، اس حدیث سے اسکا اثبات ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام صورت بشریہ میں متمثل ہوئے یہ نہ تھا کہ وہ فرشتے سے آدمی ہو گئے ورنہ استحالہ اور انقلاب ہوتا۔قرآن کریم بھی اسکا مثبت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ فتمثل لھا بشرا سویا (پ:۱۶،مریم:۱۶)

ترجمہ: اور وہ اسکے سامنے (یعنی مریم کے سامنے) ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔(التکشف ص:۲۵۹)

یہ کسی چیز کا دوسری صورت میں ظاہر ہونا یہ روح کا ایک میدان ہے اور یہیں سے روحانیت کا آغاز ہوتا ہے جو کسی درجے میں سیر روح کا قائل نہ ہو اسے خواب کے اردگرد پھرائیں انشاءاللہ بات سمجھ میں آجائے گی۔

خواب میں تمثل لطیف مناسبتوں سے ہوتا ہے۔

ہم عالم اجسام میں دودھ، لباس اور کنویں کے ڈول دیکھتے ہیں عالم معانی میں انکی مناسبت علم، حیا اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں پائی گئی ہے۔ اب دیکھئے خوابوں میں یہ مناسبتیں کس طرح دکھائی دیں ہم یہاں چند روایتیں پیش کئے دیتے ہیں۔

۱۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے نیند میں

دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے میں پی رہا ہوں یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اسکی تری کے اثرات دیکھے پھر فرمایا:۔

ثم اعطیت فضلی عمر قالوا فما اولته یا رسول اللّٰہ قال العلم

(جامع ترمذی ج:۲،ص:۵۲)

ترجمہ: پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر کو دیا اس سے مراد علم ہے۔

حضور ﷺ کے علم کی جو نسبت حضرت عمر کو ملی وہ اس خواب کی روشنی میں آپ کا ہی علمی امتیاز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں، آپ نے حضرت عمرؓ کے علم کے سامنے بلاشرط گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔

۲۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے نیند میں مختلف پیمائشوں کی قمیصیں دیکھیں اور فرمایا:۔

مر علی عمر بن الخطاب وعلیه قمیص یجره قالوا ما اولت یا رسول اللّٰہ قال الدین (صحیح بخاری ج:۲،ص:۱۰۳۶)

ترجمہ: میرے پاس سے عمر گذرے اور آپ پر ایک قمیص تھی جسے وہ کھینچے جارہے تھے یہاں قمیص سے مراد دین ہے۔

یہاں دین حیاء کی صورت میں ظاہر ہوا سو دین کا نمایاں وصف حیا ٹھہرا۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور ایک ڈول موجود ہے میں نے اس ڈول کے ذریعہ کنویں سے کچھ پانی نکالا پھر ابوبکرؓ نے اسے پکڑ لیا اور ایک دو ڈول نکالے پھر ڈول بھاری ہونے لگا:۔

فاخذها عمر بن الخطاب فلم ار عبقریا من الناس ینزع نزع ابن الخطاب حتی ضرب الناس لعطن (صحیح بخاری ج:۲،ص:۱۰۴۰)

ترجمہ: پھر اسے عمر نے لے لیا اور میں نے اب تک کسی جوان کو اس طرح پانی نکالتے نہیں دیکھا جیسا کہ وہ نکال رہا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں چلے گئے۔

یہ تاریخ کے اگلے دس سال آپ کو اسی کنویں کے گرد دکھائے گئے۔ کسی چیز کے واقع ہونے کو کسی مثالی صورت میں دیکھ لینا روح کے جلوؤں میں سے ایک جلوہ ہے۔

۴۔ آنحضرت ﷺ نے خواب میں بکھرے ہوئے بالوں والی ایک سیاہ عورت کو مدینہ سے نکلتے اور جحفہ میں ٹھہرتے دیکھا، آپ نے اسکی تعبیر ایک وبا سے بیان فرمائی۔ وبا آپ کو ایک ثائرۃ الراس کالی عورت کے روپ میں دکھائی گئی۔ (رواہ البخاری ج:۲،ص:۱۰۴۲ والترمذی ج:۲،ص:۵۲)

۵۔ آنحضرت ﷺ کی چچی ام الفضل بنت الحارث نے خواب دیکھا کہ حضور کے جسد اطہر کا ایک حصہ کٹ کر انکی گود میں آگرا ہے وہ اس پر بہت پریشان تھیں، حضور ﷺ نے بات کھولی اور فرمایا:۔

رأیت خیرا تلد فاطمة ان شاء الله غلاما یکون فی حجرک
(رواہ البیہقی مشکوۃ ص:۵۷۲)

ترجمہ: تو نے اچھا خواب دیکھا ہے اللہ نے چاہا تو فاطمہ کے ہاں بیٹا ہوگا اور وہ تیری گود میں آئے گا۔

ام الفضل کہتی ہیں کہ اسی طرح ہوا، حضرت فاطمہ کے ہاں حسینؓ پیدا ہوئے اور وہ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا میری گود میں آئے۔ اس خواب میں حضرت حسینؓ حضور اکرم ﷺ کے جسد اطہر کے ایک قطعہ میں متمثل ہوئے، یہ صورت مثالی تھی اور حضرت حسین کا اپنا وجود حقیقی تھا اور یہ تمثل امر واقع ہونے سے پہلے ایک خواب میں ہوا۔

کسی چیز کی خبر اسکے واقع ہونے سے پہلے ہوجانا اس میں ایک لطیف حقیقت پوشیدہ ہے، راہ سلوک کے مسافر اعمال احسان کی راہ سے اسے جلدی پالیتے ہیں۔ مبشرات بیشک نبوت کا ایک حصہ ہے اور ان سے عالم ظاہر کا ایک تعلق عالم بالا سے قائم ہوجاتا ہے۔

عالم اجسام اور عالم معانی کے یہ لطیف رابطے انسان کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اس دنیا میں اجسام کے ان دلکش نقشوں کے پیچھے عالم ارواح کے کچھ دلآویز نقشے بھی ہیں ان کو نظر انداز کر کے اس دنیا کے عارضی اور فانی جلوؤں میں کھویا رہنا کسی دانا آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کشف وشہود

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی أما بعد!

یہ جہاں مادے کے پھیلاؤ اور اسباب کی حرکت کا نام ہے اسکے وراء کچھ دوسرے جہاں ہیں جو روح کے میدان ہیں، یہاں ان پر پردے پڑے ہیں اور عام نگاہ انکو دیکھ نہیں پاتی اور جو دیکھ لے اسکے لیے روحانی امور کا انکار ناممکن ہوجاتا ہے۔ عالم باطن سے پردے اٹھنے کو کشف کہتے ہیں اور انہیں دیکھ پانا مشاہدہ کہلاتا ہے۔

مجاہدہ پر اثر ہو تو مشاہدہ کا مقام آتا ہے اور مراقبہ کامیاب رہے تو آگے مکاشفات کی منزل آتی ہے۔

مجاہدہ اور مشاہدہ

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو سالہا سال مجاہدے کرائے پھر بدر کے دن ان سے پردہ اٹھا اور انہوں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ انکے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہے ہیں، فرشتوں کی یہ آمد کفار کو مارنے کیلئے نہ تھی مسلمانوں کے حوصلے بندھانے کیلئے تھی مگر یہ درست ہے کہ واقعی انکے سامنے سے پردہ اٹھا اب وہ مقام مشاہدہ میں آچکے تھے۔ بدر میں کیا ہوا اسے قرآن میں پڑھیے:۔

> ولقد نصركم الله ببدر وأنتم أذلة فاتقوا الله لعلكم تشكرون اذ تقول للمؤمنين ألن يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلثة آلاف من الملائكة منزلين بلى ان تصبروا وتتقوا ويأتوكم من فورهم هذا يمددكم ربكم بخمسة آلاف من الملائكة مسومين وما جعله الله الا بشرىٰ لكم ولتطمئن قلوبكم به وما النصر الا من عند الله العزيز الحكيم.

(پ:۴،آل عمران:۱۲۶)

ترجمہ: اور البتہ تمہاری مدد کی اللہ نے میدان بدر میں اور تم بالکل کمزور تھے، جب آپ کہہ رہے تھے مؤمنوں سے کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں کہ اللہ تمہاری مدد فرمائے تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے جائیں کیوں نہیں بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کئے رہو اور آجائیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا اللہ تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے ان پر نشان لگے ہوئے ہونگے اور نہیں بنایا اللہ نے فرشتوں کے اترنے کو مگر خوشخبری تمہارے لئے اور یہ کہ تمہارے دل سکون پکڑیں اور نصرت تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو عزیز ہے اور حکیم ہے۔

قرآن کریم کا یہ بیان بھی ملاحظہ کیجیے:۔

قد کان لکم آیة فی فئتین التقتا فئة تقاتل فی سبیل اللّٰہ واخریٰ کافرة یرونهم مثلیهم رأی العین واللّٰہ یؤید بنصره من یشاء ان فی ذلک لعبرة لاولی الابصار (پ:۳،آل عمران:۱۳)

ترجمہ: اور بیشک تھا تمہارے لئے ایک نشان ان دوگروہوں میں جو آمنے سامنے آئے میدان بدر میں ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا دیکھ رہے تھے مسلمان انہیں اپنے سے دگنا اپنی آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جسکی چاہے۔

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ جو لوگ ابھی کافر تھے مگر اللہ کے ہاں انکا مسلمان ہونا مقدر ہو چکا تھا وہ اس دن کفار کی صفوں میں صحابہ کو دکھائے نہ گئے اب مسلمان انہیں اپنے سے تگنا نہیں اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے یہ آنے والا زمانہ صحابہ پر اس طرح پلٹایا تھا کہ وہ اب انہیں کفار کی صفوں میں نہ دکھائے گئے تھے، یہ ایک آنے والے دور سے پردہ اٹھنا تھا اور یہ انہی سے اٹھا جو مقام مشاہدہ میں آچکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مجاہدہ کے بعد اپنے بندوں کیلئے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں:۔

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان اللّٰہ لمع المحسنین

(پ:۲۱،العنکبوت:۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انکے لیے اپنے رستے کھول دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بیشک احسان میں آنے والوں کے ساتھ ہے۔

صحابہ نے اپنی زندگیوں میں مقام مشاہدہ کے دلآویز جلوے دیکھے اور انکی قوی روحانیت تین زمانوں تک انسانوں پر چھائی رہی۔

مراقبہ و مکاشفہ

اپنے دل کی نگرانی کرنا اور اس یقین میں رہنا کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے یہ مراقبہ ہے اور اس منزل پر آ جانا کہ گویا میں خدا کو دیکھ رہا ہوں مکاشفہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کبھی اس طرح بھی پردے اٹھا دیتے ہیں کہ بندہ خدا کو اسکی قدرتوں میں دیکھنے لگتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے احسان کی یہ شرح فرمائی:۔

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

(صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۲)

ترجمہ: تو اس طرح عبادت کر گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے اگر تو اسے دیکھ نہ پائے تو دوسرا مقام یہ ہے کہ تو اعتقاد رکھے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

محدثین بیان کرتے ہیں کہ راہ سلوک کے مسافروں کے ہاں یہ مکاشفہ ہے اور دوسرے نمبر پر مراقبہ ہے۔ محدث جلیل ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

قال بعض العارفین الاول اشارة الی مقام المکاشفة ومعناہ اخلاص العبودیة ورؤیة الغیر بنعت ادراک القلب عیان جلال ذات الحق وفنائہ عن الرسوم فیہ والثانی الی مقام المراقبة فی الاجلال وحصول الحیاء من العلم باطلاع ذی الجلال (مرقات ج:۱،ص:۶۰)

ترجمہ: اہل معرفت کے ہاں پہلی بات مقام مکاشفہ ہے اس سے مراد اخلاص عبودیت اور دوسرے کو دل کے ادراک سے دیکھنا ہے، یہ اپنی

رسوم سے فانی ہوکر ذات برحق کے سامنے آنا ہے اور دوسرا مقام مراقبہ ہے یہ اسکے حضور اپنے کو پوری حیاء کے ساتھ لانا ہے۔

مکاشفہ تو شاید کسی کسی وقت ہو لیکن مراقبہ کی دولت تو راہ سلوک کے مسافروں کے ساتھ رہتی ہے۔ حدیثِ احسان سے پتہ چلتا ہے کہ عارفین کے یہ مکاشفات کچھ صوفیہ کرام کی ایجاد نہیں، تصوف کی جڑیں پوری تفصیل سے کتاب وسنت میں پائی گئی ہیں۔

کشف پردہ اٹھنے کو کہتے ہیں، یہ پردہ کبھی حالات سے اٹھتا ہے کبھی جہاں سے اٹھتا ہے کہ اس جہاں میں بیٹھے اگلے جہاں کی کچھ خبر پالیں۔ جو لوگ قبروں میں جا چکے حضور ﷺ جب اس دنیا میں تھے آپ کے آگے انکے پردے بھی اٹھے اور آپ نے انکے حال کو جان لیا اسے کشفِ قبور کہتے ہیں۔ دوسرے کے دل کی بات کسی پر منکشف ہو جائے اسے کشف صدور کہتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں بیٹھے غزوہ موتہ کا نظارہ کریں یا حضرت عمرؓ ساریہ کو کسی میدان جنگ میں دور سے دیکھ لیں اسے کشفِ امور کہتے ہیں اور ان میں بڑا درجہ فراست کا ہے جس میں عارفین پر کبھی دوسروں کے اعمال منکشف ہوتے ہیں۔ ہم کشف کی اس بحث کو کشف اعمال، کشف احوال، کشف امور، کشف صدور اور کشف قبور وغیرہ مختلف عنوانوں سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ حقائق ہیں اور واقعات ہیں جنکا انکار ممکن نہیں۔

☆ ۱...فراست

حضرت ابوسعید الخدریؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله تعالیٰ (جامع ترمذی)

ترجمہ: مؤمن کی فراست سے ڈرو! وہ بیشک اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

فراست کیا ہے اسے محققین جانیں لیکن اتنی بات تو ہر شخص سمجھتا ہے کہ کامل درجے کے مؤمنین وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو دوسرے عام لوگ نہیں دیکھ سکتے، انہیں دیکھنے میں اللہ کا نور ملا ہوتا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

> حال فراست صفا قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکر اللہ اور تقویٰ کو لازم پکڑنے سے حاصل ہوتا ہے اکثر وجدانی طور پر حقائق واقعات مدرک ہونے لگتے ہیں، اسکو فراست کہتے ہیں گویا وہ کشف کا ایک

شعبہ ہے حدیث صراحتہ اسکی مثبت ہے۔ (التکشف ص: ۲۸۳)

اس امت میں جس طرح حضرت ابوبکرؓ صدیقوں کے پیشوا تھے، حضرت عمر اس امت کے محدث تھے، حضرت عثمانؓ اہل فراست کے پیشوا تھے اور حضرت علیؓ اہل ولایت کے سرتاج تھے کہ تصوف کے تین سلسلے انکی ذات گرامی پر منتہی ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے پاس ایک شخص آیا جسکی نظر رستے میں کسی غیر محرم عورت پر پڑی آپ نے اسکے آتے ہی ساتھیوں سے فرمایا:۔

یدخل علی احدکم الزنا و أثر الزنا ظاھر علی عینیہ

ترجمہ: تم میں کسی پر زنا آ داخل ہوتا ہے اور اسکا اثر اسکی آنکھوں پر صاف نظر آتا ہے۔

جس شخص پر یہ واردات ہوئی تھی وہ اس غیبی انکشاف پر پھڑک اٹھا اور اسکی زبان سے نکلا، کیا حضور ﷺ کے بعد پھر سے وحی آنے لگی ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا نہیں البتہ ایک بصیرت کی کھڑکی کھلی ہے۔

لا ولکن بصیرۃ وبرھان وفراسۃ صادقۃ

(احیاء علوم الدین ج: ۳، ص: ۲۳)

ترجمہ: حضور ﷺ کے بعد وحی ہرگز نہیں لیکن بصیرت اور برہان ہے اور فراست صادقہ ہے جس سے یہ بات مجھ پر کھلی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب یہ حدیث بیان کی تو آپ نے اس پر قرآن کریم کی یہ آیت بھی پڑھی:

ان فی ذٰلک لآیات للمتوسمین (پ: ۱۴: الحجر: ۷۵)

ترجمہ: بیشک اس میں نشان ہیں دھیان کرنے والوں کیلئے۔

یہاں قرآن کریم میں متوسمین سے مراد متفرسین ہیں۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

وقد روی عن بعض اھل العلم فی تفسیر ھذہ الأیۃ ان فی ذٰلک لآیات للمتوسمین قال للمتفرسین (جامع ترمذی)

ابن الاثیر الجزری فراست کا یہ معنی بیان کرتے ہیں:۔

ھو ما یوقعہ اللّٰہ تعالٰی فی قلوب اولیائہ فیعلمون احوال بعض

الناس بنوع من الکرامات اصابة الظن والحدس
(النہایہ ج:۳،ص:۴۲۸)

ترجمہ: فراست وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے دل میں اتار دیتے ہیں اور وہ کرامت کے طور پر بعض لوگوں کی حالت جان لیتے ہیں اس سے اصابت ظن کہ گمان صحیح بیٹھے اور حدس (تاڑلینا) کا اثر پیدا ہوتا ہے۔

کشف اور فراست میں فرق

یہ صحیح ہے کہ فراست کشف کا ہی ایک شعبہ ہے لیکن دونوں میں ایک اصولی فرق بھی ہے۔ کشف میں آمد باہر سے ہوتی ہے اندر سے صرف پردے اٹھتے ہیں اور فراست میں پیش رفت اندر سے ہوتی ہے اور ایمان کی شعاعیں اندر سے جھانکتی ہیں اور باہر سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور یہ بات تار کے کوڈ حرفوں میں کھلتی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ کشف اور فراست میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے۔

اس عالم میں اگلے جہاں کا کشف

جنت اور دوزخ اگلے جہاں کی چیزیں ہیں تاہم یہ صحیح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہاں اس دنیا میں جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا یہ اس جہاں میں رہتے اگلے جہاں کا کشف ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں:۔

صلی بنا النبی ثم رقی المنبر فاشار بیدیه قبل قبلة المسجد ثم قال رأیت الآن منذ صلیت لکم الصلوة الجنة والنار ممثلتین فی قبلة هذا الجدار (صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۰۳)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور آپ منبر پر تشریف لائے اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے قبلہ کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ میں نے ابھی جب تمہیں نماز پڑھائی ہے جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے قبلہ میں مثالی صورت میں اترتے دیکھا ہے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:۔

عرضت علی الجنة والنار أنفا فی عرض ھذا الحائط

(ایضا ص: ۷۷)

ترجمہ: ابھی مجھے اس دیوار کے فاصلے پر جنت اور دوزخ دکھائے گئے۔
آپ ﷺ فرماتے ہیں:۔

ما رأیت فی الخیر والشر کالیوم قط انه صورت لی الجنة والنار حتی رأیتھما وراء ھذا الحائط (ایضا ج: ۲، ص: ۹۴۱)

میں نے جیسا آج خیر وشر کا نظارہ کیا ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، جنت اور دوزخ میرے سامنے مثالی صورت میں لائے گئے میں نے انہیں اس دیوار کے ورے دیکھا۔

جنت اور دوزخ دونوں پیدا شدہ حقیقتیں ہیں لیکن دونوں اگلے جہاں کی چیزیں ہیں جو حضور ﷺ کو یہاں کشفاً دکھائی گئیں آپ نے انہیں کب دیکھا؟ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے برزخ کے پردے اٹھا دیئے۔ آپ نے اسراء کی رات بیت المقدس میں انبیاء کی ایک پوری قطار دیکھی یہ کون تھے؟ اگلے جہاں کے رہنے والے، عالم برزخ کے باسی.... ایسا کب ہوتا ہے؟ جب درمیان کے برزخی پردے اٹھیں کیونکہ حضور ﷺ تو اس وقت اس دنیا کے رہنے والے تھے۔

یہ صرف انبیاء کی ہی خصوصیت نہیں، حضرت عمرؓ جمعہ کے دن منبر پر رونق افروز تھے کہ آپ نے ہزاروں میل کے فاصلے پر حضرت ساریہؓ کو میدان جہاد میں دیکھا اور صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ ایک ہدایت بھی کی جو انہوں نے سنی بھی۔ یہ کب ہوا؟ جب درمیان کے حجابات اٹھے، نہ صرف پردے اٹھے بلکہ آپکی آواز بھی اس لمبے فاصلے پر بغیر فون کے وہاں سنائی دی۔ یہ تو اسی جہاں کی بات ہے گو درمیان میں سینکڑوں میلوں کا فاصلہ تھا، آنحضرت ﷺ نے تو بعض قبروں سے انکی برزخی آوازیں بھی سنیں، یہ کب ہوا؟ جب خدا تعالیٰ نے دونوں جہانوں کے مابین برزخی پردے اٹھا لئے۔

صحابہ کے سامنے حضور ﷺ پر کشف قبور ہوا

عن البراء بن عازب عن ابی ایوب قال خرج النبی ﷺ وقد

وجبت الشمس فسمع صوتا فقالَ یهود تعذب فی قبورها
(صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۸۴)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نکلے اور سورج چھپ چکا تھا آپ نے ایک آواز سنی اور فرمایا کہ یہود کو اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

یہ آواز دوسرے صحابہ نہ سن پائے تھے، عام لوگ یہ آوازیں سنیں تو برداشت نہ کرسکیں لوگ آبادیاں چھوڑ کر جنگلوں کا رخ کریں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگایا اسے معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، کیا دیکھتا ہے کہ اس قبر میں ایک انسان سورہ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کیا پھر اس نے اس واقعہ کی حضور ﷺ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا:۔

فقال النبی ﷺ ھی المانعة ھی المنجیة تنجیه من عذاب اللہ
(جامع ترمذی ج:۲،ص:۱۱۲)

ترجمہ: یہ سورت (عذاب کو) روکنے والی ہے نجات دلوانے والی ہے اسے اللہ کے عذاب سے بچاتی ہے۔

یہ کشف قبور ایک صحابی پر ہوا اور حضورؐ نے بھی اسے تسلیم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اولیاء کرام پر بھی جب اللہ تعالیٰ چاہے قبروں کے حالات کھول دے اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ کشفِ قبور کیلئے توجہ باطنی ضروری نہیں۔ حضرت تھانوی لکھتے ہیں:۔

کشفِ القبور کبھی بلا قصد و اکتساب ہوتا ہے جیسے اس صحابی کو ہوا اور کبھی کسب و ریاضت سے ہوتا ہے۔ بہر حال حدیث سے کشف القبور کا وقوع معلوم ہوا۔ (التکشف ص:۴۱۱)

کشف عالم ملکوت

فرشتوں کی دنیا عالم ملکوت ہے جس طرح یہاں کی دنیا عالم ناسوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ملاء اعلیٰ والے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ آپ نے کہا کہ میں نہیں جانتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ آپ کے کاندھوں کے مابین رکھا آپ نے اسکی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی اور آپ پر آسمانوں کے دروازے کھل گئے فرشتے جو باتیں کر

رہے تھے آپ نے سنیں۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

فوضع یدہ بین کتفي حتی وجدت بردھا بین ثدییّ فعلمت
ما بین السموات وما فی الارض (جامع ترمذی ج:۲،ص:۱۵۵)

اس سے پتہ چلا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو عالم ملکوت بھی کشف میں دیکھا یا سنا جاسکتا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

اشغال ومراقبات سے جب نفس میں یکسوئی واستغراق غالب ہوتا ہے
حسب مناسبت فطری احیاناً ملکوت وغیرہ کا انکشاف ہوجاتا ہے
(التکشف ص:۲۶۵)

صحابہ پر انکشاف ملائکہ کے جلوے

کشف ملائکہ انبیاء تک محدود نہیں صحابہ نے بدر کے میدان میں فرشتوں کو دیکھا۔ حضرت اسید بن حضیر رات کو سورہ البقرہ پڑھ رہے تھے کہ انکا گھوڑا دفعۃً اچھلا یہ چپ ہوگئے وہ بھی سکون میں آ گیا، آپ نے پھر پڑھا وہ پھر اچھلا آپ پھر رکے اور وہ بھی ٹھہر گیا آپ نے سر اٹھایا تو آسمان میں ایک سائبان سا نظر پڑا جس میں روشن چراغ سے نظر آئے، صبح آپ نے یہ واقعہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے ارشاد فرمایا:۔

وتدری ما ذاک؟ قال لا قال تلک الملائکة دنت لصوتک
ولو قرات لاصبحت ینظر الیھا الناس لاتتواری منھم
(صحیح بخاری ج:۲،ص:۷۵۰)

ترجمہ: یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کی حد تک قریب تھے اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح اسی طرح کرتے کہ لوگ انہیں دیکھتے اور وہ انکی نظروں سے نہ چھپتے۔

اس سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام پر بھی فرشتوں کی آمد ہوتی تھی اور اسکے حسی اثرات دوسری مخلوق پر بھی ہوتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کا علم نہیں ہوتا سو اگر کوئی اونچے درجے کا ولی خود کہے کہ مجھے کشف نہیں ہوتا تو ضروری نہیں کہ اسکو واقعی کشف نہ ہوتا ہو۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

محققین نے تصریح کی ہے کہ اولیاء کرام ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ کلام وسلام بھی ممکن بلکہ واقع کہا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین کو سلام کرنا فرشتوں کا مروی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا چنانچہ حضرت اسید بن حضیر کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ محققین نے اسکی بھی تصریح کی ہے کہ جو شخص اس تحقیق سے آگاہ ہو جائے گا وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا اور ایسا شخص بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا

(التکشف ص: ۲۷۶)

حصول کشف ریاضت اور مشق کی راہ سے

کشف کا تعلق زیادہ دل کی صفائی سے ہے، اگر کوئی شخص اپنے دل کو ماسوا اللہ سے خالی کرنے کی مشق کرے اور یکسوئی سے ریاضت کرے اور اسے جو کشف حاصل ہو وہ ان عنایات سے نہیں جو اعمال احسان پر مرتب ہوتی ہیں بلکہ ایسا کشف تو بسا اوقات جوگیوں کو بھی ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نور ایمان سے بالکل تہی داماں ہوتے ہیں۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ کشف اپنی ذات میں ایک امر محمود ہے۔ اس زمانے میں مادے کی مخفی طاقتوں کا جو کشف سائنس دانوں کو ہوا ہے وہ تجربات کی راہ سے ہوا ہے وہ بھی محمود ہے ہاں جو کشف اہل ولایت (اولیاء کرام) کو ہوتا ہے وہ سالکین کے کشف سے کہیں برتر اور بلند ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں:۔

جو اذکار و شغل اور مراقبے کہ اولیاء کرام نے خلاصہ کر کے لکھے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالکوں کو بھی وہی امور پیش آتے ہیں اور وہ انہی اذکار و اشغال سے ان مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنایتیں اور برکتیں کہ بارگاہ الٰہی سے پے در پے اولیاء عظام کے بارہ میں ہوا کرتی ہیں سالکوں کے دماغ میں انکی بو بھی نہیں پہنچتی اور ہرگز وہ آثار مرتب نہیں ہوتے۔ (صراط مستقیم ص: ۸۷)

آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں:۔

جو کشف اور شہود سلوک کے اعمال میں اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے کافر اور مومن اور مبتدع اور متبع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اسکی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کا کفر اور ملحد کا الحاد اور مبتدع کی بدعت اسکے رد کرنے والی چیزیں ہیں، پس صرف اسی کشف اور شہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطاء ہے ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے۔ (ایضاص:۷۹)

اس سے پتہ چلا کہ مشق اور ریاضت سے ایک گونہ کشف کبھی جوگیوں اور بدعتی پیروں کو بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ کوئی وجہ کمال نہیں ہے راہِ ولایت کا کشف اعمالِ احسان کا وہ ثمرہ ہے جو نور سنت کی روشنی میں چمکتا ہے، یہ بدعت کے اندھیروں کو ساتھ نہیں لے سکتا۔ سو پیروں کو کتاب وسنت کے آئینہ میں دیکھنے والے کسی غلطی کا شکار نہیں ہو پاتے ان کا معیارِ بزرگی سنت سے بڑھ کر کوئی اور نہیں اور جنہوں نے پیروں کو انکے شعبدوں اور لنگروں کی رونقوں میں دیکھ کر بزرگ جانا انہیں کبھی بنارس کے مندروں میں بیٹھے جوگیوں کے پاس لے جائیں تو وہاں یہ بدعتی ہندو ہونے سے ذرا بھی نہیں ہچکچائیں گے۔ جوگی نے کوئی غیب کی بات بتلادی اور یہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔

یاد رکھئے وہی کشف کمالات میں سے ہے جو ایمان کی راہ سے آئے اور فراست صادقہ ساتھ ہو۔ جو چیز مؤمن اور کافر دونوں میں ہو سکتی ہے وہ ہرگز موجب کمال نہیں ہے۔
مولانا احمد رضا خان بریلوی کہتے ہیں:۔

وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی ہے انسان کے لیے کمال نہیں اور جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی ہے مسلم کے لیے کمال نہیں۔

(ملفوظات حصہ:۴،ص:۱۰)

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں کشف کا وہ طریقہ بھی نقل کر دیں جو حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے صراط مستقیم میں طریقہ کشف کے عنوان سے درج کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

آسمانوں کے حالات کے انکشاف اور ملاقات ارواح اور ملائکہ اور بہشت و دوزخ کی سیر اور اس مقام کے حقائق پر اطلاع اور اس جگہ کے مکانوں کی دریافت اور لوح محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کے لیے یاحی یا قیوم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یاحی کو ذکر خیالی سے سینہ کے درمیان سے لب تک لائے اور اپنی روح کو اسکے نیچے پیوستہ کردے اور پھر لفظ یاقیوم کو سینہ سے نکالے اور چونکہ اس لفظ مبارک کا تلفظ پہلے لفظ کے تلفظ کے متصل واقع ہوتا ہے اسلئے ضرور ان دونوں مبارک ناموں کا اثر دوسرے لفظ کا تلفظ کرتے وقت قوت پکڑ جاتا ہے پس لفظ اخیر کے تلفظ کے ہمراہ دونوں لفظ مبارک کی استعانت سے بایں طور کہ یہ اسم مقدس روح کے نیچے ہوجائے اور روح دونوں ناموں کے درمیان رہے روح کو عرش کے اوپر پہنچائے اور اس جگہ پہنچ کر توقف کرکے دور و سیر کرے اور سیر و دور میں اختیار ہے خواہ عرش کے اوپر سیر کرے یا اسکے نیچے اور آسمانی مواضع میں سیر کرے یا زمینی بقاع میں جیسے کعبہ معظمہ اور اماکن متبرکہ اور پھر عرصہ کے بعد جب اس عالم کی بیداری اور خبرداری چاہے انہیں دونوں ناموں کی امداد سے اوپر سے نیچے کو انتقال کرے یاحی کے ذکر خیالی کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرنے کی تیاری کرے اور یاقیوم کی ہمراہی سے تدریجاً اپنے مکان تک پہنچے اور نزول میں آسمانوں کو جدا جدا ملحوظ رکھے۔

آپؒ کشف قبور کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

کشف قبور کے لیے سبوح قدوس رب الملائکة والروح مقرر ہے۔ اسکا طریق اس طرح ہے کہ پہلے اسم یعنی سبوح کے ساتھ ناف سے دماغ تک یعنی لطیفہ اخفی کے مقام تک پہنچے اور دوسرے اسم یعنی قدوس کے ساتھ وہاں سے عرش مجید کے اوپر اور تیسرے اسم کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرکے ضرب کے طور پر دل میں مارے اور دل کے دروازہ فوقانی سے داخل ہوکر دروازہ تحتانی سے باہر نکل کر قبر کی طرف

متوجہ ہو اور اگر ایک بار میں مدعا حاصل نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو اور اس
تکرار میں حضور اور توجہ اور التجا اور زاری سے کوشش کرے اور فضل الٰہی
سے پختہ امید رکھے کہ کشف مطلوب حاصل ہو جائے گا اور اس کشف
قبور کو ناواقف لوگ قرب الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ
دوری کا موجب ہے۔ (صراط مستقیم ص: ۱۷۵)

یہ مختلف بزرگوں کے کشف قبور میں مختلف تجربات ہیں، یہ بدعات نہیں کہ کوئی شخص انہیں دین میں سے سمجھ رہا ہو۔ ان سے اہل قبور کے حالات کا کچھ پتہ چل جاتا ہے اور ان کے کچھ برزخی کوائف سامنے آجاتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ نے بھی بعض اہل قبور کے برزخی حالات دیکھے اور انکی آوازیں سنیں لیکن اس بات کا ثبوت نہیں تھا کہ آپ نے کسی خاص قبر پر توجہ کی ہو۔

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ کشف سے اگر کسی بات کا پتہ چل جائے یا کشف قبور سے کوئی بات معلوم ہو اسے قطعی اور یقینی نہ سمجھا جائے گا، قطعی اور یقینی بات وہی ہے جو شریعت کی راہ سے معلوم ہو، روحانی اعمال سے جو چیز ملے یا راز کھلے اس پر مسئلے کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی نہ اسے شرعی حجت سمجھنے کی اجازت ہے ہاں جس طرح انسان اپنی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں مختلف تجربات یا حالات سے دوچار ہوتا ہے لیکن وہ انہیں ذرائع ہی سمجھتا ہے مسائل نہیں سمجھتا شریعت کا درجہ نہیں دیتا اسی طرح بعض بزرگوں کے تجربات کی روشنی میں جو کشف واقعات پر کچھ محنت کرے تو اس پر وہ ماخوذ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے دین میں کوئی نئی چیز داخل نہیں کی۔

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے صراط مستقیم میں اپنے شیخ حضرت سید احمد شہید کے تجربات در بارۂ کشف واقعات درج کئے ہیں۔ ہم ان پر کشف شہود کی اس بحث کو ختم کریں گے۔

کشفِ واقعات کی تین راہیں

جاننا چاہیے کہ واقعات کے کشف کیلئے اس طریقہ کے بزرگوں نے کئی طریق لکھے ہیں، سب سے بہتر بات یہی ہے کہ رات کے تیسرے پہر کو جاگ کر نہایت ہی حضور قلب کے ساتھ کمال آداب اور مستحبات کے ساتھ وضو کرے اسکے بعد وہ ماثر دعائیں جو گناہوں کے

کفارہ کے لیے مقرر کی گئی ہیں بارگاہ الٰہی میں پوری التجا کے ساتھ پڑھے اور اسکے بعد نہایت ہی خشوع وخضوع اور قلب و قالب کے اطمینان کے ساتھ سارے آداب و مستحبات پورے کر کے صلوۃ التسبیح ادا کرے اور تمام زمین میں گناہوں کے کفارے کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ پاک میں اپنے گناہوں کی معافی کی التجا کو ملحوظ خاطر رکھے پھر تہہ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اس حد تک التجا کرے کہ اسکے تہہ دل میں گناہوں کی معافی اور توبہ کے قبول ہونے کا ظن پیدا ہوجائے، پس اشغال طریقت میں سے جس شغل کی مہارت رکھتا ہو اسی میں مشغول ہوجائے اور اس سارے شغل میں اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اسی مطلوب واقعہ کے کشف کے واسطے اسی طرح التجا کرتا رہے کہ اسکی تمام ہمت اسی واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہوجائے اللہ تعالیٰ کی جناب سے پختہ امید ہے کہ اوپر سے الہام کے نازل ہونے یا تہہ دل سے اس وقعہ کے ظاہر ہونے کے باعث انکشاف ہوجائے گا۔

اور وسوسوں کے وارد ہونے اور الہام کے نازل ہونے میں فرق یہ ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل میں نازل ہوکر ٹھہر جاتا ہے اور مضبوط ہوکر بیٹھ جاتا ہے اور وسواس ٹھہرتا نہیں اور اسکے آنے جانے کا کوئی طریق مقرر نہیں چور اور کیسہ بر کی مانند ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے چلا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دل کو ایک طرف سے دبا کر چلی گئی ہے اور دوسری دفعہ دوسری طرف سے۔

اور اگر طریق مذکور سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو تو چاہیے کہ نہایت التجا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے کہ اے اللہ! میں بے خبر ہوں اور تو سب چیزوں کو جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس طریق سے فلاں واقعہ کے انکشاف کے واسطے کوشش کی ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوا پس اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر وہ کلام جاری کر جس سے میں اپنا مطلب معلوم کرلوں، اسکے بعد اپنے کانوں کو ان آوازوں کی طرف متوجہ کرے جو لوگوں سے سونے یا جاگنے کی حالت میں صادر ہوتی ہیں اور فال کے طور پر انکے کلام سے اپنی مراد کا استنباط کرلے۔

اگر اس طرح سے بھی انکشاف مطلوب حاصل نہ ہو تو چاہیے کہ اسی وقت رات کے تیسرے پہر کو انکشاف واقعہ مطلوبہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں تین مرتبہ سورہ فاتحہ اور تین دفعہ آیت الکرسی اور پندرہ دفعہ سورہ اخلاص پڑھے بعد ازاں سر سجدہ میں رکھ

کر نہایت خشوع کے ساتھ حصول کشف کی نیت سے ایک سو ایک بار کلمہ یا خبیر اخبرنی کہے پھر دعا کر کے سو رہے انشاء اللہ تعالیٰ اشارۃً خواہ صراحتاً خواب میں اس واقعہ کا حال ظاہر ہو جائے گا۔ (صراط مستقیم ص: ۱۸۰، ۱۸۱)

اس مضمون میں حضرت شاہ صاحبؒ نے تصوف کی مشہور اصطلاح ہمت بھی استعمال کی ہے آپ کے ان الفاظ پر غور کریں:۔

> اسکی تمام ہمت اس واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے پختہ امید ہے کہ انکشاف ہو جائے گا۔ الخ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وظائف و اوراد میں ہمت کسی چیز کے بھی انکشاف پر باندھی جا سکتی ہے ہاں نماز میں بندہ مؤمن اس طرح اللہ کے حضور حاضری میں ہو کہ وہ نماز میں اپنی ہمت کو کسی دوسری طرف نہ پھیرے۔ یہ صرف ہمت ہے اور نماز میں نمازی کسی اور طرف صرف ہمت نہ کرے۔

یہ وہ دقیق مسئلہ ہے جسے نہ سمجھنے کے باعث کتنے ہی نادان صرف ہمت کا ترجمہ خیال کرتے ہیں حالانکہ نماز میں خیال کسی طرف بھی چلا جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی لیکن نماز میں .... نے صرف ہمت کر کے کوئی کسی دوسری طرف اپنی ہمت لگانے سے وہ شرک کے گڑھے میں جا گرا۔ جو امام اس صرف ہمت کا عادی ہو اس کے پیچھے کسی کی نماز جائز نہیں سمجھی جا سکتی۔ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم.

کرامات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

کشف وکرامات کے الفاظ عام طور پر اکٹھے سنے جاتے ہیں۔ اعمال احسان کے اثرات وثمرات میں کشف بھی ایک انعام الٰہی ہے اور کرامت بھی ایک اعزاز ہے جو اہل ولایت کو ملتا ہے۔ کشف میں گو مشق اور ریاضت سے بھی کسی درجہ میں کامیابی ہو جاتی ہے لیکن اصلاً جیسا کہ اس پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عنایت ہے جو راہِ ولایت کے مسافروں کو بطور خرق عادت نصیب ہوتی ہے۔

جس طرح انبیاء کے معجزات برحق ہیں اولیاء اللہ کی کرامات بھی برحق ہیں۔ معجزہ اور کرامت دونوں فعلِ خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔ معجزہ میں پیغمبر کی تصدیق ہوتی ہے اور ساری دنیا اسکے سامنے ایسا فعل لانے سے عاجز ہوتی ہے اور اسی لئے اسے معجزہ کہتے ہیں۔ کرامت تصدیقِ ولی کیلئے نہیں ہوتی، نہ ولی ولایت کا مدعی ہوتا ہے نہ ولی کی ولایت کا اقرار دوسروں کیلئے لازم ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ سے اگر کوئی خرق عادت امور ظاہر ہوں تو اس میں صرف انکا اعزاز ہوتا ہے دوسرے اسکے اقرار کے پابند نہیں کئے جاتے۔ شیخ بوعلی جوزجانی فرماتے ہیں:۔

کن طالبا للاستقامة لا طالبا للکرامة فان نفسک منجبلة علی طلب الکرامة وربک یطلب منک الاستقامة

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۱۱، ص:۳۲۰)

ترجمہ: طالبِ استقامت بن، طالبِ کرامت نہ بن! تیرا نفس طلب کرامت کا خواہش مند ہے جبکہ تیرا رب تجھ سے دین پر استقامت چاہتا ہے۔

جاہل مریدوں کے حلقوں میں پیروں کی بہت سی کرامات کے چرچے ہوتے ہیں، انکی تحقیق کی جائے تو پچانوے فیصد جھوٹ ہوتی ہیں، مشائخ کے ہاں سے انکا کوئی ثبوت نہیں ملتا مگر جواباً کہا جاتا ہے ”پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند“

جو پیر اپنے خاص خاص مریدوں کو اس بات کی ہدایت کرے کہ وہ ان ان باتوں کو دوسرے عام مریدوں میں پھیلائے وہ اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کی بیعت کی جائے۔

تاہم اسکا یہ مطلب نہیں کہ اہل ولایت کیلئے خرقِ عادت کا کہیں ثبوت نہیں اور اللہ تعالیٰ اس راہ کے مسافروں کو کبھی اس عزت سے نہیں نوازتے، اہل سنت کے ہاں اس پر اجماع ہے کہ اولیاء کرام کیلئے خرق عادت برحق ہے اور اس میں خدا کی طرف سے انہیں عزت دی جاتی ہے۔ کرامت کا لفظی معنی عزت کا ہے، جس طرح معجزہ پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں کرامت بھی ولی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب چاہے اسے اپنا ہنر بنا کر پیش کرے۔

باذن الٰہی خرق عادت ظاہر کرنے کا اعلان

یہ برحق ہے کہ خرقِ عادت امور کا اظہار انبیاء اور اولیاء کے قبضے میں نہیں ہوتا لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیغمبر کو کسی کے مقابلہ میں بھیجیں تو اسے اسکے دعوی کی باذن الٰہی اجازت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب جادوگروں نے کہا پہل کون کرے تو آپ نے نہایت بے پروائی سے کہا کہ تم پہلے اپنے حربے آزمالو ہمیں بعد میں رکھو۔

قالوا یٰموسی اما أن تلقی و اما أن نکون أوّل من ألقی. قال بل ألقوا فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیه من سحرھم أنھا تسعی

(پ:١٦، طہٰ:٦٦)

ترجمہ: انہوں نے کہا اے موسیٰ! یا تو ڈال یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے موسیٰ نے کہا نہیں تم ڈالو اس وقت انکی رسیاں اور لاٹھیاں اسکے خیال میں اس طرح دکھائی دیں جیسے دوڑ رہی ہوں۔

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر یقین کامل تھا کہ فتح پانے والا ہی آج اللہ کے ہاں فلاح پائے گا وقد أفلح الیوم من استعلی سو موسیٰ علیہ السلام اگر اللہ سے سند اور برہان حاصل کر کے فرعون کے سامنے آئے تو اللہ پر انہیں یقین تھا کہ وہ انکی مدد کرے گا اور یہ سب اظہار یقین اسکے بتانے سے تھا۔

یہ تو نبوت کی بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی صداقت منوانے کیلئے انہیں اپنی قدرت ظاہر کرنے پر کھڑا کردیا تاہم اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مقربین کو ایسا علم عطا کردیتے ہیں کہ ادھر انہوں نے عمل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی تخلیق کردی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس چشم زدن میں لا پیش کرنے والا کون تھا؟

یہ ایک صاحب دل اور ولی کامل حضرت سلیمان علیہ السلام کا صحابی آصف بن برخیا ہی تو تھا جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور انکی تاثیر سے واقف تھا، اس نے اس اعتماد پر یہ بات کہی کہ میں چشم زدن میں یہ عمل کرسکتا ہوں چنانچہ اس نے وہ تخت حاضر کردیا، اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام بول پڑے کہ یہ فعل خداوندی سے ہے جس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے اس فعل کو تخلیق بخشی۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو نبی یا ولی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے (فوائد القرآن ص:۵۰۶)

اللہ کے دوست بعض ایسے بھی ہوئے جو اللہ کے کسی کام پر قسم اٹھالیں کہ وہ ایسا ضرور کرے گا تو اللہ تعالیٰ انکی عزت کی لاج رکھتا ہے اور انکے کام کو پورا کردیتا ہے انہیں کبھی شرمندہ نہیں کیا جاتا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لأبرہ

(صحیح مسلم ج:۲، ص:۳۸۳)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے صدقۃ الفطر کی حفاظت کیلئے مقرر فرمایا، ایک دن شیطان نے اس میں ہاتھ ڈالا میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور تین دن تک ایسا ہوتا رہا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ شیطان کو دیکھنا اور اس پر ہاتھ ڈالنا اور اس سے باتیں کرنا یہ ایک کرامت ہے، آپ حضور ﷺ کی طرف سے ایک مال کے امین اور محافظ تھے آپ کہتے ہیں:۔

فأتانی آت فجعل یحثو من الطعام فاخذتہ

(صحیح بخاری ج:۲، ص:۷۴۹)

ترجمہ: سو آیا ایک آنے والا اور غلہ میں سے چلو بھرنے لگا یہاں تک کہ میں نے اسے پکڑ لیا۔

آپ نے جب اس واقعہ کی اطلاع حضور ﷺ کو دی تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک شیطان تھا جس سے تم تین روز تک بات کرتے رہے۔

اس پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ کرامت کا ولی سے صادر ہونا ممکن ہے۔
حدیث میں وقوع صاف مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس شیطان کو پکڑ لیا۔ (التکشف)

شیطان وہاں انسانی شکل میں آیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان مختلف شکلوں میں تمثل کرتا ہے۔ اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے مقام کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ان خوش نصیب بندوں میں سے تھے جنکے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا تھا کہ وہ میرے بندے ہیں تیرا ان پر کوئی وار نہ چل سکے گا۔

ان عبادی لیس لک علیھم بسلطان و کفی بربک وکیلا
(پ: ۱۵: الاسراء: ٦٥)

ترجمہ: وہ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا۔

اور ابلیس نے تو خود بھی اسکا اعتراف کیا تھا کہ میں سب کو گمراہ کروں گا مگر...

الا عبادک منھم المخلصین قال ھذا صراط علی مستقیم ان عبادی لیس لک علیھم سلطان. (پ: ۱۴، الحجر: ۴۲)

ترجمہ: مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (ان پر میرا قابو نہ چلے گا)
فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی پہنچتی ہے جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہ چلے گا۔

ان آیات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کے مقام ولایت کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح یہ مخلص وفادارانِ رسالت شیطان کے قبضہ سے محفوظ تھے۔ اس سے اس بات کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کسی اونچے درجہ ولایت کے لوگ تھے۔

بہرحال کرامت اللہ کی طرف سے ایک اعزاز ہے جو زہ اپنے مخلص بندوں کو دیتا

ہے اور یہ فضل خداوندی ہے اس میں صاحب کرامت کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اولیاء کرام نے کبھی کرامت کا نہ دعوی کیا ہے اور نہ انہوں نے اس پر فخر کیا ہے، یہ حضرات ہمیشہ استقامت علی الدین اور اتباع شریعت کو سب سے بڑی کرامت سمجھتے رہے ہیں۔

جو لوگ اتباع شریعت نہ کریں اگر ان سے کوئی بات خرقِ عادت کے طور پر صادر ہو جائے تو اسکا نام کرامت نہ ہوگا، کرامت اعزازِ خداوندی ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پیغمبر کی سنتوں سے اعراض کرنے والا اعزاز خداوندی کا حقدار ٹھہرے۔ بزرگوں نے اسے استدراج کہا ہے جس میں حقیقتاً قہر خداوندی ایک مہربانی کی صورت میں نظر آتا ہے اور اس میں انجام کار اس شخص کی تباہی ہوتی ہے۔ سو کسی سے خرق عادت ظاہر ہونے پر اسے ولی سمجھنا اور اسکے پیچھے لگ جانا دانشمندی نہیں ہے۔ ہاں متبع شریعت کی صحبت اٹھانا اور انکی خدمت میں رہنا بہت بڑی نیکی ہے خواہ اس سے زندگی بھر کوئی خرق عادت امور ظاہر نہ ہو پائے۔ صوفیاء کرام کے ہاں **الاستقامة فوق الف الكرامة** بہت معروف جملہ ہے، یعنی شریعت پر استقامت کا مظاہرہ کرنا اور اس پر صدق دلی سے جما رہنا ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے کہ قرآن میں کرامت نہیں استقامت کا حکم دیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اسی کی تاکید فرمائی ہے۔

یاد رہے کہ کرامات کا ثبوت جب کتاب و سنت سے مل گیا تو اب اسکا انکار کسی صورت میں نہ کرنا چاہیے، اہل سنت کے ہاں کرامت کو حق ماننا عقائد حقہ میں شمار کیا گیا ہے۔

تصرفات

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی أما بعد!

کسی کلام الٰہی کی تاثیر یا اپنی قوت توجہ یا عمل اور ہمت سے کسی کے دل میں کوئی بات ڈالنا یہ تصرف ہے۔ توجہ ڈالنے والا اپنے محدود اختیارات سے کسی حالت کو بدلتا ہے لیکن نئے حالات پیدا کرنا اسکے اپنے اختیار میں نہیں دیا گیا۔ پیدا کرنا ہر چیز کا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اللہ خالق کل شیئ. بندہ اپنے اختیار سے جب بھی کسی اچھے یا برے عمل کا اکتساب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس فعل کی تخلیق کر دیتا ہے، جس کا ارادہ اس شخص نے کیا وہ اسکے اکتساب کے جملہ مراحل طے کر پایا اب تخلیق الٰہی سے وہ چیز واقع ہوگئی۔ یہ عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا کہ اس نے وہ چیز واقع کر دی۔ ہمارے سب اعمال بھی اس کی تخلیق سے ہیں۔ **خلقکم وما تعملون.**

جادوگر اپنے عملِ سحر سے خاوند اور بیوی میں تفریق ڈالتا ہے اس میں جادوگر اپنے جملہ مراحل کسب عمل میں لاتا ہے۔ سحر نام ہے اسباب خفی سے کام لے کر تصرفات عجیب کرنے کا۔ تاہم اسے خاص خاص مشقوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہو جاتا ہے۔ فعل کی تخلیق پھر بھی خدا کے ہی ہاتھوں عمل میں آتی ہے۔ اسے جادوگر کا تصرف تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے جادوگر کی تخلیق نہیں کہہ سکتے، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ کوئی اور کسی چیز کا خالق ہو سکے۔

فیتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء وزوجه

(پ:۱، البقرہ:۱۰۲)

ترجمہ: پھر وہ سیکھتے ہیں (ہاروت و ماروت سے) وہ عمل جس سے خاوند اور بیوی میں تفرقہ ڈال دیں۔

پھر بھی بدوں اذنِ الٰہی کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ سو یہ تصرف ہے تخلیق ہرگز

نہیں کہ یہ نام آتے ہی شرک کی صدا آنے لگے کہ دیکھو غیر اللہ میں تصرف کی قوت مانی گئی۔

تخت بلقیس کو ہزاروں میلوں سے آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لانا کیا یہ تصرف نہیں تھا؟ اسے وہ علم الکتاب سے عمل میں لا رہا تھا، معلوم ہوا کہ کسی بندہ خدا یا ولی کا تصرف کر کے کوئی عمل بجالانا ہرگز شرک نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

قال الذی عندہ علم من الکتاب أنا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی...
(پ:۱۹، النمل: ۴۰)

ترجمہ: وہ شخص جسکے پاس علم الکتاب تھا بولا میں لے آتا ہوں اسے پیشتر اسکے کہ آپ کی طرف آپ کی نگاہ لوٹے، سو اتنے میں سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے ہاں موجود پایا اور فرمایا یہ میرے رب کا فضل ہے وہ مجھے آزمارہا ہے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔

کیا اس ولی اللہ آصف بن برخیا میں قوت تصرف نہ تھی؟ کسی کے اس طرح کے روحانی تصرف کا ذکر اور اقرار شرک ہرگز نہیں ہے۔

موطا امام مالک میں ہے:۔

ان کعب الاحبار قال لولا کلمات اقولھن لجعلتنی الیھود حمارا فقیل لہ وما ھن قال اعوذ لوجہ اللہ العظیم لیس شیئ اعظم منہ وبکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر وباسماء اللہ الحسنی کلھا ما علمت منھا وما لم اعلم من شر ما خلق وبرا وذرا (موطا امام مالک ص: ۳۷۸)

ترجمہ: (علماء یہود کے ممتاز عالم) حضرت کعب الاحبار (جو دائرہ اسلام میں آئے) کہتے ہیں کہ میرے پاس اگر وہ خاص کلمات نہ ہوتے جنہیں میں پڑھتا رہتا ہوں تو یہودی علماء مجھے گدھے کی صورت میں مسخ کردیتے۔

اس سے پتہ چلا کہ سفلی علوم والوں کے پاس بھی اتنی قوت تصرف ہوسکتی ہے کہ وہ

انسان کو گدھے کی شکل میں بدل دیں گو اس تصرف میں بھی تخلیق فعل خداوندی سے ہی ہوگی نہ کہ جادوگر کی طرف سے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام الٰہی یا دوسرے بعض پاکیزہ کلمات میں بھی اتنی قوت تصرف ہے کہ وہ یہود و ہنود کے کالے علم کی پوری کاٹ کر سکے گو اس میں بھی تخلیق فعل خداوندی سے ہی وجود میں آئی۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جادوگروں کا تصرف گو اپنی ذات میں کفر ہے، برحق ہے اور اولیاء اللہ کے ہاتھوں صادر ہونے والے تصرفات بھی برحق ہیں سو کسی بزرگ کی کرامات میں تصرف کے لفظ سے بدکنا کسی صاحب علم کا کام نہیں ہوسکتا۔

اب ہم ان تصرفات کے کچھ اور پیرائے بھی ذکر کرتے ہیں۔

(۱)...تصرف جبرئیل درصدر نبی جلیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حرا میں جبرئیل امین آئے اور آپ سے کہا اقرا باسم ربک الذی خلق. آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں، حضرت جبرئیل نے آپ کو سینہ سے لگایا اور دبایا ایسا دبانا تین مرتبہ ہوا اور کلام الٰہی آپ کے سینہ میں اتر گیا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اسے تصرف کا ایک پیرایہ سمجھتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> جبرئیل علیہ السلام کا آغاز وحی میں آپ کو دبانا بھی غالباً اسی قبیل سے ہے۔ (التکشف ص: ۵۳۲)
>
> یہ فرشتہ حضرت جبرئیل تھے، انکا پڑھنے کیلئے کہنا بایں معنی نہ تھا کہ جو پہلے سے یاد ہو وہ پڑھئے بلکہ یہ کہنا ایسا تھا جیسے استاذ بچہ کے سامنے 'ا.ب.ت' رکھ کر کہتا ہے کہ پڑھو جو میں بتلاؤں گا وہ پڑھو، پھر آپ کا فرمانا کہ میں پڑھا ہوا نہیں یا تو اسی بناء پر تھا کہ آپ کا ذہن مبارک اقرأ کے اس معنی کی طرف منتقل نہیں ہوا یا آپ کو قرائن سے مظنون ہوا ہو کہ کوئی ایسی چیز پڑھوا دیں گے جسکے اخذ و ضبط کیلئے پہلے سے پڑھے لکھے ہونے کی ضرورت ہے، بہر حال اسکی ضرورت تھی کہ اس قرات ماموربھا کے اخذ اور تلقی کیلئے آپ کی استعداد کی تقویت اور تکمیل کی

جائے، اس غرض سے فرشتہ نے آپ کو کئی بار دبایا تا کہ قوت توجہ اور ہمت سے آپ کے قلب میں تصرف کرے اس طرح اس حدیث سے اس عمل کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ (التکشف ص:۳۹۶)

(۲)...تصرف نبی کریم در صدور شاگردان فہیم

حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ سے عرض کی کہ مجھے بعض اوقات حدیث بھول جاتی ہے اسکا سد باب ہونا چاہیے آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے چادر پھیلائی آپ نے اس پر کچھ پڑھا میں نے اس کو اپنے سینہ سے لگالیا اور پھر میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا...

فقال ابسط رداء ک فبسطته فغرف بیدیه ثم قال ضم فضممته فما نسیت شیئا (صحیح بخاری ج:۱،ص:۲۲)

ترجمہ: آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے وہ پھیلا دی آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ ڈالا اور فرمایا اسے بند کر لے میں نے اسے لپیٹ لیا اسکے بعد میں کبھی کچھ نہیں بھولا۔

ایسے واقعات کبھی اپنے عوام میں اس پیرائے میں نہ لائیں کہ یہ اپنی سمجھ پر بھروسہ کرنے والے ان حقائق کا مذاق اڑائیں جیسا کہ تصوف کے منکرین ایسے وقائع کا عام مذاق اڑاتے ہیں۔

(۳)... اثر الضرب للتصرف فی القلب

قبیلہ خثعم نے ذی الخلصہ میں کعبہ یمانیہ بنا رکھا تھا جس سے انکا مقصد مکہ مکرمہ کے کعبہ مشرفہ کے خلاف ایک دوسرا کعبہ بنانا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس شرک کے مرکز سے سخت بیزار تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی شخص کمرِ ہمت باندھے اور اس مرکز شرک کو ختم کردے۔ حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ نکلا وہ سب گھوڑوں کے سوار تھے اور میں گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھ سکتا تھا۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ:۔

وکانوا اصحاب خیل فاخبرت النبی ﷺ انی لا اثبت علی الخیل فضرب فی صدری حتی رأیت اثر اصابعه فی صدری وقال اللّٰهم ثبته واجعله هادیا مهدیا فانطلق الیها فکسرها

وحرقها فارسل الی النبی ﷺ یبشرہ

(صحیح بخاری ج:۱،ص:۴۳۳، ج:۲،ص:۶۳۴)

ترجمہ: اور وہ سب گھوڑ سوار تھے میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا آپ نے میرے سینے پر ایک ضرب لگائی میں نے آپ کی انگلیوں کے آثار اپنے سینہ پر دیکھے آپ فرما رہے تھے کہ اے اللہ اسکو ثابت قدم فرما (گھوڑے پر بھی اور دین پر بھی) اور اسکو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا رکھ... پھر آپ (یعنی حضرت جریرؓ) اس کعبہ یمانیہ کی طرف گئے اسے توڑ ڈالا اور جلا دیا اور پھر حضور ﷺ کو اسکی خوشخبری بھیجی۔

آنحضرت ﷺ کے اس تصرف اور اس دعا سے حضرت جریر کو ثبات علی الدین اور ثبات علی المرکب دونوں میں قوت ملی اور کفار کا بت ٹوٹ گیا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں:۔

ظاہرا تو آپ کا ہاتھ مارنا انکے قلب میں ایک قسم کا تصرف تھا کہ انکے دل سے جھجک اور خوف سواری کے وقت نکل جائے۔ مشائخ کے اس قسم کے تصرفات کی اس سے اصل نکلتی ہے اور توجہ اور ہمت بھی اسی کا نام ہے۔ (التکشف ص:۳۵۲)

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب کو کفر کا ایک وسوسہ گذرا، آنحضرت ﷺ صورت حال پہچان گئے اور حضرت ابی کے دل میں تصرف فرمایا۔ آپ کہتے ہیں کہ:۔

فلما رأیٰ رسول اللہ ﷺ ما غشینی ضرب بیدہ فی صدری ففضت عرقا وکانی أنظر الی اللہ فرقا ثم قال یا أبی بن کعب ان ربی ارسل الی أن أقرأ القرآن علی حرف... فرد علی الثالثة أن أقرأ علی سبعة أحرف. (سنن کبریٰ للبیہقی ج:۲،ص:۳۸۳)

ترجمہ: جب حضور ﷺ نے یہ صورت حال دیکھی جو مجھ پر چھائے جارہی تھی تو آپ نے میرے سینہ میں زور کا ہاتھ مارا، میں پسینے میں غرق تھا اور گویا میں خدا کو ڈر سے دیکھ رہا تھا پھر آپ نے کہا اے ابی!

میرے رب نے مجھے پیغام دیا کہ میں قرآن ایک حرف پر پڑھوں....
تیسری دفعہ خدا نے مجھے اس پر لوٹایا کہ میں قرآن کو سات حروف میں پڑھ سکوں۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجیے آپ نے اسے حکیمانہ پیرایہ میں اس کام کی برائی سمجھائی اور پھر آپ نے اپنا ہاتھ اسکے سر پر رکھا اور یہ دعا فرمائی:۔

اللّٰهم اغفر ذنبه وطهّر قلبه وحصّن فرجه.

(مسند احمد ج: ۸، ص: ۲۸۵)

ترجمہ: اے اللہ اسکے گناہ معاف کردے اسکے دل کو پاک کردے اور اسکی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ اسکا یہ اثر ہوا کہ پھر یہ کسی غیر عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔

فلم يكن بعد ذلک الفتى يلتفت الى شيء... كذا فى تفسير لابن كثير تحت قوله تعالىٰ ولا تقربوا الزنا (پ:۱۵، بنی اسرائیل)

(۴)... تصرف الحصار من سيد الابرار

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی اور چل دیئے میں آپ کے ساتھ ساتھ تھا:۔

فأخذ بيدى حتى خرج الى بطحاء مكة فأجلسنى وخط علىّ خطا وقال لاتبرجن من خطک فانه سينتهى اليک رجال فلا تكلمهم فانهم لن يكلموک

ترجمہ: پس آپ نے میرا ہاتھ پکڑا یہاں تک کہ مکہ کے سنگستان سیلاب گاہ میں تشریف لائے پھر مجھ کو (ایک جگہ) بٹھلا دیا اور میرے گرد ایک خط (دائرہ کے طور پر) کھینچ دیا اور فرمایا اس خط سے باہر مت نکلنا تمہارے پاس سے بہت لوگ گذریں گے سو تم ان سے بات نہ کرنا وہ

بھی تم سے بات نہ کریں گے۔
حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:۔
بعض اوقات مشائخ بھی ایسے تصرفات کرتے ہیں کبھی کسی مصلحت سے دوسروں کو بھی اسکا طریقہ بتلا دیتے ہیں مثلاً فلاں چیز پڑھ کر اپنے گرد دائرہ کھینچ لینا جسکو حصار کہتے ہیں جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ باوجود بہت سی مخلوقات خفیہ کے نظر آنے کے صاحب حصار انکی گزند سے محفوظ رہتا ہے یہ حدیث ظاہراً اسکی اصل ہوسکتی ہے۔(التکشف ص:۳۵۶)

وہ کونسی چھپی مخلوقات ہے جو کھلے بندوں انسانوں کو نظر نہیں آتی، وہ جنات ہیں ان کے آگے بند باندھ دئے جائیں تو وہ انسانوں پر چڑھائی کر نہیں پاتے۔ اسی طرح سانپ وغیرہ بھی چھپی مخلوقات کے طور پر رہتے ہیں مگر حصار کرلیا جائے تو وہ بھی انسان تک پہنچ نہیں پاتے، یہ حصار کرنے والا ان پاک کلمات سے اللہ کی حفاظت میں آچکا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ راہ عمل بھی دی ہے کہ وہ اس چھپی مخلوقات کے آگے حصار باندھ سکے یہ تصرف ہے جو صاحب عمل کے ہاتھوں وجود میں آتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس فعل کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، وہی ہر چیز کا اچھی ہو یا بری خالق ہے اور اسکو منظور نہیں کہ کوئی اور بھی خالق کہلا سکے۔

اللہ خالق کل شیئ (پ:۲۴، الزمر:۶۲)

واللہ خلقکم وما تعملون (پ:۲۳، الصافات:۹۶)

حضرت امام بخاری کی کتاب خلق افعال عباد اسی موضوع پر ہے کہ بندوں کے فعلوں کی تخلیق اللہ رب العزت کے ہاتھوں سے ہی عمل میں آتی ہے۔

تصرف کی یہ قوت اہل باطل کو استدراج اور مشق سے ملتی ہے، اہل حق کلمات حق سے یہ دولت پاتے ہیں۔ ہم یہاں اسکی ایک دو مثالیں لکھتے ہیں۔

اہل ولایت میں تصرف کی روحانی قوت

۱۔ موفق الدین ابومحمد (عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ) فقہائے حنابلہ میں ممتاز درجے کے عالم اور محدث ہیں۔ شیخ ابوبکر محمد بن معالی کہتے ہیں:

ما أعرف أحدا في زماني ادرک درجة الاجتهاد الا الموفق.

(الذیل علی طبقات الحنابلہ ج:۲،ص:۱۳۳)

ترجمہ: میں اپنے دور میں کسی اور کو نہیں جانتا کہ وہ علم میں درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہوں سوائے موفق الدین کے۔

یوں سمجھئے جس طرح حنفیہ میں امام ابن ہمام (۸۶۱ھ) درجہ اجتہاد کو پہنچے حنابلہ میں موفق بن قدامہ (۶۲۰ھ) درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے مگر ان دونوں نے بایں وفور علم تقلید کو ترک نہ کیا، انہوں نے تقلید اعلم کو خود اجتہاد کرنے سے بہتر اور احوط جانا۔ ولایت میں انکا کیا مقام تھا اسے حافظ ابن رجب حنبلی محدث سے سنئے:۔

من راٰه کانه رأیٰ بعض الصحابة وکانما النور یخرج من وجهه کثیر العباده یقرأ کل یوم ولیلة سبعا من القرآن... ینتفع الرجل برؤیته قبل ان یسمع کلامه (ایضا ج:۲،ص:۱۳۳)

ترجمہ: جس نے انہیں دیکھ لیا گویا اس نے کسی صحابی کو دیکھ لیا اور آپ اس طرح تھے کہ آپ کے چہرے سے نور چھلکتا تھا، آپ بہت زیادہ عبادت میں رہتے، ایک دن رات میں سات مرتبہ قرآن ختم کرتے، آدمی آپ کی بات سننے سے پہلے آپ کے دیکھنے سے منتفع ہوجاتا تھا۔

ابوالحسن بن حمدان کہتے ہیں کہ حنابلہ کے بارے میں میری رائے اچھی نہ تھی میں بیمار ہوا اور میرے اعصاب سکڑ گئے، سترہ دن تک یہ حالت رہی کہ میں حرکت نہ کرسکتا تھا اور موت مانگتا تھا کہ اچانک ایک رات عشاء کے وقت شیخ موفق میرے ہاں تشریف لائے مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کیسے آئے دروازے پر تو کوئی دستک سنائی نہ دی تھی آپ نے مجھ پر ایک آیت پڑھی اور میری پشت پر ہاتھ پھیرا، ہاتھ کیا پھیرا مجھے صحت مل گئی وہ آیت یہ تھی:

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين.

(پ:۱۵: بنی اسرائیل:۸۲)

ترجمہ: اور ہم نے لوگوں کیلئے قرآن میں شفا اتاری ہے اور وہ قرآن رحمت ہے تمام مومنین کیلئے۔

روایت یہ ہے:۔

ومسح علی ظهری فامسیت بالعافیة وقام فقلت یاجاریة افتحی له الباب فقال أنا أروح من حیث جئت وغاب عن عینی فقمت من ساعتی الی بیت الوضوء فلما أصبحت دخلت الجامع فصلیت الفجر خلف الموفق وصافحته فعصر یدی وقال أحذر أن تقول شیئا. (ج:۲،ص:۱۳۳)

ترجمہ: آپ نے میری پشت پر ہاتھ پھیرا اور میں نے عافیت محسوس کی آپ اٹھے اور میں نے باندی سے کہا کہ آپ کیلئے دروازہ کھول آپ نے فرمایا میں اسی رستے چلا جاؤنگا جس راہ سے آیا ہوں اور آپ میری آنکھوں سے غائب ہوگئے میں اسی وقت اٹھا اور پانی کی جگہ گیا صبح ہوئی تو میں جامع مسجد گیا اور فجر کی نماز امام موفق کے پیچھے پڑھی اور آپ سے مصافحہ کیا آپ نے میرا ہاتھ دبایا اور فرمایا خبردار کوئی بات نہ کہنا۔

رہا یہ سوال کہ کوئی شخص خرق عادت کے طور پر لوگوں کی نظروں سے غائب رہے کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں یہ بات ممکن ہے اور ایسا ہوا بھی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ اسے اس طرح تسلیم کرتے ہیں:۔

نعم قد تخرق العادة فی حق الشخص فیغیب تارة عن أبصار الناس اما لدفع عدو منه واما لغیر ذلک واما ان یکون هکذا طول عمره فباطل نعم یکون نور قلبه وهدی فواده وما فیه من اسرار الله تعالٰی وامانته وانواره ومعرفته غیبا عن اعین الناس ویکون صلاحه و ولایته غیبا عن اکثر الناس فهذا هو الواقع... واسرار الحق بینه وبین اولیائه واکثر الناس لایعلمون

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۱۱،ص:۴۳۳)

ترجمہ: جی ہاں کبھی عادت زمانہ کسی شخص کے حق میں اس طرح ٹوٹتی ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوجائے یا اپنے سے کسی چیز کو دور کرنے کیلئے یا کسی اور بات کیلئے۔ البتہ یہ بات کہ وہ اس طرح

مدت العمر رہے سو یہ بات باطل ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اسکا نور قلب اور اسکے دل کی ہدایت اور جو اس میں اللہ تعالیٰ کے اسرار ہو سکتے ہیں اور اسکی امانت اور اسکے انوار لوگوں کی نظروں سے غائب رہیں اور اسکی اچھائی اور ولایت اکثر لوگوں سے چھپی رہے اور ایسا واقع ہے اور یہ حق کے اسرار ہیں جو اسکے اور اسکے اولیاء کے مابین ہیں اور اکثر لوگ انہیں جانتے نہیں۔

تصرف کی ایک اور مثال

شیخ عماد الدین المقدسی الفقیہ الزاہد بازار میں جارہے تھے کہ رستے میں طنبور کی آواز سنی جب آپ اسکے قریب پہنچے تو آپ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا اور اپنی آستین جھاڑی، پھر کیا ہوا:۔

فرأیت صاحب الطنبور قد وقع وانکسر طنبورہ فقیل لصاحب الطنبور ایش بک قال ما ادری (ایضاً ج:۲،ص:۹۳)

ترجمہ: صاحب طنبور کے ہاتھ سے طنبور گر پڑا اور ٹوٹ گیا اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہوا اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔

سو تصرف کا عمل ہرگز شرک کا حامل نہیں گو یہ اپنی جگہ محمود نہ ہو ورنہ حافظ ابن تیمیہ اسے ضرور کفر قرار دیتے مگر آپ نے اسے تسلیم کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

وھھنا اصل آخر وھو انہ لیس کل عمل اورث کشفا او تصرفا فی الکون یکون افضل من العمل الذی لایورث کشفا وتصرفا... فان الکشف والتصرف ان لم یکن مما یستعان بہ علی دین اللہ کان من متاع الحیوۃ الدنیا... وقد یحصل ذلک للکفار والمشرکین واھل الکتاب... ففضائل الاعمال ودرجاتھا لاتتلقی مثل ھذا وانما تتلقی من دلالۃ الکتاب والسنۃ... ومن عبد اللہ بغیر علم فقد افسد اکثر مما یصلح وان حصل لہ کشف وتصرف

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج: ۱۱، ص: ۳۹۵)

ترجمہ: اور اس جگہ ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ وہ عمل جو کشف یا تصرف کا اثر رکھے اس عمل سے افضل نہیں جو کشف اور تصرف نہ دکھا سکے کیونکہ وہ کشف اور تصرف جس سے اللہ کے دین کی مدد نہ مانگی جائے وہ تو محض ایک دنیوی منفعت کی چیز ہوگا اور یہ (قوت تصرف) کبھی کافروں کو بھی حاصل ہوتی ہے...سو فضائل اعمال اور انکے درجات اس قسم کے عملوں سے حاصل نہیں کئے جاتے وہ تو کتاب وسنت کی رہنمائی سے ملتے ہیں اور جس نے بغیر علم کے اللہ کی عبادت کی اس نے نیکی کے بجائے فساد زیادہ کیا گو اسے یہ کشف وتصرف حاصل ہو۔

حاصل یہ کہ تصرف کا انکار درست نہیں اور ہم بدلائل بتلا چکے ہیں کہ تصرف کی اپنی ایک حقیقت ہے اور اسکی اپنی ایک تاثیر ہے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ کسی چیز کے علم وفہم سے بالا ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اس چیز کا کہیں وجود ہی نہیں ہے، جب یہ بات حدیث سے ثابت ہے اور اہل ولایت اسے تسلیم کرتے ہیں تو اسکا انکار نہ کرنا چاہیے۔

اذا لم تر الهلال فسلم لاناس راوه بالابصار

ہاں ہمیں یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ بعض لوگوں نے اعمال احسان پر مرتب ہونے والی آسمانی توجہات کے نام پر عوام کو اپنے جال میں لانے کی کوشش کی ہے اور اس راہ میں بدعات کے اتنے زہریلے کانٹے بچھادئے ہیں کہ کئی نادان اس راہ میں جاتے زخمی ہو چکے اور بالآخر وہ روحانی موت کا شکار ہو گئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ میں لائی گئی کچھ بدعات کی نشاندہی کردی جائے تا کہ راہ احسان کا مسافر بہ حفاظت اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

راہِ ولایت میں لائی گئیں بدعات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی أما بعد!

اہل بدعت نے جس طرح شریعت کے پیرایہ میں کچھ بدعات اختیار کی ہیں اور آج وہ اپنی مسجدوں میں انہی سے پہچانے جاتے ہیں، سلوک واحسان کی راہ میں بھی انکی ریاضتوں پر بدعات کے کئی دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جب ذکر انکے سروں میں جوش مارتا ہے تو ابلیس انہیں ولایت پر پہنچے ہوئے ہونے کا تصور دلاتا ہے حالانکہ انہیں سنت مصطفوی کی ہوا تک نہیں لگی ہوتی اور جس چیز کو وہ ولایت سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ محض عملیات کا ایک کھیل ہوتا ہے، عملیات کے سائے میں ہاروت و ماروت کے شاگرد، یونان کے مشائین، ستارہ پرست صائبین اور ہندوستان کے پنڈت اور جوگی اور عیسائی راہب قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں اور انکی یہ محنتیں کتنی ہی کیوں نہ ہوں ولایت الٰہیہ نہیں ہے، ولایت کا مقام بہت آگے ہے انکی یہ پررونق محنتیں یہیں کی یہیں دھری رہ جائیں گی، وہ مغالطے میں انہیں نیک اعمال سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا الذين ضل سعيهم في الحيٰوة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا

(پ:۱۶، الکہف:۱۰۴)

ترجمہ: آپ کہیں کیا ہم تمہیں انکی خبر نہ دیں جو اعمال میں خسارہ پاگئے، وہ لوگ جنکی کوششیں دنیا کی زندگی میں بھٹکتی رہیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ خوب نیکی کر رہے ہیں۔ (انکے ان اعمال کا نہ انہیں یہاں کوئی فائدہ ملے گا نہ آگے جا کر)

(۱)... پہلی بدعت

جس میں ہزارہا عقیدت منداپنے آپ کو ضائع کر گئے۔ اعمال واشغال سے جو

کشف وشہود حاصل ہوا سے کمال سمجھ لینا ہندو پنڈتوں اور جوگیوں کا وہ ہتھیار ہے جس سے انہوں نے صدیوں تک ہندوستان کی کثیر آبادی کو اپنے اندھیروں میں گھیرے رکھا پھر جب مسلمان درویش اور راہ ولایت کے مسافر اس دیس میں آئے اور انہوں نے بھی کشف وشہود کی وہی جھلکیاں دکھائیں تو لوگوں پر راز کھلا کہ ہندو جوگیوں کا کشف کوئی انکا روحانی کمال نہ تھا نہ یہ کوئی انکے مذہب کی صداقت کا نشان ہے، ایمان کی نعمت کچھ اور ہے شعبدے کسی صداقت کا نشان نہیں ہوسکتے۔ کشف وشہود سنت کی راہ سے ملے تو بیشک یہ ایک کام کی چیز ہے اور مطلوب تک پہنچنے کی بیشک یہ بھی ایک راہ ہے لیکن اگر اسکے ساتھ آپ کو سنت کا نور نظر نہیں آرہا تو یہ بیشک ایک تلبیسِ ابلیس ہے۔ حضرت سید احمد شہید فرماتے ہیں:۔

> جو کشف اور شہود سلوک کے اعمال اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے کافر اور مومن، مبتدع اور متبع سنت، کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اسکی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کا کفر اور ملحد کا الحاد اور مبتدع کی بدعت اسکے رد کرنے والی چیزیں ہیں، پس صرف اسی کشف وشہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطا ہے ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے۔ (صراط مستقیم ص:۷۹ مرتبہ حضرت شاہ اسماعیل شہید)

(۲)...دوسری بدعت:

شریعت کی کسی مخالفت کو اپنے فقر کا نشان بتلانا:۔

سڑکوں پر کئی کونوں میں آپ کو باباجی بیٹھے ملیں گے جو یا تو کلین شیو ہونگے یا ننگے بیٹھے ہونگے یا اور کوئی نئی ادا اپنائے ہونگے، انکے پاس بعض اعمال ایسے ہونگے جنکے اثرات ان لوگوں پر ظاہر ہوئے اور وہ انکے پاس عقیدت مند ہوکر بیٹھ گئے۔ یہ سب عملیات کے کرشمے ہیں، لوگ انکے اس خلاف شریعت انداز کو اس تاویل کے سائے میں جگہ دیں گے کہ فقر میں بعض مقامات ایسے بھی آتے ہیں جن میں ظاہر شریعت کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ طریقت کی راہ میں یہ وہ بدعت ہے جو سرے سے دین کو ختم کردیتی ہے۔ تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد شہید فرماتے ہیں:۔

اگر شریعت کے احکام ان پر جاری نہ کرسکیں تو ان سے سخت بیزار رہیں
اور ہرگز ان سے ملاقات نہ کریں اور انکے سامنے جانے کو برا جانیں اور
اگر کبھی ان میں سے کسی کی ہدایت کا گمان ہو تو ایک دو بار ملاقات
کرلیں پھر اگر اسکو ہدایت ہوگئی تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں نہیں تو
اسکے پاس جانے سے باز رہیں کیونکہ بری صحبت سے بچنا بھی اللہ تعالیٰ
کے طلاب کے حق میں نہایت ضروری چیز ہے۔(صراط مستقیم ص:۸۰)

قرآن پاک میں ہے:۔

لا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین (پ:۷،الانعام:۶۸)

اور حدیث میں ہے:۔

لا تجالس الا مؤمنا ولا یاکل طعامک الا تقی (رواہ الدارمی)

(۳)...تیسری بدعت:۔

خوابوں میں کسی پیر کو دیکھ کر اسکو بزرگ سمجھ لینا اور صبح کو اسکی بیعت کرلینا.

اس میں شریعت پر دو طرف سے حملہ ہوتا ہے:۔

(۱)۔خواب کو حجت اور سند ماننا حالانکہ خواب صرف نبی کا حجت ہوتا ہے غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا۔

(۲)۔شیطان صرف حضور ﷺ کی شکل نہیں بنا سکتا وہ باقی ہر پیر کے روپ میں آسکتا ہے اور اسے دھوکہ میں ڈال سکتا ہے، خواب دیکھنے والے کو کیا پتہ کہ ابلیس ہی یہ روپ دھارے ہوئے ہے۔

جاہل لوگ جب اس قسم کا خواب دیکھتے ہیں کہ وہ فلاں پیر کی بیعت کررہے ہیں تو پھر وہ سر کے بل اسکے آستانے پر پہنچتے ہیں جہاں وہ پیر براجمان ہو اور بیعت کرنے کے بعد لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ہم یونہی اس پیر کے چرنوں میں نہیں آئے ہم کچھ دیکھ کر اسکے مرید ہوئے ہیں۔

سوال: کیا خواب میں شیطان کا تصرف ہوسکتا ہے؟

جواب: کیوں نہیں! حلم عربی میں خواب کو کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ الحلم من الشیطان احتلام اسی شیطان کا عمل ہے۔ احتلام میں فریق ثانی شیطان کی ہی ایک متمثل صورت ہوتی ہے۔ خواب رحمانی بھی ہوتے ہیں اور شیطانی بھی، رحمانی خوابوں کو مبشرات کہتے ہیں یہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں، ختم نبوت پر نبوت کی سب راہیں مسدود ہوچکیں صرف مبشرات کی راہ کھلی ہے اور یہ مومن کے وہ سچے خواب ہیں جو وہ دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں۔ حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

الرؤیا من اللّٰہ والحلم من الشیطان فاذا حلم احدکم حلما یکرهه فلینفث عن یساره ثلثا ولیتعوذ باللّٰہ من شرها

(صحیح مسلم ج:۲،ص:۲۴۱)

ترجمہ: رویا خدا کی طرف سے ہے اور حلم شیطان کی طرف سے، سو جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے بائیں طرف تین دفعہ پھونک لگائے اور اس خواب کے شر سے اللہ کی پناہ میں آئے۔ (اعوذ باللہ پڑھے)

دسویں صدی کے مجدد محدث کبیر ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

قد تکون من فعل الشیطان یلعب بالانسان ویرید ما یحزنه وله مکائد یحزن بها بنی آدم کما اخبر اللّٰہ تعالٰی عنه بقوله انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا (مرقات ج:۶،ص:۲۹)

ترجمہ: خواب کبھی شیطان کے بنائے بھی ہوتا ہے جس میں وہ انسان کے ساتھ کھیلتا ہے اور اسے وہ کچھ دکھاتا ہے جو اسکے غم کا موجب ہو اور اسکے بہت دھوکے ہیں جن سے وہ انسان پر غم ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی خبر دی کہ کانا پھوسی شیطان سے چلتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو غم نصیب کرے۔

خواب کے بارے میں یہ جو لفظ ہیں "**یری العبد الصالح او تری له** جو وہ دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں" غور طلب ہیں۔ انکا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس مرد صالح کے لیے کوئی اور خواب دیکھے۔ تاہم الفاظ کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن و ناس کے جادوگر بھی کبھی اسے ایسے نقشے دکھا دیتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عاملوں کے پاس دوسرے کو خواب دکھانے کے عمل بھی ہوتے ہیں یہ وہ عملیات ہیں جو بعض پیر لوگوں کو دکھا کر پھر انہیں اپنے چنگل میں پھانس لیتے ہیں۔

جب خواب دونوں طرح کے ہیں شیطانی بھی اور رحمانی بھی تو شیطان اگر ایک عورت کی صورت میں آ کر انسان کو جسمانی طور پر ناپاک کرسکتا ہے تو کیا وہ ایک بدعتی پیر کی صورت میں آ کر کسی بدنصیب کو روحانی طور پر ناپاک نہیں کرسکتا اور اسے اپنی بیعت میں نہیں لاسکتا؟ بعض پیر اس قسم کے عملیات کے ذریعہ لوگوں پر اپنا رعب قائم کرتے ہیں اور انہیں اپنی بیعت میں لاتے ہیں، یہ شیطانی تصرف ہے جو اہل بدعت نے سنت کے مقابلے میں اختیار کررکھا ہے۔ حق یہ ہے کہ مومن کیلئے صرف کتاب وسنت اور عملِ صحابہ حق کا نشان ہیں انکے علاوہ ہر صورت پیش آمدہ میں شیطانی تصرف ہوسکتا ہے۔ حضرت الشیخ عبدالغنی النابلسی رویائے باطلہ کی چوتھی قسم کے تحت لکھتے ہیں:۔

ما یریه سحرة الجن والانس فیتکلفون منها ما یتکلف به الشیطان

ترجمہ: جو اسے جنوں اور انسانوں کے جادوگر دکھاتے ہیں وہ اس سے وہی تکلف کرتے ہیں جو شیطان اس سے کرسکتا ہے۔

(۴)... چوتھی بدعت:

تعویذات کے ذریعہ رام کرنا:۔

لوگ تعویذوں کے جوڑ توڑ میں بھی خاصی دلچسپی لیتے ہیں۔ اپنی ضرورت کے تحت لوگوں کو رام کرنا ماتحتی میں لانا یا کسی دشمن کو اپنے عزیزوں سے توڑنے کیلئے عمل کرنا انکے مجسمے بنا کر ان میں سویاں لگانا یہ وہ سفلی عمل ہیں جو خالص شیطانی کام ہیں لیکن شیطان کسی اچھے عنوان سے انسان کو اس عمل پر لائے گا، سو ایسے شیطانی کاموں کو اچھی نیت مہیا کرنا یہ خود ایک بدعت ہے۔

بدعتی پیروں کے گرد مریدوں کا ایک گھیرا بنا ہوتا ہے، انہوں نے عوام میں اپنا کاروبار چلانے کیلئے کچھ اپنے دوست بنائے ہوتے ہیں جو ان پیروں کی کرامات کے قصے آگے سناتے ہیں۔ جو بات چل گئی پھر وہ انکے عوام کے حق میں ایک وحی قطعی ہو جاتی ہے جس میں کوئی غلطی راہ نہیں پا سکتی۔

محبت کے جوڑ اور عداوت کے توڑ کیا صرف اللہ والوں کے ہی عمل ہو سکتے ہیں یا یہ

اعمال جوگیوں، عیسائی راہبوں اور بدعتی پیروں میں بھی ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم نے جادو کے عمل کا ایک یہ اثر بھی بتلایا ہے:۔

فیتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء و زوجه وما هم بضارّین به من أحد الا باذن الله (پ:۱، البقرۃ:۱۰۲)

ترجمہ: سو یہ کفر پسند کرنے والے سیکھتے ہیں ہاروت ماروت سے وہ عمل جس سے وہ جدائی ڈالتے ہیں خاوند اور اسکی بیوی کے درمیان اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر اللہ کے اذن کے۔ (بغیر اسکے تخلیق عمل کے)

یعنی جب وہ برائی اختیار ہی کر لیں تو پھر اللہ تعالیٰ انکے اس عمل کی تخلیق فرما دیتا ہے۔ مجرم بیشک وہی رہتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل کو اختیار کیا اور اسکا اکتساب کیا۔ رہا خالق سو وہ صرف ایک خدا ہے، کسی چیز کی خلقت کی طاقت اس نے کسی کو نہیں دی۔

پیروں کے ان آستانوں میں ناجائز محبت کے تعویذ بھی چلتے ہیں اگر انہیں برا سمجھ کر کیا جائے تو یہ منکرات ہیں، انہیں نیکی سمجھ کر کیا جائے تو یہ بدعات ہیں۔ انسان جب اس عمل کیلئے تل ہی گیا تو اللہ تعالیٰ خود اس عمل کی تخلیق فرما دیتے ہیں جسکا سارا بار اس عمل کرنے والے پر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عمل کو اس لیے پیدا کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا کسی چیز کا خالق نہ کہلائے اسے یہ سننا منظور نہیں۔ انسانی اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں ان سب کا صرف ایک خالق ہے **اللہ خالق کل شیئ** اور سب خیر و شر سب اسکی تخلیق سے عمل میں آتے ہیں۔

(۵)... پانچویں بدعت:

جنات سے جوئے اور سفلی کھیلوں کے نمبر معلوم کرنا:۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان سفلی اغراض میں کھوئے لوگ (وہ ہندو جوگی ہوں یا عیسائی راہب یا بدعتی پیر) اپنے شیطانی ذرائع سے جان لیتے ہیں کہ فلاں جوئے میں فلاں فلاں نمبر نکلنے والا ہے اور پھر وہ اسے اپنے کسی بھی خلیفہ کے کان میں ڈال دیتے ہیں۔ کبھی جنات کی بجائے عملیات سے بھی یہ کام سرانجام دئے جاتے ہیں اور اسکی راہیں صرف عامل ہی جانتے ہیں۔

بس پھر کیا ہے مریدوں اور پیروں دونوں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کی کوششوں اور دلچسپیوں سے ان حلقوں میں اتنا شرک پھیلتا ہے اور اتنی بدعات فروغ پاتی ہیں کہ الامان والحفیظ۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آزمائش کیلئے جادو اور کالے علم میں بھی بیشک اثرات رکھے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلایا ہے کہ ایسا کرنا کفر ہے۔ تاہم ان تصرفات سے انکار نہیں جو ان جوگیوں، عاملوں اور جعلی پیروں کی ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں اور جاہل اور ان پڑھ عوام اپنے ان پیروں کے چکر میں پھنس کر انہیں نیکی سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنی آخرت کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

(۶)...چھٹی بدعت:

مریدوں کی جیبیں خالی کرانے کا عمل تسخیر:۔

تسخیر کے معنی کسی پر ایسی توجہ ڈالنا کہ پھر اسے اپنا ہوش نہ رہے، یہ شخص ہمہ تن حضرت کا ترلقمہ بنا رہے۔ یہ تسخیر کا اصطلاحی معنی ہے بعض پیروں کے پاس مریدوں کی جیبیں خالی کرانے کا عمل ہوتا ہے، اسے عمل تسخیر کہتے ہیں۔ جو شخص اپنے کسی ذاتی مفاد کیلئے کسی مرید پر عمل تسخیر کرتا ہے مرتے وقت اسکا چہرہ سیاہ ہو جائے گا یا اسکی شکل بدل جاتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

اسی طرح دوسروں سے دولت نکلوانا اور اسے اپنے حلقہ عقیدت میں جکڑے رکھنا نیکی کے پردے میں ایک سیاہ بدعت ہے۔ یاد رکھئے جو لوگ پیغمبر کی راہ سے ہٹ کر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے خیر کی توفیق چھین لیتے ہیں اور وہ خدا کی نصرت سے محروم ہو جاتے ہیں، خیر کی توفیق اور نصرت الٰہیہ راہ سنت پر چلنے سے ہی ملتی ہے۔

نبی کی راہ سے ہٹ کر جو اپنی راہ چلتے ہیں
کبھی توفیق ان کو خیر کی جانب نہیں ہوتی
پیغمبر کی شریعت سے کوئی جب قوم ہٹتی ہے
خدا کی رحمت و نصرت اسے حاصل نہیں ہوتی

ایک پیر اس طرح اپنے پورے گھر کا خرچہ اپنے کسی مالدار مرید پر ڈالتا ہے۔ تو اسے طرح ادب سکھاتا ہے۔ مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی اولاد اور عیال کی ضروریات کو ہر چیز

پر مقدم رکھے اگر اپنا تمام مال بھی خرچ کرنا پڑے تو یہ گمان کرے کہ میں نے شیخ کے سکھائے ہوئے ایک ادب کا بھی حق ادا نہیں کیا۔

سید ابوالعباس سرسی نے اپنے شیخ حضرت سید محمد حنفی پر تیس ہزار دینار خرچ کیے لوگوں نے ملامت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ساری دنیا کے خزانے بھی اپنے شیخ پر نچھاور کر دوں تو بھی وہ اس ایک ادب کی قیمت نہیں رکھتے جس کو میں نے اپنے شیخ سے سیکھا۔

ارشاد نمبر ۴۴

(۷)...ساتویں بدعت:

خلافت کی عام تقسیم:۔

کسی کو اپنا خلیفہ بنانا درحقیقت اسے اپنی نیابت پر لانا ہے اور یہ بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ جس کو خلافت دی جارہی ہے اگر وہ اس منصب کا اہل ہے تو یہ نیکی بھی ہے اور ارشاد کا دائرہ عمل بھی، اور نااہل کو منصب خلافت پر لانا بدی بھی ہے اور فتنہ کا دخل بھی۔ صوفیہ کرام کے ہاں خلافت اہل لوگوں کو دی جاتی ہے یا پھر کسی کی اصلاح وہدایت اور اسے برائی سے نیکی پر لانے کیلئے دی جاتی ہے، یہ ایک حکیمانہ طرز عمل ہوتا ہے۔ صوفیہ کرام نے کبھی کسی کو خلافت اس لئے نہیں دی کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں اس شیخ کے گیت گاتے رہیں اور لوگوں کو کھینچ کھینچ کر اسکے قدموں پر لاتے رہیں یا دوسرے مشائخ کے حلقہ اثر کو گھٹانے یا مٹانے کیلئے محنت کرتے رہیں۔ جو پیر محض اپنے حلقہ اثر کو بڑھانے کیلئے خلافتوں کی عام تقسیم کرتا ہے وہ اس سلسلے میں بدعت کو جنم دیتا ہے اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس سے شریعت اور طریقت دونوں کی بدنامی ہوتی ہے۔ سلسلے کو آگے بڑھانا ہرگز طریقت میں مطلوب نہیں۔ اس کی نظر حق تبلیغ پر ہونی چاہیے گو وہ کسی دوسرے شیخ طریقت کے حلقے میں ہو۔

(۸)...آٹھویں بدعت:

خلافت کا اولاد میں چلنا:۔

خلافت اگر اہل حضرات کو ملے تو قطع نظر اس کے کہ وہ اولاد میں سے ہے یا نہیں اس میں کوئی عیب کی بات نہیں لیکن محض اسلئے کہ یہ سلسلہ خاندان سے باہر نہ جانے پائے اور اس گدی پر غیر خاندان کا کوئی فرد نہ آنے پائے، اپنی اولاد کو جانشینی کا منصب دینا طریقت میں

بڑی بدعت ہے۔ انبیاء کرام کے سلسلہ میں وہی لوگ آگے آئے جو اسکے اہل تھے اور جو نا اہل تھے انہیں کبھی یہ منصب نہیں دیا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نا اہل افراد کو محض خاندانی نسبت پر خلافت دینا انبیاء کا طریقہ نہیں، طریقت میں یہ ایک بدعت ہے جو بدعتی پیروں میں عام چل نکلی ہے۔

نقشبندی سلسلہ کے مورث اعلی حضرت سلمان فارسی حضرت ابوبکر کی اولاد میں سے نہ تھے، چشتی سلسلہ کے مورث اعلی حضرت امام حسن بصری حضرت علی مرتضٰی کے خاندان میں سے نہ تھے، جس طرح خلافت ظاہرہ اپنے دائرہ رشد میں کسی نسبی امتیاز سے نہ چلی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اپنی اہلیت و قابلیت پر منصب خلافت پر آئے، خلافت باطنہ بھی پہلے ادوار میں حسب ونسب پر نہیں دائرہ احسان میں چلتی رہی۔ کسی کو مقام ولایت نصیب ہو جائے تو اسکا معنی یہ تو نہیں کہ اب اسکا بیٹا اور پوتا بھی (جو اہل نہ ہو) ولی بن ولی کہلائے اور منصب ولایت کا حقدار ہو جائے۔

اہل سنت کے مقابل شیعہ بیشک خلافت نسب میں قائم کرنے کے مدعی ہیں لیکن قرآن کریم نے اہل کرامت کیلئے تقویٰ کی بنیاد رکھی جو جتنا زیادہ متقی ہوگا اتنا ہی وہ اللہ کے ہاں باکرامت ہوگا اور سب اہل کرامت اسی اساس پر اٹھے ہیں۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (پ:۲۶، الحجرات)

سلسلہ چشتیہ کے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے جانشین خواجہ بختیار کاکی انکے صاحبزادے نہ تھے، حضرت خواجہ کاکی کے جانشین بابا فرید الدین گنج شکر انکے صاحبزادے نہ تھے اور حضرت بابا گنج شکر کے جانشین شاہ نظام الدین اولیاء اور کلیر شریف کے حضرت علی احمد صابر انکے صاحبزادے نہ تھے۔ نقشبندی سلسلہ کی خانقاہ کندیاں شریف کو لیجئے مولانا احمد خان کے جانشین مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری (لدھیانہ) انکے صاحبزادے نہ تھے، مولانا خان محمد صاحب مولانا عبداللہ کے صاحبزادے نہیں۔ پھر علماء دیوبند کو دیکھئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری حضرت گنگوہی کے صاحبزادے نہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے صاحبزادے نہ تھے، مولانا عبدالحفیظ مکی حضرت شیخ الحدیث کے صاحبزادے نہیں ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ خلافت اولاد میں چلے یا چلائی جاتی رہے، یہ سلسلہ اہل کو ملے تو سلسلہ کی عزت ہے اور نااہل کو جائے تو یہ بدعت ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

اگر کسی نااہل کو خلافت مل جائے اور اسے دل میں پتہ ہو کہ اس نے کیسے جھوٹے خواب بنائے اور اپنے پیر کو سنائے تو اب اس خلافت کا بوجھ صرف پیر پر نہ رہے گا یہ خلیفہ بھی برابر کا قصوروار ہوگا، اسے چاہیے کہ وہ اب لوگوں کو بیعت نہ کرے جب تک اسکی اپنی اصلاح نہ ہو جائے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں:۔

عن اسماء قال رسول اللہ ﷺ المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور (اخرجہ الخمسۃ الا الترمذی)

ترجمہ: حضرت اسماء سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ایسے امر کا اظہار کرے جو اسکو نہیں ملی اسکی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دونوں کپڑے جھوٹ کے پہن لئے (مطلب یہ ہے کہ گویا سر سے پیر تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا)

چونکہ مالم یعط عام ہے کمالات باطنیہ کو بھی اسلئے حدیث میں ایسے شخصوں کی بھی مذمت ہے جو باوجود عاری یا ناقص ہونے کے قول یا فعل یا طرز و انداز سے اپنے کو بزرگ ظاہر کرتے ہیں خاص کر جبکہ مرید کرنا بھی شروع کردیں۔ (التکشف ص: ۳۷۷)

(۹)...نویں بدعت:

شیخ کے انتقال کے بعد اسی کے سلسلہ میں زبردستی لوگوں کو باقی رکھنا:۔

شیخ اور مرید کے درمیان نسبت کا پایا جانا بہت اہم ہے، نسبت کے پائے جانے سے فیض بہت ملتا ہے اور اس میں ترقی بھی ہوتی ہے، نسبت نہ ہو تو فیض کا ملنا بہت دقت طلب ہوتا ہے اسی لئے مشائخ بعض حضرات کو بیعت سے انکار کر دیتے ہیں کہ ان میں مناسبت نہیں پائی جاتی اور وہ انہیں دوسرے مشائخ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ شیخ کی زندگی میں اس سے تعلق بہت ضروری ہوتا ہے البتہ شیخ کے انتقال کے بعد اگر اسکی

اولاد یا اسکا کوئی نائب اہل لوگوں میں سے ہو تو اسکی طرف بشرط نسبت رجوع کرنا اور تجدید بیعت کرنا بہتر ہوتا ہے لیکن اگر شیخ کے انتقال کے بعد انکے نائبین میں سے کسی سے نسبت نہ ہو تو ضروری نہیں کہ مجبوراً اس کے کسی خلیفہ سے بیعت کی جائے، کسی بھی شیخ سے (جس سے مناسبت پائی جائے) بیعت کا تعلق قائم کیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ شیخ کے انتقال کے بعد اسکے مریدوں کو زبردستی یا ترغیب دے دے کر اسکی اولاد یا اسکے کسی خلیفہ سے بیعت کرنے کی تاکید کرتے ہیں وہ بدعت کے مرتکب ہیں۔ تزکیہ کا مقصد نہ سلسلہ کی کثرت ہے اور نہ مریدوں کا ہجوم... یہ دل کی اصلاح ہے اور اسکے لیے اسی شیخ سے وابستگی چاہیے جس کے ساتھ نسبت اتحاد ہو اور جو صحیح معنوں میں مصلح ہو اور دوسرے اہل حق اکابر کے حلقہ درس میں جانے سے نہ روکے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے مریدوں کو اس کی تمام اجازت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں مریدوں کو اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں۔

(۱۰)...دسویں بدعت:

قوالی اور محفل سماع:۔

خانقاہوں میں آنے والے مریدوں کو تسلی دینے اور انہیں اپنے میں محور کھنے کے لیے قوالی اور سماع کی مجالس نے ایک روحانی کیف دینے اور وقتی سکون مہیا کرنے میں بہت کام کیا ہے اور یہ ایسا نشہ ہے جسے بڑے بڑے بھی اپنے سے کلیۃً دور نہیں کرسکے کبھی یہ ذوق جماعتی ذکر بالجبر کے روپ میں سامنے آیا اور کبھی نعتوں کی روانی نعت خواں کو قوال کے جلو میں لے آئی۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اسے دین کا ایک عمل سمجھے تو یہ بدعت ہے۔ پہلے جن بزرگوں سے اسکی روایت چلتی ہے اگر وہ صحیح ہو تو اسکی اصل یہ ہوگی کہ انہوں نے اسے کسی وقت بطور علاج تجویز کیا ہوگا، یہ نہیں کہ وہ شریعت میں کوئی ایسی چیز داخل کرنا چاہتے تھے جو شریعت کی نہ تھی اگر انہوں نے عرس بھی کیے تو وہ یہ عرس نہ تھے جو آج حضرت خواجہ علی ہجویریؒ کے مزار پر ہوتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے پوتے پیر نصیر الدین صاحب کا ایک انٹرویو ہدیہ قارئین کریں جو اخبار وطن لندن کی جولائی ۱۹۹۸ء کی اشاعت میں طبع پذیر ہوا۔ یہ انٹرویو سوال و جواب کی صورت میں لیا گیا یہ پنجاب کی ایک مشہور گدی کی حقیقت پسندانہ آواز ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم اسکے ایک ایک جزء سے اتفاق کریں

تاہم اس سے انکار نہیں کہ اس جدید فضاء میں گولڑہ شریف کے پیر صاحب کا یہ تبصرہ اہل حق کیلئے بہت حوصلہ افزا ہے۔ موصوف سے پوچھا گیا کہ:

سوال: ایک دور میں مشائخ کرام کا کردار بڑا موثر تھا جہاں عوام ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے وہاں وہ اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں، کیا وجہ ہے کہ مشائخ کا کردار آہستہ آہستہ غیر مؤثر ہوتا جا رہا ہے؟

جواب: یہ بڑا مناسب سوال ہے، اس میں صرف مشائخ ہی نہیں بلکہ علمائے کرام بھی اسکی زد میں آتے ہیں اب بیشک اکثر مشائخ وعلماء کا وہ کردار نہیں رہا جو ہونا چاہیے تھا۔

موصوف ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:۔

علمائے کرام اور مشائخ عظام کو موجودہ پارٹی بازی کی سیاست سے الگ تھلگ رہنا چاہیے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ گدیوں کا وجود دین اسلام کے فروغ کا باعث بنا رہا لیکن اب انکا وجود غیر مؤثر ہو کر رہ گیا ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اب انکے کسی کردار کی ضرورت نہیں رہی۔

جواب: اسلاف نے فروغِ دین کیلئے ہی خانقاہیں قائم کی تھیں جو ایک عرصہ تک سے فروغ دین کا باعث بھی رہیں۔ دین کی تعلیم کے فروغ کیلئے ایک خاص علم ہونا چاہیے اسی صورت میں علمائے کرام ومشائخ عظام لوگوں کے دلوں میں مقام پیدا کر سکتے ہیں لیکن یہ بات اس انداز سے ہمیں نظر نہیں آتی جس طرح دینی خدمات کے سلسلے میں مشائخ میں ہوتی تھی، یہ بات اب رسم و رواج کی حد تک رہ گئی ہے، علماء کرام ہوں یا مشائخ سب کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ موجودہ صورت حال میں قوم پریشان ہے کہ وہ کس سے رہنمائی حاصل کرے جو لوگ راہ دکھانے والے تھے وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گئے، دنیا میں رہنے والے کیلئے دنیا سے الگ ہونا بہت مشکل ہے لیکن ایسی بھی صورت حال نہیں ہونی چاہیے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ سے تعلق کا شوق رکھتے ہوں ہم انکو کچھ بھی نہ بتا سکیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اب لوگوں میں بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی جانب اتنی رغبت نہیں رہی جتنی پہلے ہوتی تھی، پہلے لوگ مشائخ کے پاس اللہ تعالیٰ اور اسکے نبی اکرم کی باتیں سننے اور پوچھتے تھے لیکن اب مریدین کی اکثریت اسلئے علماء کرام ومشائخ کے پاس جاتی ہے

کہ اسکا تعلق فلاں بڑی شخصیت سے ہے لہذا وہ ہمارا کام کردے گا، دینی فائدے کی بجائے دنیوی فائدے کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، بس اکثر لوگ اسی مقصد کیلئے انہیں ملنے جاتے ہیں۔ (کہ ہمارے یہ بزرگ فلاں افسر سے ہمارا یہ کام کرادیں گے)

سوال: آپ کے پیروکاروں کی بہت بڑی تعداد کا تعلق بریلوی مکتبہ فکر سے ہے جبکہ عقائد کے لحاظ سے آپ خود بھی پراگریسو ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا دیوبندی مکتبہ فکر کی طرف رجحان ہے۔

جواب: ایسی کوئی بات نہیں! میرا دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق نہیں، مدرسہ و خانقاہ میں جو خرابیاں آگئی ہیں میں انکی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں۔ ہم اپنے ماحول کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں جن خطوط پر ہم نے اخلاق کو استوار کیا ہے ہم بہت سی باتوں پر قرآن وسنت کو لاگو نہیں کرتے، میں انہی خرابیوں کی طرف سب کی توجہ مبذول کراتا ہوں، یہ کوئی انہونی بات نہیں میں اللہ کا ماننے والا ہوں اسلئے اسکے ساتھ میری نسبت اور محبت ہے مگر اس محبت کے اظہار کیلئے بھی اس نے قرآن مجید میں راستے متعین کردیئے ہیں۔

موصوف ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:۔

جو لوگ سچے ہیں اور جن میں خوبیاں بھی ہیں اور جو اعلی صفات کے حامل ہیں وہ اس تنقید کا برا نہیں مناتے بلکہ اصلاح کیلئے ضروری سمجھتے ہیں۔ جن مشائخ نے اپنے آپ کو علم کے زیور سے آراستہ کیا ہے وہ ان باتوں سے پریشان نہیں ہوتے لیکن جو رسمی طور پر مشائخ بنے ہوئے ہیں وہ ان باتوں سے بہت پریشان ہوتے ہیں، انکا کہنا ہے کہ یہ ہمارے ہی ماحول کا آدمی ہے اور ہمارے خلاف باتیں کرتا ہے حالانکہ میں انکو اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بناتا بلکہ میرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو خرابیاں اس پورے ماحول میں ہیں اللہ تعالی انکو دور کرے ہوسکتا ہے کہ یہ خرابیاں جنکی میں نے نشاندہی کی وہ سب مجھ میں ہی موجود ہوں لہذا میں انکو مخاطب نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہوں۔

سوال: علماء کرام اور مشائخ گروپوں میں منقسم ہیں، انکی تنظیموں کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو سرے سے اسکے اہل نہیں ہوتے، جنکے کردار و عمل میں تضاد

ہوتا ہے انکی بدنامی کی چھینٹیں ان مشائخ پر بھی پڑتی ہیں جنکا ان سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

جواب: دیکھیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ آپؐ گفتگو فرما رہے تھے اس دوران ایک صحابی نے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانتوں میں خیانتیں ہونے لگیں تو، پھر دریافت کیا کہ امانت میں خیانت کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے وضاحت فرمائی کہ جب کسی نااہل کو کوئی ایسا منصب سونپ دیا جائے گا جس کا وہ اہل نہیں تو یقیناً ماحول خراب ہوگا پھر قیامت ہی برپا ہوگی نبی اکرم ﷺ کا ارشاد سو فیصد برحق ہے۔ اب آپ جس طبقہ کو دیکھیں جو آدمی جس منصب کا اہل نہیں اگر اسے اس منصب پر بٹھا دیا جائے تو وہ یقیناً اس ماحول میں قیامت برپا کردے گا لہذا نااہل لوگوں کو اعلیٰ مناصب پر بٹھانے سے فتنہ و فساد ہی برپا ہوگا اور اس سے خرابیاں ہی پیدا ہوتی ہیں اسلئے اہلیت بہت ضروری ہے۔

سوال: نذر و نیاز کی وصولی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: نذر و نیاز کے بارے میں حضرت نظام الدین نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص تمہیں اپنی طرف سے ہدیہ پیش کرے اگر کوئی مسلمان اسے رد کردے تو یہ عمل باعث دل آزاری ہوگا لہذا دوسرا شخص اسے کسی اور کو پیش کرے تو اسے لے لینا چاہیے۔ نذر تو صرف اللہ کیلئے ہوتی ہے کسی اور کیلئے نذر حرام ہے۔ اس بارے میں پیر مہر علی شاہؒ نے لکھا ہے، نذر عبادت ہے جو لوگ پیروں کو نذرانہ کہہ کر دیتے ہیں وہ دراصل بے وقوفی کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں، انہیں نذرانہ کہنے کے بجائے ہدیہ کہنا چاہیے۔ ایسی باتیں میں تو لوگوں کو سمجھاتا رہتا ہوں اگر پیر حضرات مطالبہ کریں یا ایسا ماحول پیدا کریں کہ لوگ انہیں پیسے دیں تو یہ محض دکانداری ہوگی میں اسی دکانداری کے خلاف ہوں۔ ماضی میں بھی مشائخ اس طرز عمل کے خلاف رہے ہیں اس دور میں بھی اکثر سمجھ دار اس بات کے خلاف ہیں۔ جن پیروں نے دکانیں کھول رکھی ہیں تعویذ اور گنڈے کرتے ہیں انکو اللہ رسول کی سمجھ نہیں اور نہ ہی تعلیم ہے۔

فراڈ کے اڈے

میں فراڈ کے ان اڈوں کے خلاف ہوں، ہمیں اللہ رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ میں یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ جہاں

ایسی خانقاہیں اور مقدس مقامات خراب ہونے کا خدشہ ہو تو حکومت کو ان خانقاہوں کو اپنی تحویل میں لے لینا چاہیے جس طرح حضرت داتا گنج بخش کا مزار ہے۔ حکومت کو ملک بھر کی خانقاہوں کا سروے کرنا چاہیے، جہاں خانہ جنگی کی فضا ہو دین کی کوئی خدمت نہ ہو رہی ہو تو وہ خانقاہ اپنی تحویل میں لے لے۔ کم تعلیم یافتہ آدمی کو ڈپٹی کمشنر یا اعلی افسر کی کرسی پر نہیں بٹھایا جاسکتا زیادہ کا تقاضا کرنے سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ خانقاہیں ورثہ نہیں اور نہ ہی جائیداد ہیں۔ بعض مشائخ کی وفات کے بعد انکے منصب پر بیٹھنے والے انکی اولاد میں سے نہیں تھے کوئی یہاں کا تھا تو کوئی وہاں کا، انکا آپس میں کوئی خونی رشتہ نہ تھا، ان لوگوں کے ذریعے ہی دنیا میں اسلام کی تعلیمات پھیلیں۔ خواجہ غریب نواز اور خواجہ قطب کے درمیان کیا رشتہ تھا کوئی رشتہ نہ تھا صرف دونوں سید تھے لیکن کوئی قریبی رشتہ داری نہ تھی، حضرت قطب اور حضرت فرید الدین گنج شکر کا کوئی رشتہ نہ تھا لیکن خلافت کے منصب پر وہی فائز ہوئے، انکی اپنی اولاد بھی تھی لیکن انکے بعد حضرت نظام الدین اولیاء ہی بیٹھے۔ خانقاہی نظام کوئی ورثہ نہیں۔ جہاں ورثہ بن جاتا ہے وہاں جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ (اخبار وطن، جولائی ۱۹۹۸ء)

پیر صاحب موصوف کے اس انٹرویو میں جاہل پیروں جاہل، گدی نشینوں اور بریلوی مشائخ کیلئے عبرت کا سبق ہے۔ اگر بدعتی مشائخ اور مزارات کے گدی نشین تصوف میں لائی گئی بدعات سے توبہ کرلیں اور اپنے مریدین کو کتاب وسنت کی روشنی میں راہ تصوف پر چلائیں تو امید کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ کی یہ گھناؤنی فضاء بہت جلد ختم ہو جائے گی۔ افسوس کہ آج جہلاء مشائخ بن بیٹھے ہیں اور یہ طبقہ جہلاء لوگوں کو سیدھی راہ بتانے کے بجائے انکے مالوں اور انکی عزتوں اور انکے ایمان سے کھیلتے ہیں اور جب کبھی انکی گرفت کی جاتی ہے تو وہ پھر تصوف کی بعض اصطلاحات میں الحاد کی راہ اختیار کر کے ناواقف عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ وہ بریلوی بھی نہیں ہوتے مگر اپنی کمزوریوں اور اغراض پر پردہ ڈالنے کیلئے اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو دیوبندی کا ٹائیٹل دے دیتے ہیں۔ یہ جاہل گدی نشین مولانا احمد

رضا خان کی نظر میں ابلیسی مسخروں سے زیادہ کوئی مقام نہیں رکھتے۔ مولانا احمد رضا خان انکے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> وہ ابلیسی مسخرے کہ علماء دین پر ہنستے اور انکے احکام کو لغو سمجھتے ہیں انہیں میں وہ جھوٹے مدعیان فقر ہیں جو کہتے ہیں کہ عالموں اور فقیروں کی سدا سے ہوتی آئی ہے یہاں تک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والوں کو یہ کہتے سنا کہ عالم کون ہیں؟ سب پنڈت ہیں۔ (فتاویٰ افریقہ)

یہ جاہل پیر تصوف کی بعض اصطلاحات کے غلط استعمال سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں انکا مقصد یہ اشارہ دینا ہوتا ہے کہ ہم تصوف کو جانتے ہیں، ان سے آپ تصوف کی کوئی بات پوچھیں تو انکا جہل خود آپ کے سامنے آجائے گا۔

ہر فن کی اصطلاحات اس فن کے محققین سے لینی چاہئیں نہ کہ ان مسخروں سے جنہوں نے اس فن کو بقول پیر صاحب گولڑوی محض فراڈ کا ایک اڈہ بنایا ہوا ہے اور بقول مولانا احمد رضا خان صاحب یہ سب خبیث لوگ ہیں۔

ہمارے بعض پڑھے لکھے دوست تصوف کو بدنام کرنے کے لیے ملنگوں اور مجاوروں کی ان خلاف شریعت اداؤں کا حوالہ دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ انہیں خود کبھی اہل حق کی مجالس طریقت اور صحیح روحانی مراکز میں آنے جانے اور بیٹھنے کا موقع نہیں ملا ہوتا ورنہ وہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکتے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ان دوستوں کو کچھ ان الفاظ اور کلمات سے آگاہ کریں جو اِن بزرگوں کی مجالس میں کسی نہ کسی پیرایہ میں گفتگو میں آہی جاتے ہیں۔ انہیں جاننا اور سمجھنا ان مجالس طریقت کے آداب میں سے ہے۔ ہم اسے التعرف بکلمات مجالس التصوف کے نام سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم انہیں عصر جدید کے عظیم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک محقق عالم کے حوالے سے بتائیں گے کہ تصوف زندگی کی تمام اداؤں کو شامل ہے اور وہ انسان کی ہر ادا کو سنوارتا ہے۔

والله أعلم و علمه أتم و أحكم

التعرف بکلمات مجالس التصوف

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أمابعد!

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض نیک طبع دیندار حضرات مشائخ سے برسبیل تعارف ملنے آتے ہیں اگر پہلے انہیں کسی خانقاہ میں آنے جانے کا تجربہ نہ ہوتو وہ ان مجالس کے بعض محاورات کو اور مریدین اور شیخ کے آداب کو سمجھ نہیں پاتے تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اسے ایک بالکل نئی دنیا سمجھتے ہیں اور بسا اوقات وہ دعا اور برکت لئے بغیر واپس ہوجاتے ہیں۔ آج کی مجلس میں ہم انشاء اللہ العزیز بعض ایسے محاورات اور کلمات کی وضاحت کریں گے جن کے جاننے سے انشاء اللہ اس راہ کا کوئی راہ نورد خالی واپس نہ جائے گا۔ **وھو المستعان و علیہ التکلان.**

اہل طریقت کو اس راہ میں چلنے میں کوئی تذبذب اور تردد محسوس نہیں ہوگا اور نہ وہ اس راہ میں کوئی بے سکونی محسوس کرتے ہیں۔ راہ ایک ہدایت ہے اور اس میں پورے اطمینان سے چلنا ایک روشنی ہے جو صرف کاملین کے فیض سے ملتی ہے جو جتنا چاہے فیض اٹھائے۔

اللہ تعالیٰ نے تورات اتاری یہ ایک راہ عمل (شریعت) تھی اور اس میں ایک نور بھی تھا، اس نور کی وجہ سے مومنین بلاتردد اس پر چلتے رہے۔

انا أنزلنا التوراۃ فیھا ھدیً و نور یحکم بھا النبیون

(پ:٦، المائدہ:۴۴)

ترجمہ: ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی،

اس کے مطابق حکم کرتے رہے پیغمبر جو اللہ کے حکم بردار رہے۔
شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

(توریت) وصول الی اللہ کے طالبین کے لیے ہدایت کا اور شبہات و مشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کے لیے روشنی کا کام دیتی تھی۔ (اللہ کی راہ میں چلنے والوں کو شکوک وشبہات پیش نہیں آتے، انہیں ایک نور ملتا ہے جو رستے میں بھٹکنے نہیں دیتا)۔ (فوائد القرآن ص:۱۵۴)

یہاں راہ سے مراد شریعت ہے، یہ ایک لائحہ عمل ہے، اور نور سے مراد طریقت ہے، یہ ایک روشنی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل طریقت اندھیرے میں نہیں رہتے انہیں ایک باطنی نور ملتا ہے۔ علم و استدلال سے چلنے والوں کے لیے شاید شک کا کوئی کا نشارہ جائے لیکن طریقت کے سامنے ایک نور رہتا ہے اور وہ اس روشنی میں کوئی تاریکی نہیں پاتے۔

شریعت اور طریقت میں بس یہی ایک نسبت ہے اور وہ نسبت تبائن نہیں ایک نسبت جمع ہے، ایک دریا ہے جس کے دو کنارے ہیں، ایک کا نام شریعت اور دوسرے کنارے کا نام طریقت ہے۔ تصوف کی محفلوں اور درویشوں کی مجلسوں میں کبھی ایسے کلمات بھی سننے میں آتے ہیں جن کے اصل اور متبادر معنوں میں فرق کئے بغیر ہم ان رموز کو سمجھ نہیں پاتے۔ اہل طریقت وحدۃ الوجود کو وحدۃ الموجود کے معنی میں نہیں لیتے، وہ بھی اسے کفر سمجھتے ہیں۔ اس وضاحت سے شریعت ان سے کوئی زیادہ فاصلے پر نہیں ہوتی۔ بات صرف یہ ہے کہ صرف ایک لفظ کے استعمال سے اس کے معنی مراد سمجھے نہیں جاتے، اس کے لیے ایک پورے ماحول کو سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ ہم اس فصل میں چند ایسے کلمات تصوف کی وضاحت کریں گے جنہیں اس راہ کے مسافروں کے لیے اور ان مجالس میں آنے والوں کے لیے جاننا نہایت ضروری ہے۔ ایسے مواقع پر بعض اوقات ایک متقابل لفظ کا سامنے آنا بھی اس پورے اُلجھے ہوئے مسئلے کو حل کر دیتا ہے۔ واللّٰہ ھو الموفق لمایحبہ ویرضی بہ۔

فیض و اکتساب، فناء و بقا، تبرک وتعبد، توکل وتعطل، ظاہر و باطن، عدل وفضل، اجر و انعام، سکر وصحو، صبر وشکر، اوراد ومراقبات یہ سب متقابل کلمات ہیں ان میں سے ایک لفظ جب دوسرے کے مقابل آجائے تو دونوں کے معنی مراد کھل جاتے ہیں۔

(۱)...فیض و اکتساب

جو علم مطالعہ اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ علم تو ہے مگر وہ فیض نہیں، فیض کسی صاحب عمل کی صحبت میں آکر اس پر اترتی برکات سے برکت لیتا ہے۔ تاریخ اسلام میں پہلے فیض یافتگان صحابہ کرامؓ تھے، صحابیؓ کا نام انہوں نے حضور ﷺ کی صحبت سے پایا۔ یہ حضرات گو آپ ﷺ کے طالب علم بھی تھے مگر صحبت کا فیض ان کے علم پر سبقت لے گیا اور وہ صحابی ہی کہلاتے رہے۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

یہ فیض یافتگان اور صحبت رسالت سے تزکیہ کی دولت پانے والے علم میں امام ابراہیم نخعی اور امام حسن بصری سے یا امام ابوحنیفہ اور امام مالک سے اور امام غزالی اور رازی رحمہم اللہ سے آگے بڑھے ہوئے تھے، اللہ کی محبت میں یہ حضرت جنید بغدادی اور ابوالحسن خرقانی یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور معین الدین اجمیری سے بھی بہت آگے نکلے ہوئے تھے اور عقل و دانش میں ابن سینا اور فارابی ان کے سامنے ہیچ تھے۔ یہ حضرات بہت اونچا اُڑے اور یہ مراتب انہیں اکتساب کی راہ سے نہیں شمع رسالت کے فیض سے ملے تھے۔ ان حضرات کی یہ عالی سند انہی حضرات کا نصیب ہوئی۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس میں ان کو اپنے اسی مقام کی خبر دی گئی ہے۔

علم بھی اگر صرف مطالعہ اور عقل و استدلال سے نہ آئے، اس راہ کے طالبین کو کامل اساتذہ کی صحبت بھی میسر ہو تو یہاں بھی اکتساب کے ساتھ کچھ فیض مل جاتا ہے۔ اور اگر یہ صرف مطالعہ اور استدلال سے ہو تو یہ محض اکتساب ہے فیض نہیں۔ حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) کسی حلقے کے امام نہ بن سکے کیونکہ وہ زیادہ بڑے اساتذہ کی صحبت میں نہ رہ پائے تھے۔

کل من یطلب العلوم وحیداً　　　دون شیخ ففی عمی و ضلال
لیس العلم فی الکتب والدفاتر　　　انما العلم فی صدور الرجال

امت کے پہلے طبقے کا نام صحابی رہا یہ اس طرف جلی اشارہ ہے کہ اس امت کا

زیادہ خیر صحبت و ارشاد سے چلے گا۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد یہ راہ فیض صحابہ سے اور ان کے بعد یہ اس امت کے کاملین سے چلی اور اس شان سے چلی کہ بارہا یہ علم کے پہاڑوں کو بھی عبور کر گئی۔ شاہ شمس تبریزی مولانا روم سے بڑھ گئے، حضرت سید احمد شہید مولانا اسمٰعیل محدث دہلوی سے بڑھ گئے، حاجی امداداللہ مہاجر کیؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے آگے جا نکلے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ اور لوگ تو حضرت حاجی صاحب کی کرامات دیکھ کر ان سے بیعت ہوئے ہیں میں ان کے علم کی بلندی دیکھ کر ان کے حلقہ ارادت میں آیا ہوں۔

اکتسابی علم میں اور فیض کی راہ میں یہ جوہری فرق ہے کہ اکتسابی علم میں پھر بھی صواب و خطا کا احتمال رہتا ہے مگر فیض کی راہ میں روشنی ہی روشنی ہے۔ دلوں کا سکون اور فکر کا اطمینان اسی راہ سے ملتا ہے۔ اطمینان کا مورد قلوب ہیں اَذہان نہیں۔ الا بذکر اللّٰہ تطمئنّ القلوب میں اطمینان کی نسبت دلوں کی طرف کی گئی ہے۔ مطالعہ و استدلال سے ملے علم میں کبھی تردد بھی رہ جاتا ہے لیکن سالکین کو جو دولت کاملین سے ملتی ہے اس میں شبہ و تردد نہیں رہتا، یہ حضرات نفس مطمئنہ پا جاتے ہیں۔ اکتساب زیادہ مرید کی طرف سے ہوتا ہے اور فیض زیادہ شیخ کی طرف سے ملتا ہے۔

(۲)...شریعت و طریقت

یہ دو لفظ بھی ان حلقوں میں زیادہ متقابل ہوتے ہیں تاہم ان میں تباین کی نسبت نہیں نہ یہ دو مقابلے کی چیزیں ہیں۔ شریعت ایک راہ ہے اور طریقت اس میں چلنے کا نام۔ اگر کوئی مسلمان اس میں چلنا نہ سیکھے تو وہ شریعت پر عمل کرنے میں بوجھ ضرور محسوس کرے گا لیکن اہل طریقت کو اس میں کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتا، بوجھ کا کہیں احتمال ہو بھی تو وہ اللہ اللہ کی ضربیں لگائے اس پر قابو پالیتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ہر بوجھ دلوں میں ان سے اتر جاتا ہے۔

نوا را تلخ تر مے زن جو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر مے خواں چو محمل راگراں بنی

(۳)...تعبد اور تبرک

تعبد میں اپنی عبدیت کا اظہار ہے اور یہ عبادت ہے عبادت میں ایک اللہ کے سوا

کسی کی تعظیم ملی نہیں ہوتی اور تبرک میں کسی بزرگ اور جگہ سے برکت لیتے ہیں اس لئے شرک واقع نہیں ہوتا۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کی، وہ پتھر خدا کی قدرت سے دیواروں کے ساتھ ساتھ اوپر اٹھتا تھا اور نیچے آتا تھا، اس پر حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے نشان گڑے ہوئے ہیں آپ اُنہیں میں اپنے پاؤں رکھتے تھے۔ اب جو ہمیں حکم ہوا کہ تم مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی تو یہ اس جگہ سے برکت لینا ہے تا اللہ کے حضور تمہاری عبادت مقبول ٹھہرے اس میں ہم اللہ کی تعظیم میں کسی اور کی تعظیم شامل نہیں کرتے، ہم اس جگہ سے برکت لے رہے ہیں اس جگہ کی عبادت نہیں کر رہے۔ تعبد اور تبرک میں یہی جوہری فرق ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر ایک سفر میں حضور اکرم ﷺ کے نقش پا پر چلتے وہیں وہیں نماز پڑھتے جہاں انہوں نے حضور ﷺ کو اس سفر میں نماز پڑھتے پایا تھا، یہ آپ کا اس راہ کے نقوش سے برکت لینا تھا اور حضور ﷺ کے قدموں کے نقوش کو چھونا تھا۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ گاہ صاحب نظراں خواہد بود

سو تعبد اور تبرک دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں، مقامِ ابراہیمؑ پر کھڑا ہونے سے حضرت ابراہیمؑ کی تعظیم پیدا نہیں ہوتی، وہ جگہ پہلے سے معظم ہے اب اس جگہ آنا اس جگہ سے تبرک لینا ہے یہ تبرک ہے تعبد نہیں ہے۔ نماز صرف اللہ کی عبادت ہے اور اس جگہ نماز پڑھنے سے نماز میں ایک اللہ کی تعظیم میں کوئی اور تعظیم شامل نہیں ہوتی نہ اس سے نماز کا مزاج بگڑتا ہے، یہ صرف تبرک ہے اس میں تعبد کا کوئی شائبہ نہیں۔ جب ہم نماز میں نہ ہوں تو یہ سب مقامات تعظیم ہیں لیکن دورانِ نماز ان سے صرف برکت ملتی ہے۔ نماز میں ایک اللہ کی تعظیم ہے اس میں کسی اور تعظیم کو ملایا نہیں جاسکتا، اس راہ کے درویش ہر ایک مقام اور محل کو پہچانتے ہیں، یہ اندھیرے میں نہیں رہتے کہ دونوں کو ایک کردیں۔ نماز میں یہ کسی اور طرف صرف ہمت نہیں کرتے ان کی ہمت صرف اسی پر لگی ہے کہ وہ گویا اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور نہ بھی ہو تو وہ اس توجہ سے خالی نہیں کہ وہ تو ان کو ضرور دیکھ رہا ہے، یہی مقام احسان ہے۔

(۴)...اجتباء وانابت

اللہ کے قریب ہوجانے کے دو طریق ہیں، ایک اس کا اپنا چناؤ اور دوسرا بندے

کی اپنی انابت۔ اجتباء اللہ کی طرف سے بلاوا ہے، اس میں ادھر سے کشش ہے۔ اور انابت میں بندے کا اس کی طرف لپکنا ہے، اس میں ادھر سے جوش ملتا ہے۔ دونوں میں قرب الٰہی کی دولت ملتی ہے اجتباء ہو یا انابت۔

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب

(پ:۲۵، الشوریٰ:۱۳)

ترجمہ: اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف سے اسے جو اس کی طرف رجوع لائے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) ایک خط میں درویش حبیب خادم کے نام لکھتے ہیں:۔

چہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات مجتبیٰ اند کہ بقلاب جذب ومحبت کشاں کشاں ایشاں را مے برند و بے مشقت شاں بدرجات قرب مے رسانند انابت است و ارادت کہ ریاضات ومجاہدات از بروئے وصول بدرجات قرب الٰہی جل شانہ آنجا درکار است کہ راہ مریدان است و اجتباء راہِ مراداں، مریداں بہ مشقت ومحنت بہ پائے ہائے خود مے روند ومراداں را بناز وتنعم مے برند و بے محنت ایشاں بدرجات قرب مے رسانند باید دانست کہ ریاضات و مجاہدات شرط راہِ انابت و ارادت است و در راہ اجتباء مجاہدات شرط نیست مع ذلک نافع وسود مند است (مکتوبات دفتر:۳، مکتوب نمبر:۸۶)

اس سے پہلے آپ اس خط میں یہ بات واضح طور پر کہہ آئے ہیں کہ انابت اور ارادت دو مستقل راہیں ہیں۔ ہم اسے یہاں صرف اس کے اُردو ترجمہ سے پیش کر کے ازاں بعد اس اوپر ذکر کردہ فارسی عبارت کے اُردو ترجمہ پر اکتفا کریں گے۔

انابت اور ارادت: (یہ اس کے اپنے چناؤ کے بعد ہدایت کا دوسرا درجہ ہیں)

فضول مباحات کا مرتکب ہونا خوارق کے کمتر ظاہر ہونے کا باعث ہے۔ خاص کر جبکہ فضول میں بکثرت مشغول ہو کر مشتبہ کی حد تک پہنچ جائیں اور وہاں سے محرم وحرام کے گرد آجائیں پھر خوارق کہاں اور کرامات کجا؟ مباحات کے ارتکاب کا دائرہ جس قدر زیادہ

تنگ ہوگا اور قدرِ ضروری پر کفایت کی جائے گی اس قدر کشف و کرامت کی زیادہ گنجائش ہوگی اور خوارق کے ظہور کا راستہ زیادہ تر کھل جائے گا۔ خوارق کا ظاہر ہونا نبوت کی شرط ہے ولایت کی شرط نہیں کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے ولایت کا اظہار واجب نہیں بلکہ اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ نبوت میں خلق کی دعوت ہے اور ولایت میں قرب حق۔ اور ظاہر ہے کہ دعوت کا ظاہر کرنا ضروی ہے اور قرب کا چھپانا لازم ہے۔ کسی ولی سے خوارق کا بکثرت ظاہر ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ولی ان اولیاء سے افضل ہے جن سے اس قدر خوارق ظاہر نہیں ہوئے بلکہ ممکن ہے کہ کسی ولی سے کوئی بھی خرق عادت ظاہر نہ ہوا ہو اور وہ ان اولیاء سے افضل ہو جن سے خوارق بکثرت ظاہر ہوئے ہوں جیسے کہ شیخ الشیوخ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں اس امر کی تحقیق کی ہے جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خوارق کا کم یا زیادہ ہونا جو نبوت کی شرط ہے ایک سے دوسرے کے افضل ہونے کا موجب نہیں ہے تو پھر ولایت میں جہاں یہ شرط نہیں تفاضل کا سبب کیوں ہوگا۔ میرے خیال میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ریاضتوں اور مجاہدوں اور اپنی جانوں پر دائرہ مباحات کو زیادہ تر تنگ کرنے سے اصلی مقصود یہ تھا کہ ظہورِ خوارق حاصل ہو جو ان پر واجب ہے اور نبوت کے لیے شرط ہے نہ کہ قربِ الٰہی جل شانہ کے درجات تک پہنچنا۔

اب ہم اپنی پیش کردہ فارسی عبارت کا ترجمہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

ترجمہ: کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مجتبیٰ اور برگزیدہ ہیں اور جن کو جذب ومحبت کی رسی سے کھینچ لے جاتے ہیں اور بغیر تکلیف ومشقت کے ان کو قرب الٰہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ انابت و ارادت ہی ہے جہاں قرب الٰہی کے درجات تک پہنچنے کے لیے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مریدوں کا راستہ ہے اور مرادوں کو ناز ونعمت کے ساتھ اپنی طرف بلا لے جاتے ہیں اور محنت کے بغیر درجات قرب تک پہنچا دیتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ریاضتیں اور مجاہدے راہِ انابت وارادت میں شرط ہے لیکن راہِ اجتباء میں مجاہدہ وریاضت کی کوئی شرط نہیں، ہاں نافع اور سود مند ضرور ہیں۔

انبیاء ورسل اللہ کے چنے ہوئے ہیں وہ مقام نبوت پر سلوک واکتساب سے نہیں

آتے یہ خدا کا اپنا انتخاب ہیں۔

اللّٰہ أعلم حیث یجعل رسالته (پ:۸، الانعام:۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھے۔

اللّٰہ یصطفی من الملٰئکة رسلاً و من الناس (پ:۱۷، الحج:۷۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ رسالت کے لیے جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔

اللہ تعالیٰ جن افراد قدسیہ کو نبوت کی فطرت پر پیدا کرتا ہے گو وہ نبی نہ ہوں وہ بھی اللہ کے چنے ہوئے ہوتے ہیں جیسے حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اللہ سے مانگ کرلیا تھا، آپ حضور ﷺ کی مراد تھے اور حضور ﷺ نے یہاں تک بات بتلا دی تھی کہ آپ کے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ سلوک راہِ انابت کا دوسرا نام ہے، اسے ارادت بھی کہتے ہیں، مریدین اسی راہ سے شیخ کی طرف لوٹتے ہیں۔ پہلے راہِ سلوک کے مسافروں کو عملی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانیں، سلوک پہلے ان کی انانیت کو مٹاتا ہے ان کے "میں پن" (کہ میں بھی کچھ ہوں) کو دور کرتا ہے اور ان پر اپنی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اس راہ کے مسافروں کی پہلی پہچان یہ ہے کہ ان سے انا کا پردہ اُٹھ گیا ہوتا ہے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا سمجھ لو کہ اس نے خدا کو پہچان لیا کیونکہ اب اس کے سامنے اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں، اپنے آپ کو تو وہ مٹا ہی چکا ہے اب اس کے سامنے وہی ایک ہے۔ حضرت تھانویؒ بھی تصوف میں اس مقام پر آئے تو آپ نے یہ کہہ دیا اور "آہ" آپ کا تخلص تھا۔

رہی جب تک خودی اس کو نہ پایا — جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے
حقیقت تھی تمہاری کیا میاں آہ — یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

(۵)...اجر پانے والے اور انعام پانے والے

انابت والوں کو اپنی محنت پر اللہ کے ہاں اُجرت ملتی ہے اور انعام والے اجرت نہیں اللہ تعالیٰ سے انعام پاتے ہیں۔ اجرت اور انعام میں یہ جوہری فرق ہے۔ شہداء کو اللہ کے ہاں جو درجہ ملتا ہے وہ ان کے عمل کی اجرت ہے لیکن اللہ کے ہاں جو انہیں حیات ملتی ہے یہ اللہ کے ہاں ان کی پذیرائی ہے اور یہ ایک انعام الٰہی ہے۔ قرآن کریم میں انعام پانے

والے چار طبقوں کا ذکر آتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ بعض صالحین انابت کی راہ سے بھی انعام الٰہی کے مقام پر آپہنچتے ہیں، اس آیت میں انہی صالحین کا ذکر ہے۔

من یطع اللّٰہ والرسول فاولٓئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشہداء والصٰلحین و حسن اولئک رفیقا (پ:۵، النساء:۶۹)

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے اس خاص رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا، وہ نبیوں میں سے ہوں، صدیقوں میں سے ہوں، شہداء میں سے ہوں اور نیکوں میں سے ہوں اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

امام ابوحنیفہ، امام سفیان الثوری، امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ انہی صالحین امت میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اجتہادی مسائل میں پوری امت کے امام بنا دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ انابت والے بھی بسا اوقات امت میں مقام امامت پا جاتے ہیں، ضروری نہیں کہ امام پہلے تین انعام یافتہ حضرات ہی سے ہوں۔ مندرجہ ذیل آیت میں ان کا بیان ہے جو انابت کی راہ سے اس منزل پر آئے۔

واتبع سبیل من اناب الی (پ:۲۱، لقمان:۱۵)

ترجمہ: تم ان کی بھی پیروی کرو جو انابت کی راہ سے مجھ تک رسائی پاگئے۔

انبیاء و مرسلین مقام اجتباء میں ہیں سو یہاں ان کی پیروی کرنے کا ذکر نہیں ہے، یہاں انابت والوں کی پیروی کرنے کا بھی حکم دیا ہے اور وہ امت کے یہی مجتہد امام ہیں۔ قضائے الٰہی اسی کی مقتضی ہوئی کہ آئمہ اربعہ اس مقام امامت پر آئیں۔ تاریخ اسلام کی بارہ صدیوں میں امت مسلمہ انہی صالحین امت (آئمہ اربعہ) کی پیروی کرتی چلی آرہی ہے۔ ہر شخص کو اجتہاد کا مقام دینے سے کہیں بہتر ہے کہ جن صالحین امت کو خدا نے اس امت کی پیشوائی دی انہی کی پیروی کی جائے۔

زا اجتھاد عالماں کوتاہ نظر　　　　اقتداء رفتگان محفوظ تر

(۶)...صدیقین اور شہداء کے مقامات

صدیقین پر انبیاء کے علم کا براہ راست پرتو پڑتا ہے کو عمل میں بھی وہ نبیوں کے سایہ بہ سایہ چلتے ہیں، انہیں مقام تمکین ملتا ہے۔ شہداء کرام انبیاء کرام کے عمل میں رنگے جاتے ہیں، انہیں مقام تلوین میں رکھا جاتا ہے۔ حضرت عمر کی یہ تڑپ کہ جو کہے حضور ﷺ وفات پاگئے ہیں میں اس کی گردن اڑادوں گا مقام تلوین میں تھی اور پھر حضرت ابوبکرؓ کے سمجھانے سے ان کا اعتراف حقیقت پر آنا بھی اسی شان تلوین سے تھا، اب آپ مقام تمکین پاگئے۔ حضرت حسینؓ مقام تلوین پر تھے جب آپؓ نے کربلا میں آخری شرائط پیش کیں۔ شہداء اس تلوین سے دوسروں کو بہت موقع دیتے ہیں، ادب اور لحاظ ان کی فطرت ہوتی ہے تاہم ان پر جلالی شان غالب آتی ہے اور وہ جام شہادت پی کر ایک آن میں اِس عالم سے اُس میں منتقل ہوتے ہیں۔ اہل دل شہیدوں کے قبرستانوں میں بھی بہت رعب اور حرارت محسوس کرتے ہیں۔ بعض اہل دل نے ان قبرستانوں میں فداکاری کے بڑے بڑے جلوے دیکھے، انہیں یہاں راتوں میں دوڑتے گھوڑے اور چمکتی تلواریں بھی نظر آئیں۔ تاہم صدیقین کو تمکین کی دولت ملتی ہے اور ایک حالت پر قرار ان کا نصیب ہوتا ہے۔ خلافت بلا فصل کے لائق وہی ٹھہرائے جاتے ہیں پھر ان کے جانشین بھی اپنے وقت پر مقام تمکین دیئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر مقام تلوین پر تھے لیکن جب ان پر خلافت کی ذمہ داری آئی وہ مقام تمکین میں آچکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب انہیں جانشین نامزد کیا تو بعض حضرات نے ان کے مزاج کی شکایت کی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں بتایا کہ جب ان پر یہ ذمہ داری آئے گی وہ مقام تمکین پر آجائیں گے۔ قرآن کریم میں خلفاءِ راشدین کے لیے تمکین ایک نشان بتلایا گیا:۔

> ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا.

میں اسی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عثمان آخری وقت تک اپنے ایک ہی موقف پر جمے رہے، یہ ان کا مقام تمکین تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمکین سے دین کو افتراق و اِرتداد سے بچایا اور حضرت عمرؓ نے تمکین سے سلطنتِ اسلام کو توسیع دی۔ حضرت عثمانؓ نے پوری شانِ تمکین سے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ حضرت علیؓ نے جب حضرت معاویہؓ کی تجویز پر ان سے نہ لڑنے کا عہد کر لیا تو وہ بھی مقامِ تمکین پر تھے پھر اپنے فیوضِ روحانی سے عالم کو سیراب کر دیا۔ قادری، چشتی اور سہروردی ائمہ ولایت انہی کے چشمۂ ولایت کے گرد فروکش ہوئے۔

(۷)...عطاء اور شفاعت

عطاء اس کی ہے جو خزانوں کا مالک ہو اور شفاعت ان کی ہوتی ہے جن کی اس مالک تک رسائی ہو سکے۔ پھر سفارش بھی دو قسموں کی ہوتی ہے ایک یہ کہ کرنے والے کا دینے والے پر کچھ ایسا اثر ہو کہ وہ اس کی ناراضگی سے ڈرے جیسے کوئی ڈپٹی کمشنر بیٹا اپنے باپ کی ناراضگی سے ڈرے، یہ شفاعت بالوجاہت ہے، اس میں باپ کی وجاہت کا اثر ڈالنا ہے۔ ایک شفاعت بالاذن ہے۔ یہ اس طرح کہ دینے والا خود اپنے مقربین کو اس کے بارے میں کچھ کہنے کا موقع دے، اس میں کرم دینے والے کی طرف سے ہوتا ہے اور اس میں حاجت مندوں کے ہاں عزت سفارش کرنے والوں کی بھی ہو جاتی ہے۔ یہ شفاعت بالاذن ہے۔

قرآن کریم میں کہیں شفاعت کی مطلق نفی کی گئی ہے، اس سے مراد شفاعت بالوجاہت کی نفی ہے۔ کون ہے جو اللہ رب العزت کے حضور کسی درخواست پر اپنا حق ظاہر کر سکے؟ اُس مالک الملک پر کسی کا کوئی حق نہیں چلتا... وہاں کس کی وجاہت چلے گی؟

ولا يقبل منها شفاعة ولا يؤخذ منها عدل (پ:۱، البقرہ: ۴۸)
ترجمہ: اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

ولايقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة (پ:۱، البقرہ: ۱۲۳)
ترجمہ: اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاوے گا اور نہ کسی کی کوئی شفارش۔

أنفقوا مما رزقناكم من قبل أن ياتى يوم لابيع فيه ولاخلة

ولاشفاعة. (پ:۳،البقرہ:۲۵۴)

ترجمہ: خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن قیامت کا آجاوے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ (بلااذن الٰہی) کوئی سفارش ہوگی۔

لیکن بعض دوسری آیات میں شفاعت بالاذن کی تصریح بھی ملتی ہے۔ البقرہ کی اس آیت سے اگلی آیت آیۃ الکرسی ہے۔

من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (پ:۳،البقرہ:۲۵۵)

ترجمہ: ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس بدوں اس کی اجازت کے۔

معلوم ہوا کہ اس کے اذن سے سفارش کرنے والوں کے لیے پورا موقع ہے۔

یومئذ لاتنفع الشفاعۃ الا من أذن لہ الرحمن و رضی لہ قولاً (پ:۱۶،طہٰ:۱۰۹)

ترجمہ: اس روز کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کرلیا ہو۔

ولاتنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ. (پ:۲۲،سبا:۲۳)

ترجمہ: اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لیے کام نہیں آتی مگر اس کے لیے جس کی نسبت (شفیع کو) وہ خود اجازت دے دے۔

حشر کے دن آنحضرت ﷺ کی شفاعت برحق ہے یہ شفاعت بالاذن ہوگی۔

یا محمد ارفع رأسک سل تعطہ و اشفع تشفع

ترجمہ: اے محمد اپنا سر (سجدے سے) اُٹھائیں، آپ مانگیں آپ کو وہ دیا جائے گا، آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

افسوس کہ مولانا محمد اشرف سیالوی نے اس حدیث شفاعت میں امتوں کے حضور ﷺ سے مدد مانگنے کا اضافہ اپنی طرف سے کرلیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب

امتوں کو حضور ﷺ کے پاس حاضر ہونے اور انہیں اللہ کے حضور ان کی شفاعت کرنے کے لیے کہیں گے تو کیا انہیں حضور سے مدد مانگنے کے لیے کہیں گے؟ اشرف سیالوی صاحب کے الفاظ یہ ہیں:۔

> جب وہ حضور سیدنا محمد ﷺ کی بارگاہ ناز میں حاضر ہوکر شفاعت اور سفارش اور آپ کی شایان شان امداد و اعانت کا مطالبہ کرنے اور مسئول و مطلوب کے حتمی طور پر حاصل ہونے کا مشورہ دیں گے کما ورد فی الصحاح و قدرہ المشترک متواتر معنیً

(ازالۃ الریب ص: ۲۶، ۲۷)

حشر کے دن ان امتوں کے حضور ﷺ سے شفاعت کرنے کی درخواست تو بے شک صحیح حدیثوں میں وارد ہے لیکن ان سے اس موقع پر مدد مانگنے اور استعانت طلب کرنے کا ذکر کسی روایت میں نہیں ملتا، معلوم نہیں سیالوی صاحب اسے متواتر قدر مشترک کیسے قرار دے رہے ہیں۔ یہ ہرگز درست نہیں ہے۔ آپ اس سے پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں:۔

> روز قیامت امتوں کے سوال شفاعت پر آدم و نوح اور ابراہیمؑ اور موسیٰ کلیم اللہ نیز عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام یہ نہیں فرمائیں گے کہ سیدھے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاؤ اور اس سے عرض و التجا کرو اِدھر اُدھر غیروں کے پاس جا کر کیوں مشرک بنتے ہو اور توحید و ایمان کی پونجی کیوں برباد کرتے ہو۔ (ازالۃ الریب ص: ۲۶)

دیکھیے اس شخص نے کس زہریلے پیرائے میں شفاعت میں شرک کا مضمون داخل کر دیا اور امتوں کے حضور ﷺ کے پاس شفاعت کے لیے جانے کو اپنی طرف سے ان سے مدد مانگنے کا عنوان دیتے ہوئے اس بات کو کس بے دردی سے حدیث میں داخل کر دیا ہے۔

حق یہ ہے کہ عطا اور شفاعت دو علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں۔ انبیاء کرام سے وہ اس دن احوال حشر سے نجات دینے کی درخواست نہ کریں گے۔ اللہ کے حضور اپنے لئے شفاعت کرنے کی گذارش کریں گے، انبیاء سے خود عطا کرنے کے لیے کچھ نہ کہیں گے۔ حدیث میں یہ اضافہ مولانا اشرف سیالوی کا ایک افتراء ہے اور حضور ﷺ کے نام پر ایک نئی

بات کہنا ہے۔ یہ حقیقت میں حدیث وضع کرنا ہے جس سے سیالوی صاحب کو کچھ بھی خوف الٰہی مانع نہ ہوا۔

عطاء اور شفاعت میں جوہری فرق ہے۔ عطا کرنا مالک ومختار کا کام ہے، سفارش اور شفاعت وہی کرتا ہے جو خود مالک ومختار نہ ہو دینے والے کے حضور اس کی عزت وقدر ہو کہ اسے سفارش کرنے کا موقع دیا گیا ہے، اس کی بات سنی جائے گی۔ ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے کھل کر عطا کی نسبت ایک اللہ رب العزت کی طرف کی ہے اور فرمایا میں تو صرف بانٹنے والا ہوں، نہ کہ عطا کرنے والا، عطا کرنے والا وہی ایک ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی

(متفق علیہ مشکوٰۃ ص:۳۲)

آپ نے یہ ارشاد علم کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے سو اصل شارع رب العزت ہے، آپ اس علم کو بانٹنے والے ہیں۔ آپ ﷺ عطاء الٰہی کے خزانے کہاں کہاں بانٹتے ہیں جہاں رب العزت خود اذن دے۔ آپ کو اپنے طور پر کسی کو کچھ دینے کا اختیار دینا کسی روایت میں نہیں ملتا۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے جنت میں آپ کی مرافقت کا سوال کیا آپ نے اُس کی اِس درخواست کو بھی اللہ کے حضور پیش کیا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُسے حضور ﷺ کی مرافقت عطا فرمائیں اور آپ نے اس سے کہا کہ جب میں خدا سے تیرے لئے یہ مقام مانگوں تو وہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر میرے اس سوال پر میری مدد کر۔

حضور ﷺ کے مقام شفاعت کبریٰ پر سب اہل سنت کا ایمان ہے، اس کا منکر خوارج کے سوا کوئی نہیں۔ خارجی گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر سمجھتے ہیں اور اہل سنت اہل کبائر کو حضور کی شفاعت کا محل جانتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وثبت ایضاً شفاعۃ النبی ﷺ لاھل الکبائر من اللہ والآثار بذالک متواترۃ عند اھل العلم بالحدیث

(منہاج السنۃ ج:۲،ص:۲۰۴)

ترجمہ: اس امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے حضور اکرم ﷺ کا (اللہ کے حضور) شفاعت کرنا ثابت ہے اور علم حدیث رکھنے والوں

کے ہاں اس پر متواتر درجے کی احادیث وارد ہیں۔

اہل بدعت کا حضور ﷺ کے بارے میں مختار کل ہونے کا عقیدہ اہل سنت کے عقیدہ شفاعت کا کھلا انکار ہے۔ خوارج ہی حضور ﷺ کی شفاعت کا عقیدہ نہیں رکھتے اور وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر شمار کرتے ہیں، اسے شفاعت کا اہل نہیں سمجھتے۔

اس تفصیل سے عطاء اور سفارش کا فرق یا خود مختار ہونے اور اللہ سے مانگنے کا فرق آپ حضرات کے سامنے آگیا ہوگا۔ اب ذرا آگے چلئے اور ایک اور فرق کو سامنے رکھئے۔

(۸)...توکل اور تعطل

توکل راہِ سلوک کے مسافروں کے لیے نہایت دقیق اور مشکل مسائل میں سے ہے اور اس کے کئی درجات ہیں۔ اس کے مقابل دوسرا لفظ تعطل ہے۔ لفظ توکل کے سامنے آنے سے اب توکل کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہا۔

توکل کا معنی خدا پر بھروسہ کرنا ہے یہ ترکِ اسباب نہیں اہل طریقت اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ترکِ اسباب تعطل ہے اور اس کی تعلیم پوری شریعت کو بے کار کرتی ہے۔

گفت پیغمبر بآواز بلند　　بر توکل زانوے شتر بہ بند

ترجمہ: حضور ﷺ نے یہ بات کھول کر کہی ہے کہ سفر میں اونٹ پر پورے انتظام سے بیٹھو اور یہ بات کہ اونٹ منزل پر پہنچے اس میں اللہ رب العزت پر بھروسہ کرو اسباب پر بھروسہ نہ کرو۔

حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہئے کہ توکل دل کی ایک حالت ہے جو ایمان کا ثمرہ ہے اور ایمان کے بہت سے باب ہیں لیکن ان میں سے دو پر ایمان لانا بنائے توکل ہے۔ ایک توحید پر ایمان لانا ایک اللہ کے کمال لطفِ رحمت پر (کیمیائے سعادت مترجم ص: ۴۹۸)

ان دو کے بغیر کوئی درویش توکل کی دولت نہ پاسکے گا، توکل کی بناء ایمان پر رکھی گئی ہے یہ جتنا مضبوط ہوگا اتنا خدا پر بھروسہ کامل ہوگا۔ قرآن کریم میں اسے ایمان کے

اثرات میں ذکر کیا گیا ہے۔

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین.

اس میں صریح طور پر ایمان کو توکل کا موقوف علیہ بتلایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ توکل اسباب کو اُٹھا دینے کا نام نہیں ہے، اسباب کو اٹھا دینے کی راہ شریعت پر ایک بہت بڑا طعن ہے۔ شریعت نے مومنین کو ہر موقع کے مناسب اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ہاں اسباب پر بھروسہ کرنا یہ ضرور ایمان کے منافی ہے نہیں تو یہ کمزور ایمان کی ایک کھلی علامت ہے۔ بھروسہ اللہ کی ذات پر ہو تو اللہ خود بندے کی ضرورتوں کو کافی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (پ: ۲۸، الطلاق: ۳)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہ اسے کافی ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

الیس اللہ بکاف عبدہ (پ: ۲۳، الزمر: ۳۶)

ترجمہ: کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔

یاد رکھئے اسباب سے کام لینا اور اسباب پر بھروسہ کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ پہلی چیز ایمان کے منافی نہیں اور دوسری چیز بے شک ایمان کے منافی ہے۔ جب دل میں یہ بات راسخ ہو کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے خدا سے ہوتا ہے تو جان لیجئے کہ اسے توکل کی دولت مل گئی۔ توکل اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پر دل سے اعتماد کرنے کا نام ہے اور آگے اس کے کئی درجات ہیں۔

ایک زاہد شہر سے باہر نکل کر غار میں جا بیٹھا اور سمجھنے لگا کہ اس کا رزق اس کو وہیں ملے گا۔ خدا نے اس وقت کے پیغمبر پر وحی نازل کی، اس پیغمبر نے اس غار میں بیٹھے زاہد کو خدا کا یہ پیغام سنایا، آپ بھی سنیں:۔

> کیا تو چاہتا ہے کہ اپنے زہد و توکل سے میری حکمت کو باطل کر دے تو نہ سمجھا کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے بندوں کو روزی ان کے ہاتھوں سے پہنچاؤں۔

اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور دروازے بند کر لے اور سمجھے کہ میرا رزق

مجھے یہیں ملے گا تو ایسا توکل حرام ہے کیونکہ یہ یقیناً اسباب سے کنارہ کشی ہے۔ لیکن اگر وہ دروازہ بند کیے بغیر خدا پر بھروسہ کیے بیٹھ رہے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ دوازے کی جانب اس کی ٹکٹکی نہ بندھی رہے، نہ وہ اسباب کا منتظر رہے کہ کسی سے کچھ آئے اور اس کا دل بھی لوگوں میں مشغول نہ ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے دل لگا کر اس کی عبادت میں مشغول رہے اور اس بات پر یقین رکھے کہ جب اس نے اسباب سے کنارہ کشی نہیں کی تو اس کا رزق اسے ضرور ملے گا۔ اس جگہ پر بزرگوں کا وہ مقولہ صادق آئے گا جو انہوں نے کہا ہے کہ اگر بندہ روزی سے بھاگتا ہے تو روزی اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے اور اسے تلاش کرتی ہے۔

پس توکل اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی اسباب سے کنارہ نہ کرے نہ روزی کے لیے اسباب کی راہ ضروری جانے، اسے پورے مسبب الاسباب کی طرف سے یقین کرے

(کیمیائے سعادت)

کبھی کسب کرنے والے بھی توکل سے خالی نہیں ہوتے، کسب کے ساتھ بھی وہ یہ دولت پالیتے ہیں۔ کسب کرنے والے کا توکل یہ ہوتا ہے کہ وہ سرمایہ پر اعتماد نہ کرے اور اس کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کا مال چوری ہو جائے تو اس کے دل کو ملال نہ ہو اور اس کو رزق سے نہ اُمیدی نہ ہو، جب وہ حق تعالیٰ کے فضل پر اعتماد رکھتا ہے تو جانے کہ حق تعالیٰ اسے رزق اس جگہ سے پہنچائے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی۔ یہ حالت گو نادر اور عزیز ہے لیکن محال نہیں اور یہ بات تب حاصل ہوتی ہے جب اسے حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی قدرت کے کمال درجے کا یقین حاصل ہوتا کہ وہ جانے کہ اس کی ذات ایسی بے نیاز ہے کہ جو بہت سے لوگوں کو بلا سرمایہ روزی عطا فرماتا ہے۔

(کیمیائے سعادت)

اس راہ سے جو لوگ کسی کو روزی پہنچنے کا انکار کرتے ہیں شاید ان کی نظر اس آیت پر نہیں ہوتی:۔

ومن يتق الله يجعل له مخرجا و يرزقه من حيث لا يحتسب

(پ: ۲۸، الطلاق: ۳)

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے (مصرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے کہ وہ وہاں کا گمان بھی نہ کر سکے۔

بنو اسرائیل کو من وسلویٰ عطائے الٰہی کی اسی راہ سے ملتا تھا۔ حضرت مریمؑ کو اس دنیا میں جنت کے پھل اسی راہ سے ملتے رہے تھے۔ سو راہ سلوک کے مسافروں سے بھی اگر اللہ تعالیٰ کبھی یہی برتاؤ کریں تو قرآن کریم کے طالب علم اسے کبھی محال نہ جانیں۔

یہ بھروسہ کسی مخلوق پر نہ ہو، توکل کے لائق وہی ہے جس پر موت نہ آئے۔

وتوكل على الحى الذى لايموت وسبح بحمده

(پ: ۱۹، الفرقان: ۵۸)

ترجمہ: اور تو توکل اس پر کر جو ہمیشہ زندہ رہے اس پر کبھی موت نہ آئے اور اسی کی تحمید و تسبیح میں لگا رہ۔

(۹)... سائنس اور مذہب

جدید تعلیم میں بسنے والے کئی دفعہ یہ کہتے بھی سنے گئے ہیں کہ سائنسی ترقی کے اس دور میں اس روحانی تزکیہ اور ترتیب کی کیا ضرورت ہے، اب تو ہم سائنس کی راہ سے بھی نور فطرت پا سکتے ہیں۔ بات اس طرح نہیں، مادی ترقی جتنے عروج پر ہوگی اسی قدر انسانی زندگی میں روحانی محنت اور درکار ہوگی۔ اس مقام پر انہیں سائنس اور مذہب کے اپنے اپنے دائرے جاننے کی ضرورت ہے۔

اس دنیا میں جوں جوں سائنسی ریسرچ آگے جا رہی ہے مادے کی خفیہ قوتیں اُبھر اُبھر کر سامنے آ رہی ہیں۔ ان سائنسی انکشافات نے دین اسلام کی بہت سی باتیں جو مسلمان پہلے بتقاضائے ایمان مانتے تھے اب وہ عالم شہادت میں نکھر رہی ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں یہ بات بھی کئی دفعہ سنی گئی ہے کہ اس سائنسی دور میں خدا تک رسائی پانے کی ایک یہ راہ بھی ہے، ہمارے دین دار لوگ ہمیں مساجد اور مدارس کے گرد لانے پر کیوں مصر ہیں؟ روشن خیالی اسی میں ہے کہ ہم ان مظاہر فطرت سے خدا کو پہچانیں، سائنسی علوم اسلامی قوتوں میں ایک بڑی قوت ہیں۔

سو جہاں بھی کوئی دینی مجلس ہو اور اس میں اس جدید طبقے کے نوجوان بھی موجود

ہوں تو یہ بحث چھڑ ہی جاتی ہے کہ مذہب اور سائنس کا کیا تعلق ہے؟ کیا عقل کی رہنمائی میں یا سائنس کی ریسرچ سے خدا کا پتہ لگایا جاسکتا ہے؟ سو نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں اس بات کی بھی وضاحت کردیں تاکہ یہ احساس روشن ہو کہ شریعت کی صداقتیں کھلنے کے باوجود طریقت کی راہ کے بغیر کوئی کبھی خدا تک نہ پہنچ سکے گا۔

اس سے ملنے کی ایک ہی راہ ہے ملنے والوں سے راہ پیدا کر

سائنس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ تجربات اور مشاہدات سے ملتا ہے اور یہ تجربات اور مشاہدات سب مادیات (Matter) کے گرد گھومتے ہیں، وہ مادیات ٹھوس ہوں یا مائعات یا ہوا میں، روح ان کی تحقیقات سے بالکل خارج ہے۔ سائنس کا تعلق فطرت سے ہے، اللہ نے کائنات کی بناء فطرت پر رکھی ہے۔ سائنس سے مادے کی فطری طاقتوں کا پتہ چلتا ہے۔ دین فطرت وہ ہے جو فطرت کے کسی انکشاف سے نہ ٹکرائے، یہ نہیں کہ اس دین کا پتہ بھی نظام فطرت سے چلے۔ فطرت کائنات کی اساس ہے، یہ کائنات کا منتھیٰ نہیں، خدا تک پہنچنے کی راہ نہیں۔

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اس کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

مذہب کی بناء یکسر مغیبات (غیبی حقیقتوں) پر ہے۔ قرآن کریم میں یؤمنون بالغیب (وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی بن دیکھے اُن حقیقتوں کو مانتے ہیں) کے الفاظ سے اہل ایمان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ سو مذہب ایک فوق الفطرت سچائی ہے، یہ تجربات اور مشاہدات سے ماوراء ہے۔ سائنس کی جو منتھائے پرواز ہے وہ مذہب کا نقطہ آغاز ہے۔ جو لوگ سائنس کی راہ سے خدا کو پانا چاہتے ہیں یا چاہتے ہیں کہ عقل سے خدا کو دریافت کرلیں وہ غلطی پر ہیں، اللہ کی ذات ایک ازلی و ابدی حقیقت ہے اور وہ واجب الوجود ہے، وہ عقل کا خالق ہے وہ مخلوق میں کیسے سما سکتا ہے؟ وہ مادے کا بھی خالق ہے، کوئی مادی پرواز اس تک نہیں جاسکتی۔ اللہ کو صرف نور وحی سے جانا اور پہچانا جاسکتا ہے، اس سے مذہب کی راہ نکلتی ہے۔ اور وحی کی ابتداء بھی بندے سے نہیں ہوتی اللہ ہی اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور ان کی طرف وحی بھیجتا ہے۔ عقل بے شک ایک روشنی ہے اور اس کے باعث انسان قانون کا مکلف ہوتا ہے لیکن مذہب اس طرح بنتا ہے کہ عقل کی زمین پر وحی کی بارش اترے۔ نور عقل

اور نور وحی سے مذہب کی اساس قائم ہوتی ہے۔ سائنسی اکتشافات اس ازلی وابدی حقیقت کی مادی شہادتیں ہیں اور پیغمبر کے معجزات اس کی روحانی شہادتیں ہیں۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ تک طالبان حقیقت آپ کے در دولت سے یہ دولت لیتے رہے لیکن ختم نبوت کے بعد نور وحی کے جلوے نسبت ولایت سے آگے چلے، اب طالبان حقیقت ایسی مجالس کی تلاش میں نکلے۔ نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد چاروں طرف ولایت کی کھڑکیاں کھل گئیں اور اسلام کے پہلے دور میں ہی اہل ولایت اس امت میں تزکیۂ قلب کی محنت میں لگ گئے، خوش نصیب رہے وہ لوگ جو اللہ والوں کو پا گئے۔ مدارس دینیہ علم نبوت کے مرکز رہے مگر نور نبوت طالبین کو راہ نوردوں سے ملا۔ شریعت اور طریقت کا یہ حسین امتزاج اس وقت سے ہی چلا آرہا ہے اور اسلام کی چودہ صدیوں پر محیط ہے۔ اس راہ کے مسافر نور نبوت کی دولت پانے کے لیے حضور ﷺ تک اپنی نسبت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ نور نبوت اب ولایت کی راہوں سے دین کی روشنی ہے۔ سائنس بے شک مادے سے دبیز پردے اُٹھا رہی ہے اور دن بدن اللہ کی طاقت کے کرشمے اور اس کی قدرت کے جلوے اور عیاں ہو رہے ہیں لیکن ان تمام اکتشافات کا محور پھر بھی مادہ ہی ہے، روح نہیں! ہاں یہ صحیح ہے کہ مذہب سائنس کے مطالعہ سے روکتا نہیں بلکہ وہ مظاہر فطرت پر زیادہ سے زیادہ غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور قرآن کریم میں بار بار اولی الالباب کو زمین و آسمان کی پیدائش اور ان کے تحولات پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

روح پر محنت کرنے کی ایک تجرباتی راہ

جب مادی ریسرچ انسان کی روح کو تسکین نہ دے سکی تو انسانوں نے پھر روح کی مشقیں کرنی شروع کیں اور تجرد اور عزلت گزینی سے اپنے اندر ایک روشنی اترتی محسوس کی، یہ اشراقی کہلائے۔ جوگی بھی اس راہ سے ریاضتوں میں اور اپنے اوپر تکلیفیں اتارنے میں لگ گئے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے جنہوں نے کشف کی کھڑکی سے اس ذات لم یزل کو دیکھنا چاہا، انہوں نے اس کشف کے مقام تک آنے کے لیے بہت ریاضتیں کیں اور کسی حد تک ان کی روح نے تسکین بھی پائی مگر خدا تک کسی کو اس راہ سے رسائی نہ ہو سکی۔ نور نبوت کے سوا اور کوئی روشنی نہیں جس میں خدا کو دیکھا جا سکتا ہے۔

سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب ہیں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط اک اٹھتا غبار دیکھا

اس تفصیل سے طالبان حقیقت کے تین بڑے گروہوں کا پتہ چلتا ہے، ایک وہ جو عقل و استدلال اور سائنس کے اکتشافات میں اس کی تلاش کے لیے نکلے دوسرے وہ جو ریاضتوں اور مراقبوں سے کشف تک پہنچے۔ ہندو جوگی بھی تجرد کی راہ سے کشف تک آ نکلے لیکن کشف الٰہی تک نہ پہنچ سکے۔ تیسرے وہ جو نور نبوت کی روشنی سے آگے بڑھے، تو اسی بیج پر شریعت کا درخت لگا اور اسی سے رنگا رنگ طریقت کے پھول کھلے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بجا فرمایا ہر وہ حقیقت جس پر شریعت گواہی نہ دے وہ زندقہ ہے۔

(۱۰)...حقوق و فرائض

حقوق و فرائض کی بے اعتدالی سے ہمارا پورا تمدن بگڑ چکا ہے۔ لوگوں کو اپنے حقوق کی تو بہت فکر رہی ہے اور اپنی ذمہ داریوں کا انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ علم ان دونوں (حقوق و فرائض) کا پتہ تو بیشک دیتا ہے لیکن نیک صحبت اور ذکر و اذکار کے بغیر کوئی ان میں اعتدال نہیں لاسکتا، یہ نیت کی صفائی ہے جو ان میں اعتدال پیدا کرتی ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ اصلاح کی بنیاد ہی معاملات کی صفائی پر رکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں سالک عبادات میں کتنا ہی گم کیوں نہ ہو، معاملات درست کئے بغیر اسے اللہ کی بادشاہی میں داخل ہونے کا موقع کبھی نہ ملے گا۔

انگلینڈ میں بیوی کو خاوند کے ترکہ سے وہاں کے قانون کے مطابق ۵۰ فیصد حصہ ملتا ہے اور اسلام میں وہ بصورت اولاد آٹھویں حصے سے زیادہ کی حق دار نہیں ٹھہرتی۔ اب اس معاشرے میں کتنی مسلمان عورتیں ہوں گی جو اپنے اس حق کی طلب میں طالبہ ہیں، یہ بالکل بھول چکی ہیں کہ ان کے خاوند کے بارے میں کچھ فرائض بھی ہیں اسلام میں نافرمان اور اسلام سے برگشتہ بیوی کس انجام کی مستحق ہے اس کا انہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔

پھر یہ بے اعتدالی بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ حقوق کی نگرانی اور حفاظت بڑے بڑے مضبوط اداروں کے سپرد ہے۔ اسمبلیاں، عدالتیں، حکومتیں اور پولیس تھانے سب ان کے نگران ہیں اور فرائض کی یاد دلانے والے ادارے وہ مسجدیں ہوں یا وعظ کی مجلسیں یا

خاموش کتابیں بہت کمزور ادارے ہیں جو خود اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔

معاشی مشکلات، مہنگائی کی انتہا، زیادہ سے زیادہ آرام کی طلب اور اخلاقی برائیوں سے عام افراد کا اعصابی نظام بالکل بگڑ چکا ہے۔ ان کی حرص کی آگ ہر دم نیا ایندھن مانگتی ہے اور انسان اس کی تعمیل میں حلال وحرام کی حدوں کو پھاندتا ہوا چوری، ڈاکے، رشوت اور نہ دینے کے ارادے سے قرض لینے سے کچھ پروا نہیں کرتا۔ ان حالات میں انسان کی اصلاح بدوں اس کے ممکن نہیں کہ انسان ایک بری صحبت سے نکلے اور کسی نیک مجلس میں آئے اور اپنے گھر میں بس ایک اصول اپنائے کہ اس کے اخراجات کسی صورت میں اس کی آمدنی سے بڑھنے نہ پائیں، اعلیٰ زندگی قائم کرنے میں وہ شیطان کے جھانسے میں نہ آئے۔

قرآن کریم کہتا ہے دلوں کا سکون اللہ کے ذکر کے سوا اور کہیں نہ ملے گا۔

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب (پ:۱۳، الرعد:۲۸)

آج صرف وہی قلوب سکون میں ہیں جن کی حرص کی آگ بجھ چکی ہے کہ دنیا میں جس قدر ہو سکے آرام کی زندگی بسالو، وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آرام کی جگہ آگے ہے اور حقیقی زندگی وہاں ہی ملے گی، یہ دنیا صرف رستے کی ایک سرائے ہے جس میں کسی کو ہمیشہ رہنا نصیب نہیں۔

ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون.

(پ:۲۱، العنکبوت:۶۴)

اہل طریقت کی مجلسوں میں جب حقوق وفرائض کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے ان کی مراد یہی ہوتی ہے۔

(۱۱)...غیب وشہادت

غیب کیا ہے؟ جو ہم سے غائب ہو اور شہادت کیا ہے؟ جو ہمارے سامنے ہو۔ غیب وشہادت کے یہ فاصلے صرف مخلوقات کے لیے ہیں، اللہ سے کوئی چیز غیب میں نہیں ہے۔ جب ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ جو چیز بندوں سے غائب ہو یا ان کے سامنے ہو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو جاننے والا ہے۔

عالمِ برزخ، عالمِ آخرت اور ملاء اعلیٰ اور جنات ہماری نظروں سے غائب ہیں

ہمارے لئے یہ سب عالم غیب کی چیزیں ہیں گو ان میں رہنے والے ایک دوسرے کو دیکھتے بھی ہوں اور ملتے بھی ہوں۔ یہ غیب و شہادت کی اضافی نسبتیں ہیں۔ جب ہم قبروں میں داخل ہوں گے یا میدان حشر میں پہنچیں گے تو وہ جہاں اس وقت ہمارے لئے عالم شہادت ہو گا لیکن اِس وقت وہ ہمارے لئے غیب کی دنیا ہے۔ جب ہم خواب دیکھ رہے ہوں تو وہ اس وقت بالکل عالمِ شہادت محسوس ہوتا ہے لیکن جب بیدار ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو خواب تھا۔

راہِ طریقت کے مسافروں سے اس دنیا میں ہی سالکوں کی آنکھ کھل جاتی ہے کہ دنیا گو ہمیں ایک حقیقت معلوم ہو رہی ہے لیکن یہ ایک خواب ہے، ہم اسے اس طرح دیکھ نہیں پاتے، اس لیے اس کی بقا ڈھونڈتے ہیں لیکن جب نظر تیز ہو جاتی ہے اور دنیا کی عینک اتر جاتی ہے تو زندگی کے آخری لمحوں میں انسان کچھ اگلے جہاں کو کچھ دیکھ لیتا ہے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:۔

فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید

(پ:۲۶، ق:۲۲)

ترجمہ: سو آج ہم نے تیرے پردے اٹھا دیئے سو آج تمہاری نظر بڑی تیز ہے۔

تصوف کی مجلسوں میں تیز نظر والے وہی سمجھے جاتے ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے اِسے ایک خواب سمجھ لیں اور یقین کریں کہ آخرت کی زندگی ہی رہنے والی جگہ ہے۔ کاش کہ لوگ اسے جان پائیں۔

وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون

(پ:۲۱، العنکبوت:۶۴)

اس دنیا میں انبیاء سے لے کر عوام تک سب یؤمنون بالغیب کی حالت میں رہتے ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندے سے کوئی غیب کا پردہ اٹھائے تو وہ حالت کچھ وقت کے لیے ہوتی ہے۔ جب تک انسان اس دنیا میں مکلف باحکام الٰہیہ ہے اس وقت تک ان جہانوں کو وہ عالمِ برزخ ہوں یا عالمِ غیب یا ملاء اعلیٰ یا عالمِ جنات اس سے غیب ہی رہنا ہے تا کہ اسے مرتے دم تک یومنون بالغیب کی شان حاصل رہے۔ پھر جس نے کوئی غیب کی

بات جان بھی لی اسے اس چیز کا بھی علم محیط حاصل نہیں ہو پاتا۔ عالم شہادت کی لاکھ چیزیں ہمیں معلوم ہوں لیکن ان کی شہادت میں بھی کئی غیب داخل ہیں۔ علم غیب اور علم محیط تفصیلی خاصہ باری تعالیٰ ہے یہ کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں۔

نقشبندی سلسلے کے پیر بادشاہ خانقاہ دبیر پور حیدرآباد دکن کے پیر محمد عبدالحلیم الیاسی لکھتے ہیں:۔

> قطعیت کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔ انبیاء سے لے کر عوام تک یومنون بالغیب میں رہتے ہیں۔ لاکھ شہادت ہو جسم اور بال تک کی شہادت میں کئی غیب داخل ہیں۔ آج تک کوئی شخص ایک بال کا علم بھی قطعیت کے ساتھ نہ دے سکا۔ (قول طیب فصل ہفتم ص: ۳۴۶)

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس جہاں میں رہتے ہوئے عالم مغیبات کو پا گئے باوجود غیب کے فاصلے کے اس پر ان کا پورا ایمان رہا۔ عالمِ شہادت میں اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر عالم غیب پر ایمان بڑھتا ہے۔ ایمان ایک شئی بسیط ہے، اس میں قوت وضعف کی لہریں اٹھتی ہیں لیکن مومن بہ امور میں اور کیت میں یہاں کسی کمی بیشی کو راہ نہیں، ایمان بڑھنے کا مطلب ایمان میں قوت پانا ہے۔

(۱۲)...جذب وسلوک

جس طرح طالب علم، علم حاصل کرنے میں منزل بہ منزل چلتا ہے طالبین اسی طرح راہ طریقت سے حقیقت تک پہنچتے ہیں اور منزل بہ منزل چلتے ہیں، ان کا اس راہ میں چلنا سلوک کہلاتا ہے اور وہ اس راہ کے سالکین سمجھے جاتے ہیں۔ اس راہ کے مسافروں نے جذب کی مثال انجن سے دی ہے اسے سٹارٹ کر کے چھوڑ دیں تو معلوم نہیں کہاں جا کر ٹکرائے، یہ علم جو اسے آگے صحیح سمت میں چلاتا ہے یہی سلوک ہے جس پر سالکین چلتے ہیں۔ انسان جذب کی حالت میں ایک سیکنڈ میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے لیکن آگے اس کے لیے کوئی راہ عمل نہیں، سو جذبات سے کام نہیں چلتا جب تک اس کے ساتھ علم نہ ہو۔ علم ہے جو آگے عمل کی راہیں قائم کرتا ہے۔ مرشدان گرامی انہیں ایک تربیت دیتے ہیں اس راہ کو

کامیابی سے عبور کرنے والوں کو محققین کہا جاتا ہے۔ فقہاء کرام نے بھی ان کا اس باطنی ریاضت کا پتہ دیا ہے۔

صاحب در مختار ایک مقام پر تغریب (کسی کو کسی مقصد کے لیے دور رکھنا) کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

وعلی هذا کثیر من مشائخ السلوک المحققین رضی اللّٰہ عنهم وحشرنا معهم یغربون المرید اذا بدا منه قوة نفس ولجاج فتتکسر نفسه و تلین و مثل هذا المرید او من هو قریب منه هوالذی ینبغی ان یقع علیه رای القاضی فی التغریب (ردالمختار علامہ شامی جلد:۴، ص:۱۴)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ فقہاء کے ہاں بھی یہ سالکین کا ایک مقام رہا ہے اور وہ یہ کہ ان میں بھی کچھ محققین ہوتے ہیں جو عام درجے میں نہیں رہتے۔ کاملین کے فیض تربیت سے حقائق کو پالیتے ہیں۔

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

طریقت کی راہ میں سالکین کبھی کسی خطرے سے دوچار نہیں ہوتے۔ اللہ سے ملنے کی یہ ایک نہایت محفوظ راہ ہے جس میں شیطان کے حملے کامیاب نہیں ہو پاتے لیکن جب طالب علم جذب کی راہ سے اس میں چلے تو پھر ان خطرات کا بہت سامنا ہوتا ہے۔ سلوک میں ہوش وحواس پوری طرح قائم رہتے ہیں لیکن جذب میں جوش ابھرتا ہے اور انسان منزل کو جلدی پانے میں اپنے گرد و پیش کو بہت بھول جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور رسل عظام کو بڑا حوصلہ عطا فرماتا ہے، وہ تکلیفوں اور مخالفتوں کے باوجود اپنے عزم اور حوصلے کو مضبوطی سے قائم رکھتے ہیں، انہیں رب العزت کی طرف بھی پورا دھیان ہوتا ہے اور وہ مخلوق پر بھی اپنی پوری توجہ ڈالتے ہیں لیکن اولیاء کرام بسا اوقات اللہ کی محبت میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ پھر مخلوق کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہو جاتی ہے۔ عزلت گزینی زیادہ پسند کرتے ہیں، پھر ان میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں مرشدانِ گراں ولایت کی راہ سے نہیں نبوت کی راہ سے سلوک کی وادی میں

لے جاتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے علوم پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ راہِ نبوت سے سلوک کی منزلیں طے کئے ہوئے تھے۔ اگر کسی طالب حقیقت کی توجہ مخلوق سے ہٹ جائے تو وہ گویا یہاں رہتے ہوئے آخرت کا جذب پا گیا۔ یہ توحید کا جذب ہے، اس جذب کو نظر کا فیض پانے کے لیے بعض مریدین بہت راہیں اختیار کرتے ہیں، بعض درویش سماع کی مجالس کی راہ سے اللہ کے قرب میں اُڑنا چاہتے ہیں، بعض مرشدانِ گرامی سے فیض چاہتے ہیں، بعض وظائف کی گرمی سے جذب کی طرف لوٹتے ہیں لیکن اس راہ میں خطرے بھی بہت زیادہ ہیں اس لئے محققین راہ ولایت میں سماع کی بھی غیر مشروط اجازت کسی کو نہیں دیتے اور نہ اس راہ کے طالبین کو مخلوق سے بالکل کٹنے کی اجازت ہوتی ہے۔ البتہ تصوف کی راہ میں تقلیل اختلاط انام کی بہت ترغیب دی جاتی ہے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ مقام ولایت میں توجہ زیادہ خالق کی طرف رہتی ہے اور مخلوق کی طرف کم۔ نبوت و رسالت میں دونوں طرف برابر دھیان رہتا ہے اور یہ عالی حوصلگی عام طور پر انبیاء ہی میں ملے گی۔

بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ دیگر افرادِ اُمت کے ساتھ ایک سطح پر نہیں رہنا چاہتے یہاں تک کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہیں، یہ وہ ظاہری سطح ہے جس سے احکام اُٹھ جاتے ہیں اس کو یوں سمجھئے کہ اس راہ میں کئی عارفین بھی مقام پنشن میں چلے جاتے ہیں۔

جذب کسی درجے میں بھی ہو اِس میں خطرات بہت زیادہ ہیں، اس لئے اس کی نہ تمنا کریں نہ اس کی طرف بڑھنے کے ہاتھ پاؤں ماریں۔ وہ سلوک کی منزل ہے جس میں سالک کو راہ کا کوئی خطرہ نہیں۔ جذبات میں سوچ سے کام نہیں لیا جاتا جذبے کا تعلق قلب سے ہے۔

تصوف کی اُڑان میں توازن درکار ہے

دنیا میں انسانوں کا ایک گروہ ہمہ تن تحصیلِ دنیا اور تنظیمِ دنیا میں منہمک ہے اور ایک گروہ رضائے الٰہی کی طلب میں ہمہ تن ترکِ دنیا کا شیدا ہے۔ اسلام بندوں کو نہ ہمہ تن تحصیل دنیا میں لگے رہنے دیتا ہے اور نہ ہمہ تن ترک دنیا کی اجازت دیتا ہے بلکہ ان

دونوں تقاضوں کے درمیان ایک توازن قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ فقہ اسلامی دنیا کے ایک ایک پہلو کو صحیح تنظیم بخشتی ہے لیکن زندگی میں یہ مطلوبہ توازن تصوف کی راہ سے ہی میسر آتا ہے۔

دنیا میں انسان اسی لئے بھیجے گئے کہ علم و عمل کا کمال ظاہر ہو اور ظاہر ہے کہ دنیوی دائرۂ حیات جتنا وسیع ہوگا علم و عمل کے کمالات اتنے زیادہ کھلیں گے اور ترک دنیا میں انسانی زندگی کے دونوں پہلو دب کر رہ جاتے ہیں۔ انبیاء کرام انسانی کمالات کا بہترین نمونہ رہے ہیں اور انہوں نے کہیں ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی۔ اہل کلیسا کے ہندو جوگیوں نے اور بدھ مت کے بدھوؤں نے اسے اپنی طرف سے خدا تک پہنچنے کا زینہ بنایا لیکن اسلام نے مسلمانوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں طالبین حسنات (اچھائیوں کی طلب کرنے والے) بنایا اور یہ دعا سکھائی:۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

کلیسا کی بنیاد رھبانیت تھی | سماتی کہا اس فقیری میں میری
یہ اعجاز تھا ایک صحرا نشین کا | بشیری ہو آئینہ دار نذیری

زندگی کو یہ توازن تصوف کے بغیر نہیں ملتا

پانی میں انسان کو سنبھالنے کی ایک قوت موجود ہے مگر تیرنے والے اس قوت کو سمجھے ہوتے ہیں، تیرنے والوں نے پانی کو وہ قوت نہیں دی وہ پہلے سے پانی میں موجود تھی مگر تیرنے والے اس قوت کو پالینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس قوت کو پالینا کیا ہے؟ یہ محض ایک توازن ہے جس سے انسان تیرتا بھی ہے اور ڈوبتا نہیں۔ پانی کس طرح تیرنے والے کو سنبھالتا ہے اسے وہی جانے جو تیر رہا ہے، توازن صحیح رکھنے سے انسان پانی کی اس سنبھالنے والی قوت کو پالیتا ہے۔ اس طرح زندگی کے ان بھرے دریاؤں میں طالبان حقیقت تصوف کی بدولت صحیح توازن قائم رکھنے کا راز پالیتے ہیں پھر زندگی ان کے لیے کوئی بوجھ نہیں ہوتی۔

اگر راہِ طریقت کے درویش کو زندگی کا یہ توازن نہیں ملا اور زندگی کے اس منجدھار میں وہ پانی کی اس سنبھالنے والی قوت کو نہیں پاسکا تو وہ خدا کو نہیں پاسکا اور جس نے اپنا آپ سمجھ لیا اسے اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت سمجھ میں آگئی، اسے صحیح عرفان سے یہ ربوبیت کی

دولت میسر آئی ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

(۱۴)... عزیمت و رخصت

یہ فقہ کی اصطلاحات ہیں۔ اسلام بعض کاموں کو اونچا درجہ دیتا ہے اور عمل کے بعض دائروں میں کچھ رعایات بھی دیتا ہے۔ سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت دیتا ہے پھر دوسرے دنوں سے وہ اس گنتی کو پورا کرے۔ اسلام کی دعوت میں فان مع العسر یسراً ان مع العسر یسرا کی صدا ساتھ ساتھ اُٹھتی ہے۔

راہ طریقت کے درویش کبھی رخصتوں کی تلاش نہیں کرتے، یہ سب اہل عزیمت رہتے ہیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ رخصتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر عمل کرنا خود ایک نشانِ فسق ہے۔ حالانکہ رخصت کو رخصت کا درجہ خود شریعت دیتی ہے لیکن اہل طریقت ہمیشہ اہل عزیمت ہوتے ہیں۔

تو آں شاہے کہ بر بالائے قصرت کبوتر گر نشیند باز گردد
اگر ابلہ بود آں مرد دانا ازاں را ہے کہ آمد باز گردد

درویشوں کے حلقوں میں رخصتوں کی معافی بہت کم ملتی ہے، ہاں سالکین کو تدریج کی منزلوں میں کبھی رخصتیں بھی ملتی ہیں تاہم جن درویشوں کے ذہن میں منزل کی عزیمت سما گئی وہ ہمیشہ اہل عزیمت رہتے ہیں۔ رخصت کو ان کی راہ میں راہ نہیں، ہاں یہ حقیقت ہمیشہ دل میں جاگزین رہے کہ اہل عزیمت کا مضبوط ارادہ اور غیر متزلزل قدم بھی اللہ رب العزت کا ہی ایک فضل و انعام اور کرم و احسان ہے، کوئی شخص محض اپنے عزم سے اس منزل کو پا نہیں سکتا۔ کتنے ہیں جو اس راہ میں دوڑے مگر وہ منزل تک پہنچ نہ پائے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.

سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب ہیں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ، فقط اک اُٹھتا غبار دیکھا

ایک بات یہاں یاد رہے کہ رخصت مداہنت فی الدین کا نام نہیں، نہ یہ اپنی ذمہ داری سے گریز پائی کی کوئی تعلیم ہے۔ جو رخصت پر عمل کرے اسے اُس وقت بھی اپنے دل میں عزیمت کی ہی عظمت رکھنی چاہئے۔ وہ بد عملی یا دو عملی سے دل میں نفرت ہی رکھے اور

شخص کی زندگی میں رہتے ہوئے بھی اس کی اپنی دعا اللہ رب العزت کے حضور یہی رہے:

ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها (پ:۵، النساء:۷۵)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں۔

اگر وہ دل میں رخصت سے پیار کرلے تو یاد رہے کہ وہ اب اہل رخصت سے نہیں رہا رخصت ایک وقتی عمل تو ہوسکتا ہے لیکن پوری زندگی مستضعفین کی سی بسر کرنے والے موت کے وقت فرشتوں کے سوال فیما کنتم (تم زندگی میں کہاں اور کیسے رہے؟) کا کوئی صحیح جواب نہ دے سکیں گے۔ قرآن کریم میں سورۃ النساء آیت ۹۷ میں اس سوال کا نہایت دل گداز تذکرہ ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منہا

(۱۴)...انسان کا تن مثالی

انسان روح اور عناصر سے مرکب ہے، روح کی پرواز مطلق ہے اس میں کہیں تقیید نہیں، ایک لحہ میں روح کہیں سے کہیں رسائی پاجاتی ہے۔ اس کے بالمقابل بدن عنصری زمان و مکان کی حدود میں گھرا ہے۔ انسان روح اور بدن کے اتصال سے اپنے دن کے سارے کام کرتا ہے۔

عالم خواب میں بدن عنصری یہیں ہوتا ہے مگر روح کہاں کہاں گھوم رہی ہوتی ہے، زمان و مکان کے کوئی پردے اس سے حائل نہیں ہوتے۔ روح جہاں بھی جاتی ہے محسوس کرتی ہے کہ ایک بدن اس کے ساتھ ہے اور وہ اس بدن سے ہی آ جا رہی ہے۔ روح کو یہ ساری لذتیں اسی بدن کے ساتھ ملتی دکھائی دیتی ہیں گو یہ بدن اس رفتار یا پرواز میں ساتھ نہیں ہوتا۔

سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں اور ظاہر ہے کہ نبوت روح پر نہیں روح مع الجسد پر اترتی ہے۔ نزل به الروح الامین علی قلبک. روح الامین بھی جب حضور ﷺ کے پاس حاضری دیتے تو ایک بدن میں ظاہر ہوتے تھے، حضرت جبرائیل کا یہ ایک برزخی جسم ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح کے بھی خواب میں ایک برزخی بدن سے چارہ نہیں، یہ بدن اسی عنصری بدن سے منتزع ہوتا ہے اور اس کی ایک تصویر ہوتی ہے،

اسے تن مثالی کہتے ہیں۔

بعض اہل اللہ نے اس نشاء عنصری میں عالم برزخ کے بعض مسافروں کو چلتے پھرتے دیکھا ہے، اس قسم کے مکاشفات سے بعض ظاہر بینوں کو تعجب ہوا ہے۔ ارشد القادری جیسے لوگوں نے اس پر کتابیں بھی لکھ ڈالیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مولانا محمد قاسمؒ یا مولانا محمود حسنؒ اپنی وفات کے بعد کسی کو عالمِ بیداری میں ملیں۔ ایسے لوگ اِس دنیا میں اور اُس دنیا (عالم برزخ) میں تن مثالی کی ان واردات کو سمجھ نہیں پائے۔

خواب کی دنیا ایک بے پایاں سمندر ہے، اس میں روح جہاں بھی جاتی ہے ایک تن مثالی کے ساتھ جاتی ہے، خواب دیکھنے والا خواب کے تمام جلووں اور خواب کی تمام لذتوں کو اسی بدن مثالی سے حاصل کرتا ہے۔ روح جب ایک بدن سے نکل کر تن مثالی میں آتی ہے تو وہ پہلے بدن سے بالکل بے تعلق نہیں ہوجاتی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

> بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود و از عذاب وثواب قبر گزر نہ......افسوس و ہزار افسوس ایں قسم بطالاں خود را بمسند شیخی گرفتہ اند ومقتدائے اہل اسلام گشتہ ضلوا واضلوا۔ (مکتوبات دفتر دوم ص:۱۱۶)
>
> ترجمہ: پہلے بدن کو احکام برزخ سے ہرگز خلاصی نہیں اور قبر کے عذاب وثواب سے بے تعلقی نہیں.....افسوس ہے ان غلط لوگوں پر جو اپنے آپ کو شیخ وقت بنائے ہوئے ہیں، وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کررہے ہیں۔

علامہ ابن عربی کے بعض مکاشفات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس تن مثالی سے اس زمین کے علاوہ بعض دوسرے سیاروں میں بھی سیر کی اور وہاں کے حالات دیکھے۔ اللہ کی دی قدرتوں سے انسان کہاں کہاں نہیں پہنچا، خود اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ راز نہ پاسکے کہ حضرت خضر کی رہائش کہاں ہے۔ تن مثالی کے زمان ومکان اس بدن عنصری کے زمان ومکان سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔

اہل طریقت کی مجلسوں میں کبھی روح کی ان کاروائیوں کا ذکر سنیں یا روح کی کہیں دور دراز کی سیر کا ذکر ہو تو تعجب نہ کریں اور نہ کبھی ان کی تردید کریں۔ دوسرے

جہانوں کو اگر ہم یہاں دیکھ نہیں سکتے تو اپنے جہان میں رہنا ہی ایک بڑی دانائی ہے۔

(۱۵)... کشف کونی اور کشف الٰہی

کائنات کی غیبی چیزوں سے جو تمھارے سامنے نہیں پردہ ہٹے تو یہ کشف کونی ہے، یہ عالمِ کون وفساد کے کسی گوشے کا علم پاتا ہے۔ کسی کے دل کی بات معلوم کر لینا یہ بھی کشف کونی ہے، اسے کشف الصدور بھی کہتے ہیں۔ خواب کے ذریعے کسی بات کا قبل از وقوع پتہ چل جائے تو بھی کشف کونی ہے جس طرح عزیزِ مصر کو پہلے سے پتہ چل گیا تھا کہ ایک بڑا قحط واقع ہوگا۔ ایمان کے کسی غیبی پہلو سے پردہ اٹھے تو فرشتوں کی باتیں سننے میں آئیں، کسی پر اس کے نیک اعمال کا سایہ ہو یا کسی پر اس کے برے اعمال کی نحوست دکھائی دے، تو یہ سب کشفِ الٰہی ہے۔ جو انسان چوپائیوں کے درجے میں انسانیت سے گریں اگر وہ ان جانوروں کی صورت میں نظر آنے لگیں تو یہ بھی کشف الٰہی ہے جو کاملین کو ہی ملتا ہے۔

انسان اس دنیا میں زیادہ کشف کونی کا طالب ہوتا ہے۔ یہ پردے کبھی محض تجرد اور تصور میں بھی کھلنے لگتے ہیں، یہ کشف کونی منزل نہیں۔ بہت سے پنڈت اور جوگی اس راہ سے ہندوؤں کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ شیطان اس عالمِ کون وفساد کے تقریباً تمام گوشوں میں کام کر رہا ہے، اسے جس قدر یہ کشف کونی ہے شاید ہی کسی دوسرے کو ہو لیکن اللہ والے کشف الٰہی کی دولت سے مالا مال ہیں، شیطان کو یہ معرفت نہیں دی گئی وہ عارف ہوتا تو کبھی تکبر کا دم نہ مارتا۔ عالم ضرور تھا لیکن علم سے ہی تو سارے راز نہیں کھلتے یہ عارفوں کا نصیب ہے۔

ان دنوں عام انسانوں کا ذوق غیب کی طلب اور غیبی چیزوں کی تلاش ہوتی ہے اور بعض اوقات بزرگوں کی مجلس میں اسی تلاش میں جاتے ہیں۔ یہ سوچ درست نہیں۔ ایمان کی شان یؤمنون بالغیب سے قائم ہوتی ہے، اس کے لیے کشف کونی کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہندو جوگیوں نے بھی اس کشف کونی پر بڑی بڑی محنتیں کی ہیں تو کہیں وہ ہندوؤں کو اپنے دائرہ عقیدت میں رکھ سکے ہیں؟ نہیں

مرزا غلام احمد بھی ایسے بعض کشوف سے اپنے حلقوں کو متاثر کرتا تھا۔ محققین کے ہاں کشف کونی مسلم اور غیر مسلم دونوں کو ہو سکتا ہے، اس کے لئے ایمان کی قید نہیں۔ عام

لوگ ایسے امور سے اور طرح طرح کے خوابوں کے ظہور سے بہت متاثر ہوتے ہیں لیکن کشف الٰہی کی دولت ہر کسی کا نصیب نہیں، نور سنت کی چمک اسی میں نظر آتی ہے۔

تاہم اس سے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کا کشف کوئی بالکل بے وقعت ہے، ان کا کشف کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کھولا جاتا ہے، یہ محض تجرد توجہ اور ریاضتوں سے نہیں چلتا۔ جوگیوں اور بے راہ درویشوں سے کوئی ایسی بات ظہور میں آئے تو طالبین حقیقت کو اس سے کوئی اثر نہ لینا چاہیے۔

(۱۶)...رجال الغیب

اہل طریقت کی مجلسوں میں کبھی بعض غیبی شخصوں سے بھی ملاقات ہوجاتی ہے یا کبھی ان کی ملاقات کا بھی ذکر ہوجاتا ہے۔ یہ رجال غیب کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو عام طور پر یہاں نظر نہیں آتے، وہ عالم شہادت کے نہیں عالمِ غیب کے باسی ہوتے ہیں۔ زیادہ تر یہ تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

(۱) جنات.. جو کبھی انسانی روپ میں کسی کے سامنے حاضر ہوجائیں۔ جنات کبھی پرندوں اور جانوروں کی صورت میں بھی متشکل ہوتے ہیں۔ جو لوگ جنات کے وجود خارجی کا انکار کرتے ہیں وہ محض اس لئے ان کا انکار کرتے ہیں کہ وہ انہیں دیکھ نہیں پاتے۔ اگر اس عذر کو قبول کیا جائے تو پھر فرشتوں کا بھی انکار لازم آتا ہے کیونکہ ہم انہیں بھی تو عام دیکھ نہیں پاتے۔

تاہم قرآن پاک ہمیں یؤمنون بالغیب کے تحت ان تمام چیزوں کے ماننے کا حکم دیتا ہے جو کو ہمیں نظر نہ آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کا ہونا بتایا ہے۔ قرآن پاک میں جنات کی تخلیق کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے:۔

> خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار (پ:۲۷، الرحمٰن)
>
> ترجمہ: اس نے انسان کو اس مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو خاص آگ سے پیدا کیا۔

اس سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ جنات انسان کے بالمقابل کوئی دوسری مخلوق ہیں جن کی پیدائش آگ سے ہوئی۔

(۲) فرشتے.. یہ ملاء اعلیٰ کی مخلوق ہیں مگر کبھی انسانی شکل میں بھی اس جہاں میں ظہور کرتے ہیں اور انسانوں سے ہم کلام بھی ہوتے ہیں۔ یہ ایک مستقل مخلوق ہیں جو نور سے پیدا کئے گئے، جس طرح جنات نار سے پیدا کئے گئے فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ نار میں شر کا عنصر ہے لیکن نور میں شر کا کوئی عنصر نہیں، یہ وہ مخلوق ہے جو اللہ کی ذرا سی بھی نافرمانی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں اور یہ سب امر الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔

اللّٰہ یصطفی من الملئکۃ رسلاً و من الناس (پ۱۷، الحج ۷۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لیے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے (جن فرشتوں کو چاہے) اور انسانوں میں سے (جن پر وہ نبوت اتارے)۔

علیھا ملٓئکۃ غلاظ شداد لایعصون اللّٰہ ما أمرھم ویفعلون ما یومرون (پ:۲۸: التحریم:۶)

ترجمہ: جس پر تند خو (اور) مضبوط فرشتے (متعین) ہیں جو (خدا کی ذرا) نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو (فوراً) بجالاتے ہیں۔

فرشتوں کے تمثل بشری کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ حضرت جرائیل کس طرح حضرت مریم کے سامنے تمثل بشری میں آئے، کس طرح یہ مہمان بن کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے یہ بھی قرآن مجید میں ہے۔

جو شخص جنات اور فرشتوں کے وجود خارجی سے انکار کرے وہ بالآخر اللہ رب العزت کا بھی انکار کرے گا کیونکہ یہاں عام انسانی آنکھ سے تو نظر وہ بھی نہیں آتا۔ سو یاد رکھئے کہ متقین وہ ہیں جو غیب کی ان حقیقتوں کو جن کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے، بن دیکھے مانتے ہیں۔

جنات بھی کبھی تمثل بشری میں ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے بھی جسدِ بشری میں ظاہر ہوتے ہیں ارواح بھی کبھی تمثل بشری میں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ رجال غیب مختلف طریقوں اور مختلف راہوں سے کبھی انسانوں کی مدد کو بھی پہنچتے ہیں لیکن یہ سب امر ربی سے ہوتا ہے۔

فرشتوں یا جنات کے پاس الٰہی قدرت کی چابیاں نہیں ہیں۔

(۳)وہ انسان.. جو اپنی روحانی قوت سے کبھی تن مثالی میں ظہور کرتے ہیں اور پھر کبھی عام لوگوں کو بھی چلتے پھرتے مل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ذمہ کچھ خدمات بھی لگائی ہوتی ہیں۔ راہ بھٹکے مسافروں کو رستہ بتانا، رستوں کے کسی خطرے سے لوگوں کو ہٹانا، جہاں انسان دشمن قوتیں کسی گھات میں بیٹھی ہوں بعض خوش قسمتوں کو ان سے بچانا۔ اس قسم کے کام ان کے سپرد ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام جس صورت میں ملے رجال الغیب کے عمل بھی کچھ ان سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

رجال الغیب اپنے طور پر ظاہر ہوتے ہیں، یہاں کے انسانوں کو خود ان کی تلاش میں نکلنے کی ضرورت نہیں۔ کئی لوگ اس راہ کے لوگوں کی تلاش میں بڑے بڑے وہمات کا شکار ہوئے، صحت مند دماغ کے لوگ کبھی ان کی تلاش میں نہیں نکلتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے ایسے حضرات تھے جو امر الٰہی کے تابع چلتے ہیں۔ ان کا حضرت خضر کی تلاش میں نکلنا ایک امر الٰہی سے تھا۔ عام لوگوں کو ان سے درپے ملاقات نہ ہونا چاہئے اور اگر کوئی شخص بلا وجہ اپنے آپ کو رجال الغیب کے پردے سے آواز دے تو مومن لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا فائر کر کے اسے ٹھنڈا کر دے۔

(۱۷)...صبر وعفو

راہ طریقت کے مسافروں کو صبر وعفو کے مقامات پر پورا قابو ہونا چاہئے، کینہ اور انتقام درویشوں کی راہ نہیں یہ دنیا پرستوں کا بہت گھناؤنا کھیل ہے جس میں لوگ دوسروں کو ناحق قتل کرنے، ان کے اموال لوٹنے اور ان کو بے آبرو کرنے سے بھی ذرا گریز نہیں کرتے۔ دائرۂ تصوف میں آنے والے بڑے جتنوں سے اس آگ کو بجھاتے ہیں اس کے لیے بہترین راہِ عمل صبر اور عفو کے مقامات کو سمجھنا ہے۔ اسلام بدلہ لینے سے نہیں روکتا لیکن اس بات سے سختی سے روکتا ہے کہ تم جوابی کاروائی میں کہیں حد سے آگے نکل جاؤ۔ قرآن کریم میں ہے کہ:۔

وان عاقبتم فعاقبوا بِمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصبرين (پ ۱۴، النحل: ۱۲۶)

ترجمہ: اگر تم بدلہ لینے پر آؤ تو اتنا ہی کرو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا،
اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی اچھی بات ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ صبر کی اصل یہی ہے کہ بدلہ لینے کی پوری قدرت ہو پھر انسان صبر سے کام لے تو اس کا صبر اس کی قوت کی مناسبت سے اپنا مقام بنائے گا۔ سو صبر کرنے والوں کے بھی اپنے اپنے مقامات ہیں۔

صبر کے ساتھ عفو کی سرحد ملتی ہے صبر کرنے والا اگر معاف ہی کردے تو یہ صبر کا بہت اُونچا مقام ہے۔ معاف کرنے والا یہ بھی سوچتا ہے کہ اگر میں اس کے قصور سے درگزر کروں تو یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ رب العزت ہی میری ان غلطیوں سے درگزر فرمائے۔ خدا کی طرف یہ دھیان کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے، مقام احسان ہے۔ سو مقام عفو اپنانے والوں کو مقام احسان پانے کی بشارت دی گئی۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللّٰہ یحب المحسنین

(پ:۴، آل عمران:۱۳۴)

ترجمہ: اور غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے۔ اور اللہ تعالیٰ مقام احسان میں آنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

بے بسی سے ہتھیار ڈالنے کو صبر نہیں کہتے اور نہ احسان جتانے والے کو معاف کرنے والا کہا جاسکتا ہے صبر وعفو کے اپنے اپنے مقامات ہیں۔ صرف وہی لوگ صبر کرنے والے شمار کئے جا سکتے ہیں جنہیں انتقام لینے پر پوری قدرت ہو اور مواقع بھی حاصل ہوں اور اگر وہ انتقام لے تو شریعت نے اس کا دروازہ بند نہیں کیا وہاں دربار طریقت میں کینہ رکھنے والے کو کبھی باریابی نصیب نہیں ہوتی۔

(۱۸)...تکبر اور تواضع

تکبر بڑا بننے کا نام ہے، بڑا اپنے آپ کو بڑا کہے تو یہ کوئی بڑائی نہیں (بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے) چھوٹا اپنے آپ کو بڑا سمجھے تو یہ تکبر ہے۔ اللہ کے حق میں یہ کوئی بڑائی نہیں وہ متکبر و جبار ہے اور بڑائی اسے ہی زیبا ہے لیکن بندے کا بڑا بننا اس کے مقام

عبدیت (بندہ ہونے) کے خلاف ہے۔مخلوقات میں سب سے بڑی اور اونچی ہستی حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ہے، آپ نے زندگی بھر بڑائی کا کبھی دم نہیں مارا۔ دوسرے بندوں کے ساتھ اور ان کے سامنے اللہ کے حضور زمین پر سر رکھ دیا۔ بدن انسانی میں سب سے زیادہ عزت کی جگہ کون سی ہے؟ سر! اور وہ ہر ایک کا اللہ کے حضور جھکا ہوا ہے، مقام عبدیت سجدے میں اپنے کمال پر دکھائی دیتا ہے اور اس میں انبیاء و اولیاء بھی دوسروں کے ساتھ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہیں۔

تکبر کے مقابلے کا لفظ تواضع ہے اور تواضع بڑے کا اپنے آپ کو کسی چھوٹے پیمانے میں اتارنا ہے۔کوئی چھوٹا اپنے آپ کو چھوٹا کہے تو یہ کوئی عاجزی نہیں نہ یہ تواضع ہے۔کوئی بڑا اپنے آپ کو کسی چھوٹے فصل پر لائے تو یہ واقعی تواضع ہے۔

تواضع ز گردن فرازاں نکواست

گدا گر تواضع کند خوے او است

ترجمہ: بڑے لوگوں کا تواضع کرنا واقعی ایک نیکی ہے، گدا اگر تواضع کرتا ہے تو یہ اس کی ایک عادت ہے۔

تواضع جھوٹ بولنے کا نام نہیں یہ ایک کیفیت ہے جو بندہ خود اپنے اوپر وارد کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے نوع بشر میں انبیاء کرام کو بڑا شرف اور مقام بخشا اور وہ تمام بنی نوع انسان کے سردار ٹھہرے، سو پیغمبر اگر اپنے آپ کو کسی قدر مشترک پر لائے تو یہ اس کی تواضع ہے۔مگر یہ جھوٹ نہیں ہوگا، پیغمبروں نے اگر اپنے آپ کو کہا کہ ہم بھی اِنسان ہیں تو وہ اپنے آپ کو دیگر ابنائے آدم کے ساتھ ایک مشترکہ سطح پر لے آئے تو اس سے یہ نہ سمجھا جاسکے گا کہ اب وہ انسان نہیں رہے، ابنائے جنس کا کسی بڑے درجے پر آنا ان کے پہلے پیمانے کو توڑنا نہیں لیکن اگر وزیر کہے کہ میں وزیر نہیں ہوں تو ایک جھوٹ شمار ہوگا یا اُس کے کوئی مجازی معنی لینے پڑیں گے ہاں اگر وہ یہ کہہ دے کہ میں اس ملک کا ایک باشندہ ہوں تو یہ بے شک ایک تواضع ہوگی کہ اس نے اپنے امتیازی مقام کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ایک مشترک مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔

عام لوگ عاجزی سے بات کرنے کو یا ادب و احترام اختیار کرنے کو تواضع کہتے

ہیں، عام کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا تواضع والا ہے، بات یوں نہیں تواضع اپنے اخلاقی نظام میں اپنے آپ کو قدر مشترک پر رکھنا ہے۔ یہ لفظ اپنی حقیقت میں لفظ تکبر کا متقابل ہے۔ دونوں لفظ آمنے سامنے رکھ کر ان کو سمجھا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ دوسرے کے سامنے اپنے ارادے سے آواز کو اونچا کرنا تکبر ہے اور پست آواز سے بات کرنے میں تواضع اور عاجزی ہے۔

(۱۹)...مساوات

یورپ اور امریکہ میں جمہویت کا لفظ عام ہے، نظام جمہوریت میں اقلیت دب کر رہ جاتی ہے اور ان کے لیے سوائے اکثریت والوں کی ماتحتی کے اور کوئی راہ عمل رہ نہیں جاتی لیکن مساوات کا لفظ کسی کو برتری کا مقام نہیں دیتا۔ انسانوں کے بنیادی حقوق سب برابر ہیں اور اسی مساوات سے ہر انسان کو اس زمین پر کھانے، رہنے اور بیمار ہو تو علاج کرانے اور ترقی کے مواقع لینے کا پورا حق حاصل ہے۔ معیار زندگی میں کوئی کتنا بڑھ جائے لیکن ضروریات زندگی پر سب کا برابر کا حق ہے۔

تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو نسل، رنگ اور پیسے میں ایک دوسرے پر فضیلت نہیں۔ سب سے زیادہ عزت کے لائق وہ ہے جو زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔ یہ نسلیں اور خاندان صرف تعارف کے لیے ہیں۔

> یا أیھا الناس انا خلقناکم من ذکر و أنثی وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان أکرمکم عند اللّٰہ أتقکم ان اللّٰہ علیم خبیر.

(پ:۲۶، الحجرات:۱۳)

> ترجمہ: اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

(۲۰)...اخوت

پھر ان تمام انسانوں میں جو مومن ہیں وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انہیں آپس

میں جوڑے رکھو کبھی ان میں تفرقے نہ ڈالو۔

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم و اتقوا اللہ لعلکم ترحمون (پ:۲۶، الحجرات:۱۰)

کیا تم مسجدوں میں نہیں دیکھتے کہ سب مسلمان امیر و غریب، گورے اور کالے سب ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ جب یہ منظر قائم ہوتا ہے تو اللہ کے نام کی تکبیریں گونجتی ہیں امام سب کی طرف رخ پھیر کر سب کو السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہتا ہے، دائیں اور بائیں ایک سا سلام کہتا ہے۔

بندوں میں ذات کی تقسیم ایک الٰہی فیصلہ مانا جاتا ہے۔ انگریزوں میں گورے اور کالے کی تقسیم ایک اصولی فاصلہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت خاتم النبیین ﷺ نے جاہلیت کی ہر آواز اپنے پاؤں کے نیچے روند دی۔ ہم اس پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ بعض عربوں میں پھر یہ احساس جاگ اٹھا ہے کہ ہم اونچے درجے کے مسلمان ہیں اور عجمی مسلمانوں کو وہ اپنے برابر کا نہیں سمجھتے، زمیندار کسانوں کو ایک جیسا نہیں سمجھتے اور امیر غریبوں کو اپنے جیسا نہیں سمجھتے۔

تاہم اللہ تعالیٰ کا اہل طریقت پر بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ ان کے ہاں اب بھی مساوات اور اخوت کے یہ دونوں احساسات زندہ اور باقی ہیں۔ آج بھی ہماری تہذیب میں یہ سانحہ موجود ہے کہ ایک شہر میں ایک ہی عقیدہ کے دو بڑے عالم آپس میں ایک ہو کر نہیں رہ سکتے لیکن راہ طریقت کے مسافر آج بھی ایک خانقاہ میں ایک مراقبے میں بیٹھ سکتے ہیں۔

تبلیغی محنت میں بھی آپ امیر و غریب، کالے اور گورے، چھوٹے اور بڑے مسلمانوں کو یکساں گردش کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اسلامی مساوات و اخوت کا ایک دل آویز نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔

جس طرح مساوات ایک وسیع دائرہ کو شامل ہے اس میں تقریباً سب بنی نوع انسان آجاتے ہیں، اخوت اس میں ایک اندرونی امتیاز ہے۔ یہ صرف ان لوگوں کو محیط ہے جو ایک نظریہ زندگی رکھتے ہوں۔ اسلام میں وہ لوگ جو حضور ﷺ پر ایمان لائے اور انہوں نے حضور ﷺ کی جملہ تعلیمات کو حق جانا اور مانا۔ قرآن کریم میں وہ سب ایک دائرہ اخوت میں جمع قرار دیئے گئے۔

انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم (پ: الحجرات: ۱۰)

دائرہ اخوت اتنا پیارا ہے کہ حضورﷺ نے خود بھی اپنے آپ کو اس میں شامل قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ بعض لوگوں نے انتہاءِ عقیدت میں آپ سے سجدۂ تعظیم کی اجازت چاہی آپﷺ نے انکار فرمایا اور کہا اکرموا اخاکم اپنے بھائی کی عزت کرو۔ اخوت کا حق اکرام ہے بدنی تعظیم نہیں۔ بدنی تعظیم (جیسے سجدہ) یہ کسی مخلوق کے لیے نہیں اس سے عبادت کا دھوکہ ہوتا ہے۔

ہو جس پہ عبادت کا دھوکہ مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

اہل طریقت میں اس دائرہ اخوت میں کچھ خصوصی دائرے بھی بنتے ہیں۔ ایک شیخ کے مختلف مریدین آپس میں پیر بھائی سمجھے جاتے ہیں اور شیخ کو اپنا روحانی باپ سمجھتے ہوئے اس کے پیر کو دادا پیر کہہ دیتے ہیں۔ اہل طریقت کی مجلسوں میں یہ الفاظ عام سننے میں آتے ہیں۔

(۲۱)...نسبت

طریقت کے حلقوں میں نسبت کا لفظ بھی عام سننے میں آیا ہے۔ جس طرح دنیا کی وراثت نسب سے ملتی ہے اللہ کے قرب کی منزلت نسبت سے ملتی ہے۔ دنیا میں اللہ والوں سے اسلامی تعلق قائم کرنے کو نسبت کہتے ہیں۔

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک کیوں اڑا دی
اسے نسبت ہوگئی تھی ترے سنگ آستاں سے

کتے کے گلے میں بھی پٹہ ہو تو اسے کوئی زہر نہیں ڈالتا کہ اس کی کسی سے نسبت ہو چکی ہے، جو اپنے دینی اعمال میں کسی کی نسبت کا پٹہ ڈال لیتے ہیں وہ بے راہ روی سے، آوارگی سے اچھی طرح بچ جاتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ اصطلاحات تصوف میں بھی اس پر کچھ مزید بحث کریں گے انشاء اللہ العزیز۔

(۲۲)...خلق وکسب

یہ دنیا اچھی بری چیزوں سے بھری ہے، یہاں انصاف پسند اور ظالم، صالح و طالح اور

عالم و جاہل ہر طرح کے لوگ آباد ہیں۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ ہوئے تو نمرود اور فرعون و ہامان اور شداد بھی یہیں پیدا ہوئے۔ رنگا رنگ کی یہ سب مخلوق ایک خالق کی مخلوق ہے، پیدا کرنے والا ایک ہے، بندے جو عمل کرتے ہیں ان اعمال کے بھی وہ خود خالق نہیں نہ وہ ان کے پیدا کرنے والے ہیں، وہ جس طرح تمام انسانوں کا ایک خالق ہے ان سب کے اعمال بھی صرف اُس ایک کی تخلیق ہیں۔ وہ اعمال کے کاسب ضرور ہیں مگر ان کے خالق نہیں، خالق تمام اجسام و اعراض کا وہ ایک ہی ہے۔ ان آیتوں کو پہلے الگ الگ سمجھ لیں:۔

ا ... **قل اللّٰہ خالق کل شیئ وھو الواحد القھار**

(پ:۱۳، الرعد:۱۶)

ترجمہ: کہو! اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔

۲ ... **قال أتعبدون ما تنحتون واللّٰہ خالقکم و ما تعملون**

(پ:۲۳، الصفات:۹۶)

ترجمہ: ابراہیمؑ نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے اعمال کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ ان بتوں کو بھی تخلیق اللہ ہی سے ملی ہے، خالق صرف ایک ہی ہے تم نے اِنہیں خود نہیں تراشا یہ تمہارا کسب ہیں۔ تمہارے اعمال بھی اسی کی تخلیق ہیں تم جو کرتے ہو وہ صرف کسب ہے خلق نہیں۔ خالق ہر چیز کا وہی ایک ہے۔

۳... **وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم**

(پ:۲۵، الشوریٰ:۳۰)

ترجمہ: اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی) ہے۔

۴... **ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم** (پ:۱۱، البقرہ:۲۲۵)

ترجمہ: اور پھر دار و گیر فرما دیں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے۔

۵... **و وفیت کل نفس ما کسبت وھم لایظلمون**

(پ:۴، آل عمران:۲۵)

ترجمہ: اور (اس تاریخ میں) پورا پورا بدلہ مل جائے گا ہر شخص کو جو کچھ
اس نے (دنیا میں) کیا تھا اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تخلیق میں (پیدا کرنے میں) کوئی شر کا پہلو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کو روشنی دینے والا ہے اللہ نور السمٰوات و الارض. نور خود ظاہر ہو کر اوروں کو ظاہر کرتا ہے۔ تخلیق سے پہلے نیک و بد کے احکام کسی چیز پر نہیں لگتے۔ جب روشنی دینے والا کسی چیز کو پیدائش بخشے (تخلیق فرمائے) تو پھر اس کی پیدا کردہ چیزوں پر نیک و بد کا حکم لگتا ہے پیدا کرنے کا عمل ان اشیاء سے پاک ہے۔ ہم یہاں چیزوں کو ان کے رنگوں اور اجسام سے پہچانتے ہیں لیکن رنگ رنگ کب کہلاتا ہے؟ جب فضا میں روشنی ہو تو، روشنی آتی ہے کالی اور سفید چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ منور السمٰوات والارض ہے، جب اس نے آسمانوں اور زمین کو روشنی بخشی تو پھر مخلوق میں نیک و بد کی تمیز ہوئی۔ سو ہم جب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو یہ جان لیجئے کہ کائنات کو اور کائنات کی ہر چیز کو اسی نے ظہور بخشا ہے۔ تخلیق کے بعد ہی اشیاء کو اُن کے نام ملتے ہیں۔ انسان کے اعمال بھی پھر ہی اچھے اور برے کی تمیز میں آتے ہیں اور بندہ خیر و شر کے اکتساب میں ذمہ دار ہے گو وہ خود کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا۔ تخلیق کے باعث اللہ تعالیٰ کا ہر مخلوق سے وہ نمرود ہو یا حضرت ابراہیمؑ، فرعون ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک تعلق تخلیق ہے اور وہ تخلیق ہی ہے کہ ہر ایک چیز کو وجود اسی سے ملا ہے اور اس کی صفات کے ظہور نے تمام کارخانہ کائنات کو چلا رکھا ہے۔

على حسب الاسماء تجرى امور هم
و حكمة وصف الذات للحكم اجرت

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہے یہ جو ان کے کام چل رہے ہیں
اور ذات باری کی حکمت احکام میں جاری و ساری ہے۔

جس اسم الٰہی کا ورد کریں گے اسی کی نعمتیں پائیں گے۔ یا شافی کہیں گے تو شفاء کا ظہور ہوگا۔ علامہ صدر الدین القونویؒ (۶۷۲ھ) فرماتے ہیں یہ جو کبھی تجلیات نظر آتی ہیں یہ انہی اسمائے حسنیٰ کی تجلیات ہیں:۔

هذه التجليات هي تجليات الاسماء

اسم رزاق کا ورد کریں گے تو رزق میں برکت ملے گی۔ اسم کریم کا ورد ہوگا تو اللہ کی شان کریمی تجلی فرمائے گی۔ یا منتقم کہیں گے تو دشمن پر اس کا عذاب بھڑکے گا۔ اس کے جلالی اسماء کے ذکر سے سالک خود اپنے اندر ایک حرارت محسوس کرتا ہے۔

تمام بندوں کے اعمال اسی کی مخلوق ہیں۔ اس نے ہر عمل کو افاضہ وجود بخشا ہے۔ حضرت امام بخاری نے کتاب ''خلق افعال العباد'' اسلام کے اسی عقیدہ توحید پر لکھی ہے پہلے کچھ نہ تھا ہم عدم ہی عدم تھے۔ افاضۂ الٰہی سے ہم وجود میں آئے، وجود کہاں اترا اسی عدم پر۔ موت میں زندگی آئی، عجز میں قدرت کی جھلک آئی، جمود میں ارادہ نمایاں ہوا، جہل پر علم کی تجلی اتری اور سکون میں حرکت آئی سو واجب الوجود وہی ایک ہے۔ حیات اور قدرت علم اور ارادہ اور مخلوق میں حرکت سب اسی کی عطاء ٹھہری۔

بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ اس کا کسب ہے اس کسب میں ہی اس پر مشقت اور لذت کی راہیں کھلیں، مشقتوں میں وہ تکلیف سے دوچار ہوتا ہے اور لذتوں میں وہ راحت اور مزے پاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں مشقتیں اسے اچھے انجام تک پہنچاتی ہیں اور نفس کی بے جا لذتوں سے وہ برے انجام کی طرف آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی کنجی صرف اپنے ہاتھ میں رکھی، ہر بندے کو اس نے کسب کی مشقتوں اور لذتوں سے آشنا کیا اور اسی پر ان کے اچھے یا برے انجام کو مرتب فرمایا۔ موت پر حیات اسی طرح اتاری اور ہر چیز کو افاضہ وجود بخشا۔ مرنے کا ذکر پہلے ہوا کہ پہلے ہم عدم ہی عدم تھے پھر ہمیں وجود ملا۔

خلق الموت والحیٰوۃ لیبلو کم ایکم احسن عملاً

(پ:۲۹، الملک)

ترجمہ: اس نے موت اور حیات کو تخلیق بخشی تا وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔

راہِ طریقت کے مسافروں کو عقیدہ توحید میں اس مقام پر آنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے کاموں میں کبھی اپنے آپ کو خود مختار نہ سمجھیں اور نہ کبھی اس ارادے پر آئیں کہ ہم جو چاہیں کر سکیں۔

(۲۳)...توجہ

مجالس سلوک میں توجہ کا لفظ بھی عام سنا جاتا ہے اور نو وارد لوگ اس کے معنی مراد کو نہیں پہنچتے۔ کبھی اس سے (۱) سالک کی اپنی توجہ (۲) کبھی شیخ کی توجہ، پھر کبھی (۳) ظاہر کی توجہ (۴) کبھی باطن کی توجہ (۵) کبھی کائنات خداوندی میں عجائب وغرائب کی طلب (۶) کبھی کشف کرامات پر توجہ (۷) کبھی عالمِ غیب پر توجہ اور ہاتف کی آواز کا سننا۔ یہ توجہ کی مختلف قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کائنات کے مظاہر قدرت پر بھی غور کرنے کا حکم دیا ہے۔

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف الّیل والنهار میں بتلایا کہ ان چیزوں میں اہل دانش کے لیے بڑے بڑے نشان ہیں، کوئی شخص بھی اپنی پوری توجہ سے ان مظاہر پر غور کرے اور اپنی پوری توجہ ان پر باندھ لے تو وہ اپنے اندر ایک روشنی اترتی محسوس کرے گا۔

اشراقیوں نے اس راہ سے اپنے اندر ایک نور اترتا دیکھا۔ کئی ہندو جوگیوں نے بھی تجرد میں ان پر توجہ باندھنے سے اپنے اوپر ایک اترتا گیان دیکھا۔ اسلام میں اس روشنی کو جو بلاواسطہ رسالت سے ملے کوئی وزن نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا نور وہی ہے جو بواسطۂ رسالت کسی قلبِ مومن میں اترے۔

سالک کا کسی شیخ کے بتلانے سے مظاہر فطرت پر توجہ باندھنا یا اپنے قلب پر توجہ کر کے اللہ کے ذکر کو اس میں اتارنا یہ سالک کی اپنی توجہ ہے اس میں شیخ اس کی تربیت کرتا ہے۔

عبادت میں توجہ ایک اللہ کے سوا اور کسی پر نہ باندھی جائے، عبادت شروع سے لے کر انتہاء تک صرف اللہ کے حضور میں ہو۔ اس میں اللہ سے توجہ ہٹا کر اسے اپنے کسی بزرگ یا پیر مرشد پر جما دینا عقیدہ توحید کے لیے بڑی آفت ہے۔ صرف ہمت کی بحث ہم انشاء اللہ تصوف کی اصطلاحات میں کریں گے۔

۲۔ توجہ شیخ مرشد کی وہ توجہ ہے جو وہ اپنے ذکر سے سالک کے دل پر اُتارتا ہے۔ مرشد کا اپنے مریدین کے لیے دعا کرنا بھی توجہ شیخ ہے۔ شیخ اپنے مریدوں پر اجتماعاً اور انفراداً بھی اپنی توجہ ڈالتا ہے اور یہ چھوٹوں پر توجہ باندھنا ہے یہ ان کی تعظیم کا سبب نہیں بنتا۔ اس کی

بجائے اپنے شیخ پر توجہ باندھنا یقیناً ایک تعظیم پیدا کرنا ہے۔ سو اللہ کی تعظیم کرنا اور اس میں کسی اور کی تعظیم شامل کرنا یہ ایمان کے لیے ایک بڑی آفت ہے۔

آنکھ، کان اور منہ بند کر کے اسم ذات کا مراقبہ ایک باطن کی توجہ ہے تو نماز میں تکبیروں کی گونج اس کی طرف ظاہر کی توجہ ہے۔ ہر انسان کو کارخانہ قدرت میں عجائب و غرائب دیکھنے کی بہت طلب رہتی ہے۔ اہل طریقت کی مجلسوں میں کبھی کچھ عجائب و غرائب بھی سامنے آجاتے ہیں اور کبھی سالکین کشف و کرامات پر توجہ کئے ہوتے ہیں، سالک ان کی طلب میں نہ جائے۔

یہ امور سالک کے لیے رستے کی منزلیں ہیں۔ عرفان کی دولت صرف رضائے الٰہی کی طلب اور سنت کے عمل میں ہے، یہ ضمنی امور بعض اوقات سالک کے لیے بڑا خطرہ بن جاتے ہیں۔ ان امور کا کشف خود بخود ہو جائے تو یہ بے شک نشانِ قبولیت ہے لیکن سالک خود ان کے درپے نہ ہو۔ ہاتف کی آوازیں کبھی ارواحِ خبیثہ کی طرف سے بھی اُٹھتی ہیں سو ان میں دل لگانے والا ہر وقت خطرات میں گھرا رہے گا، ہاں آواز پہچانی جائے جیسا کہ حضرت ساریہ نے حضرت عمر کی آواز پہچان لی تھی تو اس میں کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ معرفتِ الٰہی اور عرفان باری باطن میں محدود نہیں۔ حضور ﷺ جو ہر وقت اللہ کی حضوری میں ہوتے تھے، دن کو بھی اپنے بہت سے کام کرنے ہوتے تھے تو کیا آپ ﷺ اپنے اس ظاہر میں اپنے مقامِ عرفان سے نیچے اترے ہوتے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں، آپ کے لیے ہر صبح کی گھڑی کے بعد کی گھڑی پہلے سے بہتر ہوتی تھی۔ وللآخرة خیر لک من الأولی. تاہم فرمایا:۔

ان لک فی النہار سبحا طویلا و اذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا (پ:۲۹، المزمل)

ترجمہ: بے شک آپ کو دن میں بہت سے کام کرنے ہوتے ہیں، آپ اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور سب سے ہٹ کر اسی کی طرف توجہ باندھے رکھیں۔

ہاں باوجودیکہ آپ ﷺ ہر لحہ خدا کی طرف توجہ باندھے ہوتے ہیں آپ ﷺ پر کچھ خاص اوقات بھی آتے تھے کہ جس میں آپ یہاں کی ہر چیز سے اس طرح ہٹتے کہ اس

دوران کوئی فرشتہ بھی آپ کے آگے پر نہیں مار سکتا تھا، نہ کسی نبی مرسل کو کوئی بازیابی ملتی۔ اہل تصوف آپ کی ایک حدیث اس طرح نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی قلت یوخذ منہ انہ اراد بالملک المقرب جبرائیل و بالنبی المرسل نفسہ الجلیل و فیہ ایماء الی مقام الاستغراق باللقاء المعبر عنہ

(الموضوعات الکبیر ص: ۱۰۲)

ترجمہ: مجھے خدا کے ساتھ کبھی ایسا وقت بھی ملتا ہے کہ اس وقت میرے پاس میرے رب کے سوا کوئی نہیں ہوتا (شرح) اس روایت میں ملک مقرب سے مراد حضرت جبرائیلؑ اور نبی مرسل سے آپ ﷺ کی اپنی ذات مراد ہے اس میں آپ ﷺ کے مقامِ استغراق کی طرف اشارہ ہے جس کی تعبیر باللقاء ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ باطنی منزلیں یا کشف و کرامات کا ظہور ہرگز اس راہ کی منازل عالیہ نہیں، یہ صرف ضعف ایمانی کو دور کرنے کی منازل آلیہ ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

آثار و کشف نچلے مرتبے کی چیزیں ہیں یہ صرف ضعف ایمانی کو دور کرنے کے لیے ظاہر کی جاتی ہیں جب علم صحیح قائم ہو اور ایمان مضبوط ہو تو پھر ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی (مکتوبات شریف دفتر)

(۲۴)...صحبتِ کاملین

اہل طریقت کی مجالس میں صحبت کا لفظ بھی عام زیر بحث آتا ہے اور مشائخ سالکین کو ہمیشہ اللہ والوں کی صحبت میں آنے اور باقاعدگی سے ان میں وقت لگانے کی تعلیم دیتے ہیں اس پر پھر تزکیہ کی بہار آتی ہے۔

قرآن کریم میں سالک کو کاملین کی صحبت میں رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ا... یا أیھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین

(پ: ۱۱، التوبہ: ۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم تقویٰ اختیار کرو اور صادقین (سچوں) کے ساتھ رہو۔

اگر کبھی بے سمجھی میں ان کی مجلس میں چلے گئے تو جب انتباہ (پتہ چلے) ہو پھر ان کے پاس نہ بیٹھا کرو۔

۲... واما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین (پ: ۷، الانعام: ۶۸)

ترجمہ: اور اگر تمہیں شیطان بھول میں ڈال دے تو سمجھ آجانے کے بعد تم ہرگز برے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

وہ عقیدہ میں برے ہوں یا اخلاق میں یا عمل میں، وہ اس لائق نہیں کہ تم ان کے ہم مجلس رہو۔

۳... واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم (پ: ۱۵، الکھف: ۲۸)

ترجمہ: تو اپنے آپ کو انہی لوگوں کے ساتھ لگائے رکھ جو صبح شام اپنے رب کی عبادت اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور تیری آنکھیں ان لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔

''تمہاری ان پر آنکھ رہے'' بہت معنی خیز جملہ ہے۔ وہ آپ کے ساتھ نہ ہوں تو بھی آپ ﷺ کو اس طرح ان کا دھیان ہوتا تھا جیسے نماز میں آپ قبلہ رخ ہو کر بھی اپنے پیچھے کھڑے ہونے والوں کو دیکھ پاتے تھے۔

۴... حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا:۔

لا تصاحب الا مومناً ولا یاکل طعامک الا تقی (رواہ الدارمی)

ترجمہ: تم انہی کے ساتھ بیٹھو جو ایمان رکھتے ہوں اور کھانے میں بھی تمہارے ساتھ وہ نہ بیٹھے جو خدا سے ڈرنے والا نہ ہو۔

طالبینِ آخرت اور سالکین راہِ طریقت کو اپنے مشائخ کے ساتھ اعتکاف کی منزلیں گزار کر صحبت کاملین کی منزل ملتی ہے، ان لوگوں میں وقت گزارنے سے اوران کی خدمت کرنے سے ان میں سیر سلوک کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے۔ شیخ کامل بھی ہو مگر اپنی استعداد

نہ ہو تو شیخ کا علمی فیض نہ ملے گا، نہ وہ سلوک کی راہ چل سکے گا گو عقیدہ درست ہو جاتا ہے۔

(۲۵)...معاش و معاد

بزرگوں کی مجالس میں یہ عام تذکرہ سنا جاتا ہے کہ رزق حلال پر اکتفا کرو، مال حرام سے دعا بھی قبول نہیں ہوتی اور اس پر پلنے والی اولاد کبھی تابعدار نہیں ہوتی۔ سو راہِ طریقت کے مسافروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ رزقِ حلال میں شریعت کے احکام کو پوری طرح سمجھیں تا ان کی اس راہ میں محنت اور ریاضت کہیں بے کار نہ رہ جائے۔

انسان کا اس دنیا میں زندہ رہنا اس کا معاش ہے اور پھر لوٹ کر براہِ راست اللہ کے قبضے میں چلے جانا اس کا معاد ہے۔ معاش لفظ عیش (بمعنیٰ زندگی) سے ہے، اسے حیات بھی کہتے ہیں اور معاد کا لفظ عود (واپس ہونا) سے ہے، اسے قرآن کریم میں آخرت بھی کہا گیا ہے۔ اولادِ آدم کی عام گزر اس طرح بیان کی گئی ہے۔

قال فیھا تحیون و فیھا تموتون و منھا تخرجون

(پ: ۸، الاعراف، ۲۵)

ترجمہ: فرمایا اسی زمین میں تم جیو گے اسی میں مرو گے اور اسی میں سے اٹھائے جاؤ گے۔

معاش و معاد کے درمیان ایک پردے کی زندگی ہے، عربی میں اسے برزخ کہتے ہیں:۔

ومن ورآء ھم برزخ الی یوم یبعثون (پ: ۱۸، المومنون: ۱۰۰)

ترجمہ: اور ان کے آگے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

انسان کو اس دنیا کی زندگی میں مکلف (ایک شریعت کا پابند) کیا گیا ہے اور اس کے مومن بہ امور (جن پر اسے سر تسلیم خم کر دینا ہے) غیب میں رکھے گئے ہیں۔ اہل تقویٰ کی شان یہاں یومنون بالغیب بیان کی گئی ہے کہ وہ بن دیکھے غیبی امور پر ایمان لاتے ہیں۔

اب انسان کی اس دنیا میں ساری محنت اسی پر ہے کہ معاش کو درست بنائے زندگی کو قائم رکھنے کے لیے کسبِ معاش کرے، اسباب معیشت شریعت کے مطابق اختیار کرے، اس کے ساتھ ساتھ اسے فکرِ معاد بھی ہو، انجام سے بے خبر رہنا بے وقوفوں کا نشان ہوتا ہے۔

سو اسلام میں اس دنیا کی گاڑی اِن دو پہیوں سے ہی چلتی ہے۔ (۱) کسبِ معاش اور (۲) فکرِ معاد... کسبِ معاش کے لیے شریعت اسے راہیں بتاتی ہے اور فکر معاد کے لیے طریقت اس پر اپنی راہیں کھولتی ہے۔

عبادات کا نقشہ شریعت سے ملتا ہے اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ طریقت سے ابھرتا ہے۔ شریعت اور طریقت میں کوئی نسبت تباین نہیں، ایک ہی دریا کے دو کنارے ہیں۔

اس دنیا میں بدمعاش کون ہے؟

لوگ اس دنیا میں غنڈے اور ڈاکو کو ہی بدمعاش کہتے ہیں، ایسا نہیں دنیا میں ہر وہ شخص جس کا کسبِ معاش درست نہیں وہ بدمعاش ہے اور جس کا کسبِ معاش کسی دوسرے پر ظلم نہیں وہ نیک معاش ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا رازق ہے اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر یہ کہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا ویعلم مستقرھا و مستودعھا کل فی کتاب مبین (پ:۱۲، ھود:۶)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ نہ لے رکھا ہو، وہ جانتا ہے کہاں اس کا ٹھہرنا ہے اور کہاں اس کا لوٹنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی کل پیداوار اپنے بندوں کے لیے نکالی اور اُگائی، زمین سے نکلا تیل ہو یا دھاتیں اور اُگی پیداوار اناج، سبزیاں ہوں یا پھل سب انسان کے لیے پیدا کیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعا (پ:۱، البقرہ:۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے۔

سو کل اشیاءِ عالم کل بنی نوع انسان کی ضرورتیں پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ اب اگر خدا کی پیداوار کل انسان کی ضرورتیں پوری نہیں کرتی تو یقین کیجیے غلط عمل کے کئی ایسے گوشے ہیں جنہوں نے ظلماً خدا کے اس دیئے ہوئے رزق کو خدا کے بندوں سے روک رکھا ہے۔ سو جن کے ذخیرہ معاش میں کچھ حصہ ظلماً آیا ہو ان میں سے ایک بھی نیک معاش نہیں ایسے سب لوگ بدمعاش ہیں۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اس آیت پر لکھتے ہیں:۔

جملہ اشیاءِ عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خلق لکم ما فی الارض جمیعا تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شئ فی حد ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں بلکہ ہر شئ اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کے لیے مخلوق ہے۔ ہاں بوجہ رفع نزاع و حصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تلک کسی شئ پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست اندازی نہیں کرسکتا، ہاں خود مالک اور قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کردے کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مال کثیر، حاجت سے بالکل زائد جمع کرنا بہتر نہ ہوا۔ گو زکوٰۃ بھی ادا کردی جائے اور انبیاء و صلحاء اس بعاوت سے مجتنب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہ و تابعین وغیرہم نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمادیا۔ بہر کیف غیر مناسب، خلاف اولیٰ ہوئے ہیں تو کسی کو کلام نہیں۔ (ایضاح الادلہ ص ۲۶۸)

بدمعاش دوسرے لوگوں کا حق کیسے سمیٹتے ہیں؟ ان کے ہر طریقے سے نیک معاش لوگوں کو بچنا چاہیے۔

(۱)۔ ضروریات زندگی کی قیمتیں مارکیٹ قیمت سے بڑھانا اور ان اشیاء کی اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کرنا کہ یہ مارکیٹ میں مہنگی ہوں گی تو انہیں بیچیں گے۔

(۲)۔ اپنے زائد اموال کو اس شرط سے لوگوں کو قرض دینا کہ وہ انہیں ایک مدت کے عوض ایک مقررہ زیادتی دیں گے۔

قرآن شریف میں سود لینے والوں اور دوسروں کے اموال دبا لینے والوں دونوں کو ظالم کہا گیا ہے:۔

یا أیھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین وان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ و رسولہ وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لا تظلمون و لا تظلمون (پ البقرہ ۲۷۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر تم مومن ہو، اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی پر ظلم

کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے (کہ اصل مال بھی تمہیں نہ دے)۔

(۳)۔ ملکی سطح پر ایسے حالات پیدا کرنا کہ زمین کی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور پھر یہ چند لوگ سارے لوگوں کو ان کی ضرورت کی چیزیں ان کے نرخ مارکیٹ ریٹ سے بڑھا کر دیں۔ اس کے کئی طریقے ہیں۔

ا۔ ذخیرہ اندوزی، زمین پر جب فصلیں اُگتی ہیں تو انہیں اپنی سمیٹی دولت کے سہارے سستے داموں خرید کر اس وقت ضرورت مند لوگوں کو مہیا کرنا جب ان کے دام بڑھ چکے ہوں۔ یہ لوگ انہیں پہلے اس لئے نہ خرید سکے تھے کہ ان کے پاس انہیں خریدنے کے لیے وافر دام موجود نہ تھے، وہ اپنی ہر روز کی مزدوری سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے، وہ سرمایہ داران کی اس ناداری کے باعث اب یہ چیزیں انہیں ان کے مہنگے داموں پر دیتے ہیں۔

گندم امیرِ شہر کی ہوتی رہی خراب
بیٹی غریب شہر کی فاقوں سے مر گئی

۲۔ ایک فیکٹری ایک مال تیار کرتی ہے اور اپنی لاگت اور محنت کے پیشِ نظر اس کی ایک مارکیٹ قیمت لگ جاتی ہے مثلاً اس فیکٹری والوں نے کار کی قیمت اس وقت دس لاکھ لگائی اب سرمایا داروں کا ایک گروہ ان سے یہ پوری کاریں خرید لیتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اب انہوں نے اسے کسی کو پرچون بیچنا نہیں ہے۔ اب وہ گروہ اسکی قیمتِ دس لاکھ فی کار ادا کر کے دس ہزار کاریں خرید لیتا ہے اور اس کی قیمت فروخت اسی وقت (ادھار معاوضہ کے ساتھ) ۱۲ لاکھ لگا دیتا ہے اور ضرورت مند لوگ اسے مارکیٹ سے دس لاکھ میں نہیں خرید سکتے، اب وہ ضرورت مند اسے بارہ لاکھ میں خریدنے پر صرف اس لئے مجبور ہوئے کہ دولت جن لوگوں کے ہاتھوں اس طرح سمٹ آئی تھی سرمایا دار اپنے اس فاسد نظام سے لوگوں پر معیشت تنگ کئے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک انہی دولت مندوں کے بارے میں یہ بنیادی ہدایت دیتا ہے کہ یہ چند لوگوں کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے ورنہ انجام یہی ہوگا۔

کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (پ: ۲۸، الحشر: ۷)

ترجمہ: دولت تم میں صرف دولتمندوں کا لین دین ہو کر نہ رہ جائے۔

سو اس طرح دولت کو سمیٹ کر عوام کو ضرورت کی چیزیں گراں قیمت پر دینے والے بھی اس نظام فاسد میں بدمعاش سمجھے جائیں گے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سر انجام پاسکیں۔ یہ اموال محض دولتمندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر رہ نہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں۔

(فوائد القران ص: ۷۰۹)

۳۔ بدمعاش کی ایک تیسری صف ان لوگوں کی ہے جو عوام کو دھوکہ دے کر ان سے ان کی دولت چھینتے ہیں ان کی بھی آگے کئی قسمیں ہیں۔

ا۔ جنات اور جادو نکالنے والے پیشہ ور لوگ

اگر وہ لوگ اندر سے جانتے نہیں کہ ہم لوگوں کو جھوٹ بتلا کر کہ وہ آسیب کا شکار ہیں، اُنہیں اپنا شکار بنائے ہوئے ہیں تو ان سے انہیں جو مال بھی ملے (گو وہ یہ خود اپنی رضا سے انہیں دیں) وہ اپنا پیشہ حرام طور پر بنائے ہوئے ہیں۔ وہ اس طرح (جھوٹ بولنے سے اور دوسروں کو غلط فہمی میں ڈال کر) ان سے مال حاصل کرنے کو معاش بنائے ہوئے ہیں تو یہ بھی نیک معاش نہیں، بدمعاش ہیں۔

۲۔ قرض لینا

قرض اس طرح لینا کہ لیتے وقت اس کی ادائیگی کی نیت نہ ہو، یہ لوگ اپنی چال میں اسے بھی ڈاکے کی واردات بناتے ہیں۔

۳۔ بلاضرورت بھیک اور خیرات مانگنا

بلاضرورت بھیک یا خیرات مانگنا، یہ ذریعہ معاش بھی درست نہیں۔

۴۔ رشوت

اس کی ایک مہذب شکل یہ ہے کہ دوستانہ تحفے کے طور پر لی دی جائے، یہ لین دین بھی درست نہیں گو اس میں رشوت کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ یہ رشوت کا نام چائے پانی رکھے

ہوئے ہیں، اس عنوان سے یہ اسے دفتری کاموں میں ضابطے کا نام بھی دے دیتے ہیں۔

۵۔ دستِ غیب

وہ دستِ غیب جس میں انسان کی اپنی کوئی محنت نہ ہو اس سے دولت بنانا یا کیمیا گری سے لوہے کو سونا بنانا یہ طریقِ حصولِ مال بھی درست نہیں۔ ان ذرائع سے مال بنانے والا بھی کسی درجے میں بدمعاش ہے۔

اسلام میں کسی پیشہ سے نفرت نہیں کی جاسکتی۔ معمار ہو یا بڑھئی، درزی ہو یا دھوبی، موچی ہو یا حجام، لوہار ہو یا سنار، کمہار ہو یا سنگ تراش، قصائی ہو یا نان بائی ہو، ان سے انسان کسب معاش کرسکتا ہے۔ اسلام میں کسبِ اکل حلال باعث عزت ہے اور بدمعاشی وہ کسی پیرائے میں بھی ہو وہ باعث ذلت ہے۔ قادیانی کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ سب نیچی قومیں ہیں مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام میں کوئی پیشہ انسان کی ذات نہیں۔ ہندوؤں میں بھی یہ پیشے نیچی ذات سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی سوچ میں ان مختلف پیشوں سے کمایا مال رزق حلال ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو کسی پیشہ کو اپنانے میں کوئی ذلت محسوس نہ کرنی چاہیے۔

وہ شخص طریقت کی کسی راہ کو عبور نہیں کرسکتا جس کا کھانا، پینا اور پہننا مال حلال سے نہ ہو اس کی دعا اللہ کے ہاں قبولیت نہیں پاتی۔

(۲۶)...قربِ فرائض اور قربِ نوافل

بندے کا اللہ سے سب سے بڑا تعلق بندگی کا ہے۔ بندہ اس درجہ بندگی میں آجائے کہ اس کا اپنا کوئی ارادہ تک نہ رہے، وہ اللہ کے ہاں مردہ بدست زندہ کے درجہ میں ہو، یہ قرب فرائض کا مقام ہے۔ جو اولیاء کرام یہ مقام پالیں وہ اللہ کی ہر طرح کی نافرمانی سے محفوظ ہوتے ہیں۔ جس طرح انبیاء کرام ہر طرح کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، ان سے مقامِ عصمت کبھی اٹھایا نہیں جاتا۔ ہاں اولیاء کرام سے کبھی یہ حفاظت اُٹھا بھی لی جاتی ہے تاکہ وہ توبہ اور انابت سے اللہ کے ہاں اور زیادہ جھکیں۔ یہ ان کی عبدیت میں ترقی کا ایک بڑا راز ہے۔ تاہم بندہ کتنی ترقی پر کیوں نہ آجائے وہ رہتا ممکن الوجود ہی ہے واجب الوجود کی کسی صفت سے وہ متصف نہیں ہو پاتا۔

اس کے نیچے قرب نوافل کا درجہ ہے۔ یہ بندے کو نوافل کی راہ سے ملتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں:۔

لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتٰی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ التی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصربہ (صحیح بخاری ج:۱)

ترجمہ: میرا بندہ مجھ سے نوافل میں برابر بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس پر اپنی محبت ڈال دیتا ہوں پس جب میں اسے اپنا پیارا بنالوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس وہ دیکھتا ہے۔

قربِ نوافل میں بندے کی خدا تک دوڑ ہے اور قرب فرائض میں خدا بندے کی طرف بڑھتا ہے یہاں تک کہ بندے کا کوئی ارادہ باقی نہیں رہتا۔ بعض سالکین خطرات سے بچنے کے لیے قرب فرائض پر ہی رہتے ہیں اور بعض قرب نوافل میں بھی بڑھتے ہیں اور بعض دونوں حالتیں رکھتے ہیں، کبھی ان سے اعمال قرب فرائض کے تحت صادر ہوتے ہیں اور کبھی قرب نوافل کے تحت۔ ان کا اپنا مقام گوایک ہو مقام قرب فرائض یا مقام قرب نوافل لیکن اللہ انہیں روحانی عروج وزوال کی سیر سے بھی گزارتے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جیسے بعض مشائخ اپنے مریدین کو راہ نبوت سے بھی اور راہ ولایت سے بھی ہر ایک کے اپنے حسب حال خدا کی بادشاہی میں داخل کرتے ہیں، ہر ایک کے مناسب حال جس کو جس راہ سے قرب الٰہی میں لانا ہو وہ لے آتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنے مریدین کو راہ ولایت سے اللہ کی بادشاہی میں لاتے تھے۔ حضرت سید احمد شہید کو انہوں نے راہِ نبوت سے یہ سب منزلیں پار کرائی تھی۔

اب سالکین کے لیے یہ بات سمجھنی کچھ مشکل نہ رہی ہوگی کہ ایک شیخ جو کئی سلسلوں کا مجاز ہو اپنے بعض مریدین کو قادری سلسلے کی راہ سے، بعض کو نقشبندی کی راہ سے سلوک کی منزلیں طے کراتے ہیں پھر ان کے ایک حلقہ عقیدت میں ہر سلسلے اور ہر پھول کی اپنی اپنی خوشبو پھیلتی ہے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

(۲۷)...فنا اور بقاء

سالکین اپنے آپ کو جب میت (نہ ہونے) کے درجے میں لے آئیں اور ان کی

میں (انانیت) کسی درجے میں باقی نہ رہے تو وہ فنا میں آگئے۔ اس کے ساتھ ہی اپنے آپ کو وہ جاہل، مضطر، عاجز اور بہرا، اندھا اور گونگا سمجھنے لگے تو وہ پورے طور پر فنا پاگئے۔

رہی جب تک خودی اس کو نہ پایا
جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے

جب اللہ رب العزت نے ان پر صفات ذاتیہ کی تجلی ڈالی تو تجلی حیات نے انہیں ان کی موت سے اٹھایا، تجلی علم نے ان سے جہل کا اندھیرا دور کیا، ارادہ الٰہی سے ان کا اضطرار گیا، تجلی قدرت سے ان کا عجز سنبھلا اور اللہ کے سمیع و بصیر ہونے سے انہیں سننے اور دیکھنے کی صورت ملی اور اس کے صفت کلام سے ان کا گونگا پن جاتا رہا یہ سالکین کے مقامات بقا ہیں۔ سالکین کو مقام فنا میں اترنے سے ہی مقام بقاء کا عروج ملتا ہے۔ کبھی یہ آسمانوں کی بلندیوں پر اُڑتے ہیں اور کبھی انہیں اپنے آپ کا بھی احساس نہیں رہتا۔

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

سو یہ فنا و بقاء سالکین کے مقامات نہیں کہ وہ اس پر ٹھہرے رہیں، یہ ان کے خالات ہیں اور ان پر یہ حالات آتے جاتے رہتے ہیں کبھی یہ سارے عالم سے بے خبر ہوں تو علم صحیح سے انہیں اپنی بے خودی کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ انہیں کسی بات کے غلط ہونے کا علم ہو جائے تو ان کا فنا کا حال انہیں اس غلط علم سے نکال دیتا ہے اور بقاء کا ادراک انہیں صحیح علم پر لے آتا ہے۔ اللہ والے کبھی غلط بات پر ٹھہرتے نہیں اور صحیح بات سے کبھی بھاگتے نہیں، ہر غلط بات سے انہیں فنا میں جانا ہوتا ہے۔ جس طرح بعض صحابہ کہیں سے گانے کی آواز آئے تو اپنے کان بند کر لیتے تھے اور جہاں بھی اندھیرا ہو وہاں روشن ستارے بن جاتے تھے یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم (مشکوٰۃ)

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی تم اقتداء کرو تم راہِ راست پر ہو گے۔

مشکوٰۃ حدیث کی اصل کتاب نہیں اصل کتابوں سے ایک انتخاب ہے، اس حدیث کی قبولیت کے لیے اتنا معلوم ہونا بھی کافی ہے کہ اسے خطیب تبریزی نے اپنے

انتخاب سے مشکوٰۃ میں جگہ دی ہے کسی حدیث کا منتخب ہونا اس کا بھی اپنا وزن ہے۔

حضور ﷺ سے صحابہ پر یہ نور برستا رہا، صحابہ کے بعد تابعین سے یہ نور آگے بڑھتا رہا، تابعین کے بعد اکابر تبع تابعین اس روشنی میں آگے چلے جس طرح شریعت اولاً اعتماد سے اور پھر علم اسناد سے آگے چلے طریقت کے سلسلے بھی فیض باطنی سے آگے چلے۔ شریعت میں محدثین علم اسناد کے واسطے بنے اور طریقت میں اس راہ کے سالکین اپنے سلسلوں میں واسطہ قبض و بسط بنے۔

نا مناسب نہ ہوگا کہ اب ہم آخر میں اہل طریقت کے مسائل و شجرات کا بھی تذکرہ کرتے چلیں۔

(۲۸)...اظہار و استتار

بزرگوں کی مجلسوں میں اگر کہیں کوئی خرق عادت سامنے آجائے تو وہ اکثر اسے چھپا جاتے ہیں اس پر لوگوں کو متوجہ نہیں کرتے۔ اس راہ میں اپنے آپ کو مٹانا اللہ کے مزید قرب میں جانے کا سبب بنتا ہے، یہ وہ نقطۂ امتیاز ہے جہاں نبوت اور ولایت کے اپنے اپنے موقف کا پتہ چلتا ہے۔ نبی اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتا اور اظہارِ نبوت سے پیچھے نہیں رہ سکتا وہ مقام دعوت پر کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔

اہل حق پیرانِ عظام اپنے آپ کو اس مقام پر نہیں لاتے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ اظہار لازمۂ نبوت ہے عمل ولایت نہیں۔ آپؒ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

> ظہور خوارق شرط نبوت است نہ شرط ولایت چہ اظہار نبوت واجب است نہ اظہار ولایت بلکہ ستر و اخفاء دریں مرتبہ اولیٰ است کہ آنجا دعوت خلق است و اینجا قرب حق جل شانہ کہ دعوت را اظہار لازم است و قرب را استتار مناسب است (مکتوبات دفتر سوم مکتوب: ۸۶)

اہل طریقت کی مجلسوں میں اس موضوع کے حالات اکثر دیکھے جاتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں اہل حق پیرانِ کرام اور اہل بدعت میں کھلا فرق نظر آتا ہے۔

(۲۹)...مربی اور مربیٰ

جس طرح تعلیم علماء سے چلتی ہے تربیت مشائخ سے ملتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ میں یہ دونوں باتیں جمع تھیں آپ ﷺ نے اپنے آپ کو معلم بھی فرمایا (انما بعثت معلماً) صحابہ کا تزکیۂ قلب بھی فرمایا اور ان کے مکارم اخلاق کی تتمیم کی، آگے امت میں یہ محنت مدارس اور خوانق میں تقسیم ہو کر ہی چلی۔ تربیت کرنے والے کو مربی کہتے ہیں اور جس کی تربیت ہو اسے مربیٰ کہا گیا ہے۔

مشائخ کرام گو اپنے مریدوں سے بیعت لیتے ہیں لیکن وہ انہیں تاثر یہی دیتے ہیں کہ وہ دراصل اپنے خدا سے توبہ کا عہد کر رہے ہیں۔ سو اس صورت میں مرید بنانا اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف لانا ہی ہے۔ مرید جب سلوک کی منزلوں کی طرف چلتے ہیں تو انہیں مربی اپنا شیخ نظر آتا ہے لیکن جب وہ یہ منزلیں طے کر لیں تو انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ ان کا حقیقی مربی اللہ کی ذات ہے اور اس تک پہنچانے کے لیے یہ مشائخ فقط رستے کے وسائط تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نقشبندیؒ طریقت میں اکیس واسطوں سے وابستہ تھے۔ قادری طریقت میں ستائیں (۲۷) واسطوں سے وابستہ تھے لیکن جب آپ کمالات ولایت کی انتہا پر آئے تو اپنے آپ کو براہِ راست حضور اکرم ﷺ کا مرید پایا۔

> ارادت من بہ اللہ تعالیٰ قبول وساطت نمے نماند چنانچہ گذشت پس من هم مرید محمد رسول اللہ ام صلی اللہ علیہ وسلم وہم ہم پیرایہ پس رو او برا خوان ایں دولت ہر چند طفیلی ام اما ناخواندہ نیامدہ ام و ہر چند تابع ام اما از اصالت بے بہرہ نیم ہر چند اویسی امام مربی حاضر و ناظر دارم ہر چند در طریقہ نقشبندیہ پیر من عبدالباقی است۔ (مکتوبات دفتر ۳ مکتوب ۸۷ھ)

ترجمہ: میری اللہ تعالیٰ سے ارادت میں پردے حائل نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا سو میں حضور اکرم ﷺ کا ہی مرید ہوں اور اس راہ میں

چلنے والے بھائیوں کو میں حضور ﷺ کے پیرو اور مقتدی کے طور پر ہی
ساتھ لئے ہوئے ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ میں طفیلی ہوں لیکن میں بغیر
جانے اسی راہ پر نہیں آیا یہ صحیح ہے کہ میں اپنے ان مشائخ کے تابع
ہوں لیکن میں اس راہ کی اصل سے بے پردہ نہیں رہا ہوں لیکن میرا
مربی وہ رب العزت ہے جو ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔
میں بے شک نقشبندی طریق میں خواجہ عبدالباقی سے بیعت ہوں لیکن
میں اس روحانی تربیت میں اللہ تعالیٰ کی کفالت میں آیا ہوا ہوں
(میری اللہ الباقی سے بیعت انہی حضرت نے کرائی ہے)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیعت میں اللہ اور اس کے رسول کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے۔ جب وہ اپنی سلوک کی منزلیں طے کرے تو اسے محسوس ہو جاتا ہے کہ پیران کرام نے اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیساتھ ہی جوڑا ہے۔ اہل حق پیران کرام کبھی اپنے مریدوں کو گلہ گوسفنداں نہیں سمجھتے اور ان سے وابستگی ہرگز کتاب و سنت کے کسی حکم کے خلاف نہیں۔

شجرہ فقط ان محسنین کا تذکرہ ہے جن کے واسطوں سے اس سالک اور مرید کو قرب الٰہی کی دولت نصیب ہوئی ہے۔

(۳۰)...شجرہ وسلسلہ

آپ نے اہل طریقت کی مجلسوں میں طریقت کے مختلف سلسلوں کے نام تو عام سنیں ہوں گے، ہم آگے انشاء اللہ ان سلسلوں کا پوری تفصیل سے تعارف کرائیں گے۔

سلسلہ ارادت میں حضور ﷺ ہر سالک کی منزل ہیں، مومنین کے تزکیۂ قلب کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذمہ ہی لگائی ہے اب حضور ﷺ تک پہنچنا اور آپ سے تزکیہ کی دولت پانا گو اس میں کتنے ہی وسائط کیوں نہ ہوں سالک کے ایمان کی معراج ہے۔ سو دھیان میں رہے کہ بیعت حقیقت میں حضور ﷺ کی ہی کی جاتی ہے گو ہاتھ شیخ کا ہوتا ہے۔ مشائخ سالکین کو بتا دیتے ہیں کہ ہم صرف درمیانی واسطے ہیں حقیقت میں ان

واسطوں سے ہم تمہیں حضور ﷺ سے جوڑ رہے ہیں۔ سو مشائخ صرف درمیانی واسطے ہیں مرید ان کے ذریعہ حضور ﷺ کی روحانی بادشاہت میں داخل ہوتا ہے۔ شجرہ میں یہاں واسطے کا لفظ آتا ہے تو وہاں ان مشائخ کی اسی حیثیت کا اقرار کرایا جاتا ہے کہ سالکین ان کے واسطے سے حضور ﷺ سے وابستہ رہے ہیں۔

اس امت میں جس کو بھی تزکیہ کی دولت ملتی ہے وہ حضور ﷺ کی اسی ذمہ داری "ویزکیھم" ہی کا ایک عملی پھیلاؤ ہے۔ اگر شجرے کو اس طرح پڑھیں کہ ہر واسطے کے بعد کا لفظ آپ کے سامنے رہے تو اس تسلسل پر کسی کو کسی قسم کا کوئی خدشہ دل میں نہیں گزرنا چاہیے۔ شجرہ پڑھنے کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اے رب کریم! ان بزرگوں کے واسطوں سے مجھے حضور ﷺ کی روحانی بادشاہیت میں داخل فرما دے۔

اردو میں واسطے کا معنی

عربی کے حرف لام کو اردو میں واسطے سے ترجمہ کرتے ہیں۔ اعطنی للّٰہ مجھے اللہ کے واسطے دے۔ یہاں لام واسطے کے معنی میں ہے، مجھے یہ چیز اللہ کے واسطے دے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ چیز مجھے اللہ کے لیے دے اسے اس کی ضرورت ہے (معاذ اللہ) بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو یہ چیز مجھے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دے۔ یہاں واسطے کا معنی اس کی رضا طلبی کا ہے۔ اس معنی کے ساتھ (کہ یہ چیز اللہ کے لیے چاہیے) کوئی چیز مانگی نہیں جاسکتی نہ یہ کہا جاسکتا کہ اے اللہ مجھے یہ چیز فلاں بزرگ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دے۔ (استغفر اللہ)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ سے بحق فلاں کہہ کر کوئی چیز مانگی جاسکتی ہے؟ کیونکہ اللہ پر تو کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس پہلو سے بعض طلبہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اہل طریقت کے شجروں میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ کے واسطے تو اس سے کیا مطلب لینا چاہیے؟

اللہ کے حضور شفاعت بالوجاہت سے کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا اس پر کسی کی وجاہت کا واسطہ یا رعب نہیں ڈالا جاسکتا، سب اس کے بندے اور محتاج ہیں اس پر کسی کی وجاہت کیسے چلے۔ اسلام میں حضور ﷺ کی شفاعت برحق ہے لیکن یہ شفاعت بالاجازۃ

ہے۔ اسلام میں شفاعت بالوجاہت کا کوئی تصور نہیں۔ طریقت کے شجروں میں کسی بزرگ کی عزت اور وجاہت کے حوالے سے خدا سے کوئی چیز نہیں مانگی جاتی۔ یہاں واسطے کا لفظ واسطہ کے معنی میں ہے سو ان شجروں میں دیئے واسطوں سے مراد ان کے اردو معنی نہیں عربی معنی مراد ہیں۔ عربی میں وسائط سے مراد وہ چیزیں ہیں جو کسی چیز کے حصول کا ذریعہ بنیں جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ عام بندوں اور خدا کے درمیان انبیاء کرام واسطہ ہیں، یہ وہ ذریعہ ہیں جن کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور عدم مرضیات کا پتہ چلتا ہے۔ سو یہ واسطے وہ ذرائع اور وسائط ہیں جن کے ذریعے سے سالکین پر اللہ رب العزت کا فیض اترتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ کوئی بزرگوں کے بارے میں کہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بدنصیب نہیں ہوتا، کچھ نہ کچھ اسے مل ہی جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہی سمجھا جاتا ہے کہ جب اُن بزرگوں پر اللہ تعالیٰ کا فیضان اترتا ہے تو اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی مل جاتا ہے اور یہ بزرگ ان پاس بیٹھنے والوں کے لیے فیضانِ الٰہی کا واسطہ بن جاتے ہیں۔

سو یاد رکھیئے کہ ان روحانی شجروں میں واسطے اس معنی میں ہیں کہ مریدین اور سالکین کو ملاء اعلیٰ سے جو فیض ملتا ہے وہ ان بزرگوں کے وسائط سے ملتا ہے جن کے پاس بیٹھنے والے بھی اپنا نصیب نہیں ہارتے کچھ نہ کچھ لے ہی جاتے ہیں۔ **هم القوم لا يشقىٰ جليسهم**

سو ان شجر ہائے طریقت میں واسطے کے آگے حرف ''سے'' لگا لیا جائے تو ہر کسی کے ہاں اس کا ہر خطرہ ٹل جاتا ہے اور سالک ان واسطوں سے آگے گزرتا ہے۔ اللہ کے بندوں کی شان ہے کہ جب وہ کوئی بات سنیں تو اس کے بہتر سے بہتر محمل تلاش کرتے ہیں اور وہ اس پر جلدی انگلی نہیں اٹھاتے۔

فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اولئک الذين هدا هم الله و أولٓئک هم اولوا الالباب

(پ: ۲۳، الزمر: ۱۷)

ترجمہ: سو بشارت دو میرے ان بندوں کو جو غور سے بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی لوگ ہیں سمجھ رکھنے والے۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ اللہ کے ہاں وہی لوگ ہدایت پر ہیں جو کسی بات کو سنتے
ہیں تو اس کا بہتر سے بہتر محمل سامنے لاتے ہیں، وہ بدگمانی سے کام نہیں لیتے کہ بات کو کھینچ
کھینچ کر کسی ایسے محمل پر لائیں جسے فطرت بھی قبول نہ کرے اور کتاب وسنت سے بھی اس کا
کھلا تصادم ہو اعاذ نا اللّٰہ منھا.

نوٹ: اہلِ طریقت کی مجلسوں میں جب تک بار بار اور تادیر بیٹھنے کا موقعہ نہ ملے
کوئی شخص ان کے عام استعمال میں آنے والے کلمات کو سمجھ نہیں پاتا۔ یہی وہ موڑ ہے جس پر
ان حضرات کے بارے میں بدگمانیاں شروع ہوتی ہیں اور پھر ان لوگوں کو کبھی حلقہ طریقت کی
خوشبو تک نصیب نہیں ہوتی۔ ہم انہیں عصر جدید کے عظیم سکالر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے
ایک محقق عالم کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ تصوف کس طرح زندگی کی تمام اداؤں کو شامل
ہے اور وہ کس طرح انسان کی ہر ادا کو سنوارتا ہے۔ واللّٰہ أعلم وعلمہ اتم و احکم.

محقق العصر مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے گرامی

تصوف صرف اذکار، اوراد اور چلہ کشی کا نام نہیں یہ زندگی کے ہر دائرہ کو شامل ہے

حضرت علامہ سید سلیمان اپنے شیخ کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

ہر صنف امت اور جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی۔ شادی، بیاہ، غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا اور کھوٹا الگ کیا اور رسوم و بدعات مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا۔ تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق، عبادات اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی۔ فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ فن سلوک و احسان کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجدید کی۔

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا شبلی و جنید و بسطامی اور سہروردی و سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔

یہ ہستی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہے۔ مولانا تھانوی نے التشرف کی ضخیم جلد میں بالتفصیل اور حقیقت الطریقت میں مختصر تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی ہے اور مسائل السلوک من کلام ملک الملوک میں تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت کئے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنی متعدد تصانیف و مواعظ میں جابجا تصوف کے متعلق نہائت وضاحت سے تصریح فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور اعمال باطنی سب آ گئے۔

اعمال باطنی گویا شریعت سے الگ نہیں۔ شریعت کا ہی ایک ذیل ہیں جسے طریقت کہا جاتا ہے۔

وھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔

تم الجلد الاول من آثار الاحسان ویتلوہ الثانی ان شاء اللّٰہ وعلیہ التکلان فی کل زمان و مکان وھو المستعان واللّٰہ الحمد.

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

ڈاکٹر اقبال مرحوم کا ایک تاریخی خط

لاہور ۲۸ر اپریل ۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ رموز بیخودی میں نے ہی آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی۔ ریویو کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

آج مولانا ابوالکلام کا خط آیا ہے۔ انھوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذ الکل ہیں۔ اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا۔ اسرار خودی کا دوسرا ایڈیشن تیار کر رہا ہوں عنقریب آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

رسالہ ''صوفی'' میں مَیں نے کوئی نظم شائع نہیں کی۔ کوئی پرانی مطبوعہ نظم انھوں نے شائع کر دی ہوگی۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں ''صوفی'' کو ''معارف'' پر ترجیح دوں۔ ''معارف'' ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارتِ ایمانی میں ترقی ہوتی ہے میں ان شاء اللہ ضرور آپ کے لیے کچھ لکھوں گا۔ یہ وعدہ کچھ عرصہ ہوا میں نے آپ سے کیا تھا اور میں اس وقت تک پورا نہیں کر سکا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور (اقبال نامہ)

(عکس) کلیات مکاتیب اقبال جلد اوّل صفحہ ۷۰۵